کنفیوژن



شاہ نواز ٹینگ

کنفیوژن

مصنف

شاہ نواز ٹینگ

نام کتاب : کنفیوژن

سنہ اشاعت : ۲۰۱۱ء

مصنف : شاہ نواز ٹینگ

قیمت : ۱۰۰/روپئے

کمپیوٹر کمپوزنگ : امتیاز امین ڈار اور مسرت جان

تعداد : ایک ہزار (۱۰۰۰)

چھاپ خانہ : جے۔کے۔آفسیٹ پرنٹرز، جامع مسجد، دہلی۔۱۱۰۰۰۶

فہرست

ترتیب خرافات

پیش لفظ

بعض افراد اپنی اہلیت ،صلاحیت اور مہارت کے اعتبار سے یکتائے زمانہ بھی ہوتے ہیں اور عجوبۂ روزگار بھی۔ یکتائے زمانہ اس لئے کہ اُن کا اپنے شعبے میں کوئی ثانی اور عجوبۂ روزگار اس لئے کہ انہیں اپنے اندر مخفی صلاحیتوں کا احساس اور اندازہ نہیں ہوتا لیکن جب کبھی ان صلاحیتوں کو باہر آنے کی تحریک ملتی ہے تو چشمِ بینا حیران وششدر ہو کر رہ جاتی ہے۔کوئی فرد اپنی ذہنی صلاحیتوں سے چہار دانگِ عالم میں اپنا لوہا منواتا ہے، کسی شخص کی جسمانی قوت وکراتب اُسے ممتاز بنا دیتے ہیں۔ کوئی صاحب اپنے روحانی کمالات سے شہرۂ دوام حاصل کرتا ہے، کوئی اپنی علمی صلاحیتوں، ذہانت واہلیت کے سبب منفرد اور مثالی مقام پاتا ہے جبکہ کسی کا اندازِ بیان ،طرز تحریر وتقریر معنیٰ ، بلاغت ،مزاح اور ظرافت سے اس قدر لبریز ہوتا ہے کہ قارئینِ وسامعین مشاہدین ومُنظرین کے دہانوں سے بلاساختہ مرحبا وآفرین کے الفاظِ تحسین نکل آنے میں ذرا بھی دیر نہیں لگتی۔ زیرِ نظر کتاب کا ورق ورق بلکہ لفظ لفظ اور حرف حرف آخر الذکر صنف سُخن ،طرزِ تحریر واندازِ بیان کا نہ صرف عکس بلکہ احاطہ کرتی ہے۔ کتاب کے مصنف شاہ نواز ٹینگ نے ہر مضمون میں انتہائی خوبی کے ساتھ مزاحیہ انداز میں سماج کے مختلف مکاتب فکر کی تصویر کشی کچھ اس انداز سے کی ہے کہ عقل

معترف ہو جاتی ہے اور چشم بینا طمانیت کا اظہار کیے بنا نہیں رہتی۔ میدانِ ادب کے شعبہ مزاح میں بہت ہی قلیل تعداد میں ایسے شہسوار نظر آئیں گے جن کی تحریریں اور جن کا کلام بلاغت آمیز ظرافت سے مزین ہونے کے ساتھ ساتھ تطہیر واصلاح، علم وآگہی حالات وواقعات بندی کے اعتبار سے شہہ پاروں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ شاہ نواز ٹینگ کی اخباری تحریروں پر مشتمل یہ کتاب فی الحقیقت شاہ پاروں کیلئے مقررہ کسوٹی پر پوری طرح اترتی ہے۔ ان میں بیشتر تحریروں کا بین السطور گلستانِ سعدیؒ کی حکایات کا آئینہ دار ہے جن میں انتہائی مدبرانہ وعالمانہ انداز میں انتہائی خوبصورتی سے شاہان وقت، اُمرا، وزرا اور بااثر اصحاب کی بالخصوص اور سماج کی بالعموم اصلاح کو موضوع بنایا گیا ہے۔ زیر نظر کتاب میں مندرج ہر تحریر گو کہ مضمون ومدعا کے لحاظ سے منفرد اور مثالی ہے لیکن بعض تحریریں ایسی ہیں جو ضمیر کو جھنجھوڑتی اور ذہن وقلب میں ارتعاش پیدا کرتی ہیں۔ تنقید برائے تعمیر سے آراستہ ان مزاحیہ تحریروں کا پیغام اصلاحِ عام ہے گو کہ یہ زمان ومکان، حالات وواقعات اور سماج میں پیدا شدہ خرابیوں، بُرائیوں، بدعات اور غیر صحت مند عوامل وروایات کے پیش نظر اور اصلاحِ احوال کی غرض سے زیب قرطاس کی گئی ہیں لیکن ان کی اہمیت وافادیت مستقبل قریب وبعید میں بھی قائم ودائم اور برقرار رہے گی اور قارئین کو مدعا ومقصد کی جانب متوجہ کرنے کے ساتھ ساتھ اُن کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی تحریک دیتی رہے گی۔

عبدالغنی راسخ

۲۰۷/۱۹۸

باغ مہتاب سرینگر۔190019

10 نومبر 2010

چمن کو انتظار ہے

جیل کونسر ناگ کونگہ وٹن اور اہربل آبہ شار کے اسطرف ''رائے نیو راور شوپکیو ر''
نامی برفپوش پہاڑوں کی پہلوؤں میں سرسبز جنگلوں کے زیرِ دامان شوپیان اوراس کے گرد
ونواح کی حسین وجمیل تاریخی سرزمین جسے مست اندام سے بہتے دریائے رمبی آرہ کی
شاخ درشاخ پُرسوز ندی نالوں کی سیرابی وشادابی کیساتھ ہی سربلند پہاڑوں سے ڈھلتی
جنگلوں سے گذرتی سرسراتی ہوئی پُرسرور ومخمور معطر ہواؤں نے کیفِ بہاراں کی سرمستیوں
کی عنایت سے یہاں کی جنس آدم کے لیے فکروذہن کی زرخیزی بھی عطا کردی ہے۔

شوپیان کی فردوس نظر دھرتی تاریخ کے مختلف ادوار میں نہ صرف معرکہ ہائے جنگ
وجدل، میں شکست وفتح کی آماجگاہ رہی ہے بلکہ تہذیب وتمدن اور علم وخرد کا گہوارہ بھی۔
جہاں سے مختلف نکاتِ نظر کے نامور مبلغین کئی دینی مصلحین مُتعد دشیرین بیان واعظین
کے علاوہ شعروادب کے دِلدادگان اور محققین بھی پیدا ہوتے رہے ہیں۔ جو انقلاب آفرین
خطۂ زمین تا ایں دم علم وادب کی عرفان نظر کے بُلند تر فکر وفلسفے کا مرکز نظر ہے اور مشعلِ راہ
بھی۔ جسکے پس دیوار ایک اور امید افزا ادبی کرِن پھوٹ رہی ہے۔ جو مستقبل میں اپنے
آب وتاب کی شعلہ فِشاں چنگاری بھی بن سکتی ہے۔

شہنواز ٹینگ کی ''بلاعنوان'' ادبی پیشکش ۔ شاید جوان کی ابتدائی تیاری ہے دنیائے ادب میں آغاز سفر کی۔ جسے تحسین و آفرین کیساتھ استقبال کرتے ہوئے ادب عالیہ کی تخلیقی عمل کے بارے میں کچھ کہنا بھی مناسب ہے یوں تو نوجوان ادیب اپنے مشاہدہ میں جہاں موجودہ سماجی ماحول کی آلائیشی برائیوں سے بخوبی واقف ہیں۔ وہاں تخلیقی ادب کے اسرار و رموز کی آگہی بھی رکھتے ہیں۔ ''بلاعنوان'' ادب کے نئے تقاضوں کی ایک پیشگی بشارت ہے اور جسارت بھی۔ چنانچہ تسخیر خلاء کے ساتھ ہی اب خلائیات کے مسائل بھی نئے تخلیقی ادب کے موضوعات وعنوانات بن سکتے ہیں۔ اور خلائی دور کے آغاز ہونے کے بعد ہی اللہ میاں کی آسمانی بارگاہ حکومت تک خلائی سیڑھیوں سے چڑھنا ممکن ہوگیا ہے۔ جہاں ہیلی کواپٹر کے علاوہ جیپ اور موٹر کار کا پہنچ جانا بھی آسان ہوگیا ہے۔ ہمارے نئے ابھرتے ہوئے ادیب نے نہایت ہی فنکارانہ کمالِ مزاح سے اللہ میاں کے حضور روسی چینی، انگریز، پٹھان، فلسطینی اور دکھاوے کے عبادتگذار اپنے کشمیری بھائی کی خوب عکاسی ہے جو بہر حال قابل ستائش ہے۔

پیش از پیش کی گئی پیشگوئی کیمطابق نوجوان ادیب اپنی تمامتر صلاحیتوں کو بروے کار لاکر ادب کے نئے تقاضوں کی عمل آوری کو پورا کر کے اپنے اندر کے ادیب کو آگے منظر پر لانے میں ضرور عہدہ برا ہوکر ہی کامیاب ہوگا۔ جسکے لئے زمانے کو انتظار ہے۔

۳ جون ۱۹۸۸ء

ابوالمنصور رنجور کاشمیری

دبستان بیت الانوار کیگام

نوٹ:۔ جب موحوم رنجور صاحب نے یہ محسوسات لکھے تھے اس وقت اس کتابچہ کا عنوان ''بلاعنوان'' تجویز ہوا تھا۔ اور اُس وقت جو مضامین زینت مجموعہ ہونے والے تھے وہ زمانہ کی دست برد کا شکار ہوکر شامل اشاعت نہ ہوسکے۔ مصنف

تاثرات

میں نے شاہ نواز ٹینگ کے انشائیے پڑھے اور اس بات سے بڑی خوشی ہوئی کہ وہ بڑی شگفتہ نثر لکھتے ہیں۔ اس عہد کے بہت سے ادیب کچھ بے جا تصنع اور کچھ اس وجہ سے کہ ان کے پاس کہنے کو کچھ نہیں ہوتا موٹے ہوٹے لفظوں سے پڑھنے والوں کو موعوب کرنا چاہتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی تحریریں پڑھنے والوں کو اکتا دیتی ہیں۔ اور جب انہیں کوئی پڑھتا ہی نہیں تو مرعوب کون ہوگا۔

شاہ نواز نے لکھنا اور سوچنا جاری رکھا تو وہ دن دُور نہیں جب انہیں اُردو فکشن اور اردو انشاء کے افق پر ایک رَوشن ستارے کی حیثیت حاصِل ہوگی۔ تیکھے طنز اور مزاح کی چاشنی نے ان کی تحریروں کو پُرکشش بنایا ہے اور انہیں اپنی صلاحیت کی نشونما کرنی چاہیے۔

سرینگر ۱۶ اکتوبر ۱۹۸۸ء

کمال احمد صدیقی

شاہنواز ٹینگ

شاہنواز ٹینگ وادی کشمیر کے شگفتہ نگار انشا پرداز ہیں۔ آپ کی تحریروں میں ''کونگ وٹن'' کے سبزہ زاروں کی شادابیت بھی ہے اور اہرہ بل کے آبشار کا جلال بھی ہے۔ آپ کے یہاں تنقیدی شعور کے ساتھ ساتھ زبان و بیان کا اعلیٰ اور تخلیقی اظہار ملتا ہے۔ اس تخلیقی نثر میں کچھ مصوری ہوتی ہے کچھ نغمگی ہوتی ہے۔ لیکن ان بظاہر شانت اور شیتل لہروں کے نیچے طنز کے جو طوفان چھپے ہوتے ہیں نکتہ داں ان کے امنڈتے بپھرتے تیر و نشتر سے بخوبی آگہی رکھتے ہیں۔ سچ پوچھیں تو شاہنواز کے نثر کے یہ نشتر ہی ان کے اسلوب اور اظہار کی شناخت ہیں۔ یہ حروف برہنہ ہی ان کی انفرادیت کے امین ہیں۔ اس سلسلے میں آپ کے وہ درجنوں مضامین پیش کئے جاسکتے ہیں جو گزشتہ برسوں کے دوران وادی کے مقبول اخبارات و جرائد میں شائع ہوتے رہے ہیں ہفت روزہ ''جبروت'' میں ''یہ مسلمان ہیں کہ انہیں دیکھ کر شرمائیں یہود'' کے سلسلے سے اقتباسات پیش ہیں 1۔

''انجینئر صاحب دن کی روشنی میں اولیائے کرام کی درگاہوں پر حاضری دیتے ہیں اور رات کی تاریکی میں اپنے ماتحتوں اور ٹھیکیداروں کے ساتھ سرگوشیاں کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کی جیب کو جادوئی تھیلا بھی کہا جاسکتا ہے جس میں سے جب چاہو جتنے چاہو پیسے نکالو۔ اس کے خالی ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ وکیل صاحبان بار ایسوسی ایشن کی

شکل بنا کر سیاست کے پری محل میں بھی تاک جھانک کرتے رہتے ہیں۔ استاد استانی اسکول میں بچوں کو سبق ذہن نشین کرانے کے بجائے ''ذہن نشین'' کراتے ہیں''۔

''ہڑتال نیم مردہ بستی کو یخ بستہ کرنے والا جدید ترین ہتھیار ہے۔ سڑکیں سنسان اور گلی کوچے ویران ہو جاتے ہیں اور خلقت گھروں کے اندر ٹیلی ویژن تاش یا نیند کی نذر وقت کر دیتی ہے''۔

محفلوں کو اپنی پُر لطف باتوں سے باغ و بہار بنا دیتے ہیں۔ لیکن اپنی محرومیوں کو ذات کے زنداں میں قید کر دینے کا گُر اب ان میں آ گیا ہے۔ بعض یاران کہن شہنواز ٹینگ کو مجموعہ اضداد بھی کہتے ہیں، لیکن آپ کے ذات میں جو عجب سی قلندرانہ شان پائی جاتی ہے اس کی بنا پر یہی کہا جا سکتا ہے کہ

ادیبوں کی دنیا کے درویش ہیں یہ

ہفت روزہ ''جبروت'' ۱۳/دسمبر ۱۹۹۰ء

جموں وکشمیر کے اردو مصنّفین مطبوعہ جموں وکشمیر اکیڈیمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز صفحہ نمبر ۶۲۔۳۶۱

اپنی بات

درد سے میرا دامن بھر دے یا اللہ

پھر چاہے دیوانہ کردے یا اللہ

اللہ نے سُن لی ، دعا قبول ہوگئی دل کا یہی درد کنفیوژن میں سمو کر پیش قارئین ہے۔ البتہ کیا دیوانہ بھی کر دیا ہے اسکا احساس نہیں...... یہ ثابت کرنے کا فریضہ اپنوں پر چھوڑ دیا ہے جو ریوڑ در ریوڑ موجود ہیں۔

میری تعلیم کہاں تک ہے؟ شاید پٹیالہ یا پھر چاند تک! میری پیدائش بھی شاید کسی قبرستان کے آس پاس ہی ہوئی ہے۔

میرا خیال ہے کہ روایتی سکول کالج اور یونیورسٹی انسان کے دماغ میں خبر لوڈ کرتی ہیں نظر عطا نہیں کرتے جسے علم کہا جاسکے۔ نالیج گیان یا عرفان شاید ایک الہامی کیفیت کا نام ہے جو طاری ہوتی ہے۔ طاری کروائی نہیں جاسکتی بھلے ہی نام کے آگے ڈاکٹر اور آخر میں Phd اور ڈی لٹ بھی کیوں نہ لگے ہوئے ہوں۔ زیر نظر کتاب میں اردو کو سہل اور روزمرہ انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ کیونکہ نوابی اردو سے ہمارے بچے بہت خوفزدہ

ہونے لگے ہیں۔ انہیں اب انفارمیشن تیکنالوجی کے زمانہ کی اردو چاہئے۔

کتاب محض دوستوں کے اسرار سے تنگ آ کر ترتیب دی ہے۔ نہ پدم شریوں کی فہرست میں نام شامل کروانے کی تمنا ہے اور نہ ہی ساہتیہ اکادمیان کے اکھاڑے میں زور آزمائی کرنے کا حوصلہ۔

کتاب کی چند کاپیاں شاید دوست واحباب احساسِ مروّت سے مغلوب ہو کر خریدینگے۔ کیونکہ یہاں کتاب بینی کا شوق کم ہی ہے۔ کتاب کی خریداری کیلئے مختلف محکموں کے ناظمین کے دروازوں پر دستک دینا بھی گوارا نہیں۔ جان محمد آزاد نے خاکسار کا نام ادیبوں کی فہرست میں شامل کیا ہے۔ ان کا بھرم قائم رکھنے کیلئے بھی کتاب شایع کرنے کا اہتمام کیا ہے۔

عبدالغنی راسخ اپنے چچا مرحوم محمد ایوب بیتاب غلام نبی رتن پوری، مقبول ساحل، سورگباشی لسہ کول اور سوم ناتھ سادھو کا شکر گذار ہوں کہ ادبی دنیا میں ان سے اکثر بار رہنمائی حاصل ہوئی۔

اس کتاب میں شامل انشائیے پہلے ہی وادی کے مختلف اخبارات اور روزناموں میں شائع ہو چکے ہیں۔ فقط

شاہ نواز ٹینگ

اپنی تلاش میں

میں زندہ دل قد آدم آئینہ کے سامنے کھڑا اپنی زلفیں سنوار رہا تھا۔ لیکن میں یہ دیکھ کر ششدر رہ گیا کہ آئینہ میں میرا عکس ہی نہیں تھا۔ یہ دیکھ کر مجھے رومانیہ کا خون چوسنے والا ہیبتناک کردار ڈراکیولا یاد آ گیا کیونکہ سنا ہے کہ اس کا عکس بھی آئینہ میں دکھائی نہیں دیتا۔ میرا وجود غائیب ہو گیا تھا!...... میں اپنے وجود کی تلاش میں اپنے دوست مردہ دل کے پاس چلا گیا۔

میں نے مردہ دل سے پوچھا یار میں کہیں کھو گیا ہوں۔ گُم ہو گیا ہوں! کیا تم نے مجھے کہیں دیکھا ہے؟ وہ پریشان اور غمگین ہوا......... اور مجھے مشورہ دیا کہ مسجد جا کر دیکھوں......... کیا معلوم میں وہاں نماز کیلیئے گیا ہوں! میں الٹے پاؤں مسجد کی طرف جا دوڑا.......... لیکن مسجد خالی تھی میں واپس آیا اور اُسے یہ بد خبر سنا دی۔

اچانک مردہ دل چونک پڑا اور انکشاف کیا کہ میں ضرور میخانہ گیا ہونگا............ لہٰذا بہتر ہے کہ میں میخانہ جا کر دیکھوں.......... کیا پتہ ساقی کے ہاتھ سے جام پر جام چڑھا رہا ہونگا! میں فوراً میخانہ گیا۔ وہاں ساقی خراماں خراماں رندوں کے پیمانے لبریز کر رہا تھا۔ میں نے خود کو رندوں میں تلاش کیا۔۔ لیکن میں موجود نہیں تھا۔ میں نے جب ساقی سے استفسار کیا تو اس نے جواب دیا کہ زندہ دل نے تو ایک عرصہ سے میخانہ میں قدم نہیں رکھا ہے۔

وہاں سے بھی مایوس ہو کر میں واپس مردہ دل کے پاس لوٹ آیا اور اسے اپنی بپتا سنائی۔ سن کر مردہ دل اور بھی گھبرا گیا۔ لیکن گھبراہٹ پر قابو پا کر اس نے مجھے مشورہ دیا کہ پیر بابا کے مزار پر جا کر دیکھوں۔ کیا پتہ من کی مراد پوری ہونے کی منت لیکر میں وہاں گیا ہوں۔

میں فوراً آٹو رکشا میں سوار ہو کر پیر بابا کے مزار پر گیا۔ عقید تمندوں کی بھیڑ میں، میں نے خود کو تلاش کیا لیکن موجود نہ تھا۔ میں واپس مردہ دل کے پاس لوٹ آیا اور اس کو اپنی ناکامی بتادی۔ اس نے مجھے حوصلہ دیا اور کہا جاؤ حسینہ بانو کے کوٹھے پر خود کو تلاش کرو۔ کیا خبر تم وہاں کمسن شباب کے ساتھ رنگیلی رات بسر کر رہے ہوں۔ میں فوراً کوٹھے کی طرف روانہ ہوا۔ کوٹھے پر پُرشباب حسینائیں رقص کر رہی تھیں۔ اور عیاش انتہائی حریص نظروں سے ان کے مٹکتے کولہے، لچکتے کمر اور اچھلتے سینوں کو گھور رہے تھے۔ ان عیاشوں میں خود کو تلاش کرنے لگا۔ لیکن میں وہاں بھی موجود نہیں تھا۔ حالانکہ نمازِ عشاء کے بعد میں اکثر حسینہ بانو کے کوٹھے پر شب عیش گذارنے جایا کرتا تھا۔ زچ ہو کر میں پھر واپس اپنے دوست مردہ دل کے پاس واپس لوٹ آیا اور اس کو پوری رام کہانی سُنائی۔ وہ حد درجہ اُداس ہوا اور کہنے لگا یہ تو پولیس کیس ہے۔ ہمیں فوراً تھانے میں FIR یعنی رپٹ درج کروانی ہوگی۔ لیکن اچانک وہ خوشی سے اُچھل پڑا اور بولا...... یار میں نے سنا ہے کہ ماں اپنے بیٹے کو دل میں چھپا کر رکھتی ہے۔ ذرا جا کر دیکھو ماں نے دل میں تو نہیں چھپایا ہے۔

میں فوراً ماں کے دل کے دروازہ پر جا پہنچا۔ دستک دی دروازہ کھلا اور اندر سے سنہرے رنگ کا ایک خوبصورت آدمی باہر آیا۔ میں حیرت زدہ ہوا۔ اور میں نے پوچھا۔

یہ تو میرا گھر ہے۔ تم یہاں کیسے ہو؟

اس نے خمار آلودہ آنکھوں سے جواب دیا۔

ہے مسٹر میں نے آپ کو کبھی بھی یہاں نہیں دیکھا ہے۔ اور خود میں یہاں برسوں

سے رہ رہا ہوں!

اس سے پہلے کہ وہ پٹاخ سے دروازہ بند کرتا میں نے اس کا نام پوچھا۔

میرا نام ارمان یعنی Gold ہے۔۔ وہ بھی 22 کیرٹ

یہ کہکر اسنے تڑاخ سے دروازہ بند کر دیا۔

اس کے بعد میں اپنی بیوی کے دل کے دروازے پر گیا۔۔ دستک دی دروازہ کھلا۔۔ اوہ یہ کیا۔ اندر بچے دوا کائی دو دو دو نے چار کا پہاڑہ رٹ رہے تھے۔ دوسری طرف لڑکیاں اسم خاص، اس عام، فعل، فعل مرکب اور ترکیب نحوی کی گردان کر رہی تھیں۔ ایک جانب کونے میں ایک ٹاپسٹ اپنے ٹائیپ رائیٹر پر کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔ ٹپ ٹپ ٹپ۔۔ سٹاخ۔۔ ٹپ ٹپ ٹپ شٹاخ۔ شور وغل سے میرے کان پھٹنے لگے۔۔ میں نے نظریں ذرا اونچی کیں تو وہاں بورڈ لٹک رہا تھا۔

دفتر ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ سکول

دروازہ بند کرر کے میں محبوبہ کے دل کے دروازہ پر جا پہنچا۔۔ حسبِ معمول دستک دی اور دروازہ کھلا...... اندر سے میرا دوست مردہ دل نکل آیا...... میں حیران ہوا اور پوچھ لیا...... کیوں بے کمبخت تو بھی بے وفا ہو گیا۔ یہ تو میرا گھر ہے تم کیسے اندر گھسے۔

مردہ دل گھبرا گیا اور بولا یار گھر تو یہ تمہارا ہی ہے۔ البتہ کبھی کبھی میں بھی نظر بچا کر یہاں آتا ہوں۔

میں نے خود ہی دروازہ بند کر دیا۔ اور اپنے بیٹے کے دل کے دروازہ پر آ پہنچا۔۔ دروازہ کھلا اور اندر سے فلم ایکٹرس ایشوریہ رائے باہر نکل آئی۔۔ میں نے عرض کیا مسز بچن یہ تو میرا گھر اہے آپ کیسے اندر آئیں۔

بل کھاتے لہراتے ہوئے اس نے Cute مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے Convey کیا کہ جب سے اس کی فلم "تال" ریلیز ہوئی ہے۔ میں ہی آپ کے بیٹے کے دل کی دھڑکنوں کی تال پرڈانس کرتی ہوں۔

یہاں سے رفو چکر ہو کر میں بیٹی کے دل کے دروازہ پر چلا آیا۔ دروازہ کھلا اور اندر سے بالی وڈ ایکٹر شاہ رُخ خان نکل آیا۔ میں چونک گیا اور پوچھ ہی بیٹھا۔ King خان یہ تو میرا گھر ہے تم یہاں کہاں!

اس نے اپنی مسحور کر دینے والی مسکراہٹ بکھیرتے ہوا کہا کہ لگتا ہے تم پانچویں پاس سے تیز نہیں ہو۔

میں نے حیران ہو کر پوچھا وہ کیسے؟

اس نے جواب دیا کہ جب سے میری فلم " کچھ کچھ ہوتا ہے "ریلیز ہوئی ہے۔تب سے میں ہی آپکی بیٹی کے دل کا سب کچھ ہوں۔ یہاں سے بے بس ہو کر میں اپنے والد کے دل کے دروازہ پر گیا۔ دروازہ کھلا تو ایک خوبصورت سی عورت جسکی زلفیں بکھری ہوئی تھیں۔اپنی قمیص کے بٹن بند کرتے ہوئے باہر نکل آئی۔ وہ گھبرائی گھبرائی سی تھی۔ میں نے پوچھا۔

کون ہیں آپ؟ یہ تو میرا گھر ہے اور آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟

اپنی بکھری زلفیں سمیٹتے اور سر پر سر کا آنچل ٹھیک کرتے ہوئے اس نے یہ کہہ کر دروازہ بند کر دیا کہ

میرا نام باہر والی ہے............اور مختلف اوقات میں مختلف روپ دھارن کرتے ہوئے آتی جاتی رہتی ہوں۔ میں بہت تھک چکا۔ لیکن ہمت نہیں ہاری تھی۔ آخری کوشش کے طور پر میں نے اپنے روحانی مرشد اور سیاسی لیڈر کے دلوں کو ٹٹولنے کا فیصلہ کیا۔ ان

دونوں اصحاب کیلئے اپنا بچپن، جوانی وقف کردی تھی۔ ان کو دعوتیں کھلائی تھیں۔ ٹانگیں دبائی تھیں۔۔ استقبال کیئے تھے۔ گلے میں پھولوں کی مالائیں پہنائی تھیں۔ اور مرغا کرے گا بکرا کرے گا خر کرے گا کے نعرے لگانے میں پوری زندگی گذاری تھی۔ میں نے پہلے اپنے روحانی پیر و مرشد فقیر لسہ کاکھ کے دل کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اس نے مجھے خوشخبری سنائی تھی کہ وہ سمسار کی اس غلیظ دلدل سے میرا بیڑا پار اتارے گا۔

زندگی بھر نذر و نیاز، تحفہ تحائیف، مرغ و ماہی، اطلس و کمخواب اور زردہ و پلاؤ سے اس کی خوب خدمت کی تھی۔ میرا یقین تھا کہ اس نے صرف اور صرف میری ہی مورت اپنے من کے صنم خانہ میں سجا رکھی ہوگی۔ میں نے یا پیر عالمگیر کا نعرہ لگاتے ہوئے پیر و مرشد کے دل کے دروازہ پر دستک دی، دروازہ کھُلا، ارے یہ کیا؟۔۔۔ اندر سے سفید کھدر میں ملبوس اور سر پر چہار خانہ ٹوپی اوڑھے ایک تندرست آدمی نکل آیا۔ اسکے لباس پر یخنی، رستہ، قورمہ کے داغ لگے تھے۔ جن سے وازہ وان کی دل پذیر خوشبو آرہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں تانبہ کا لمبا چونچہ تھا۔ جس پر نوبہ نو قلعی چڑھائی گئی تھی۔ میں حیران ہوا اور پوچھ لیا کہ میاں پیر و مرشد کے دل پر تو اس کا طالب راج کرتا ہے۔ تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ اس نے کہا کہ بے وقوف تم نے ڈاکٹر اقبال کا شعر نہیں سُنا۔

خدایا تیرے سادہ لوح بندے جائیں تو کدھر جائیں
یہ درویشی بھی عیاری ہے اور سلطانی بھی عیاری

اس دل پر ہمیشہ آشپاز کا ہی راج تھا اور رہے گا۔۔ یہ تو خود رستہ و گشتابہ کی دیگ میں ڈوبا ہوا ہے۔۔ سمسار کا سمندر تمہیں کیا پار کرائے گا؟۔ اس نے چونچہ سے میرے سر پر ٹھونکا مارا اور دروازہ بند کر دیا۔

میں اب اپنے سیاسی لیڈر کے دل کے نزدیک گیا.........

اندر کھسر پھسر کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اتنی دیر میں دروازہ کھلا۔ اور ایک آدمی جو کیسری رنگ کے کپڑوں میں ملبوس اور نقاب پوش تھا.......... آہستہ آہستہ چور دروازہ سے باہر نکل گیا۔

میں نے دیکھا کہ اس کے جانے کے بعد سبز رنگ کے لباس میں ملبوس ایک اور نقاب پوش اندر آیا۔۔ وہ بھی سرگوشیوں میں بات کرنے کے بعد اسی چور دروازہ سے واپس چلا گیا جس دروازہ سے اندر آیا تھا۔ جب سب نقاب پوش چلے گئے تو میں نے جھانک کر اندرونِ دل سیاسی رہبر خود کو تلاش کیا۔

لیکن میں ہرگز ہرگز وہاں نہیں تھا۔ البتہ وہاں Godrej والوں کی ایک کرسی چمک رہی تھی جس پر وزیرِ اعلیٰ بیٹھتے ہیں۔

میں ناکام ہو کر لوٹا.......... میں اپنے وجود کو کہیں بھی تلاش نہیں کر پایا؟!

مایوسی اور حسرت زدہ میں واپس اپنے دوست مردہ دل کے گھر کی طرف چل پڑا۔

ایک لمبی گلی طے کرتے ہوئے سیارہ رنگ کا ایک کُتا کھڑا ہو گیا۔ میری طرف دیکھ کر وہ دوستانہ انداز میں اپنی دُم ہلانے لگا۔ اس کی آنکھوں سے آواز آ رہی تھی کہ اے انسان کن دلوں میں خود کو تلاش کر رہے ہو؟ مادہ پرستی نے ان دلوں کو سیاہ کر دیا ہے۔ اور ان میں اب صرف ظلمتیں ہیں روشنی کی ایک ہلکی سی کرن بھی نہیں۔۔؟

مجھے یاد آیا.......... میں نے دو دن پہلے اس کتے کو ایک روٹی کھلائی تھی۔۔ میں جلد جلد آگے لپکا۔۔ اور اس کے دل کے دروازہ پر دستک دے ڈالی۔ دروازہ کھلا ارے یہ کیا!؟!؟..........

میں اس سگِ آوارہ کے دل کے تختِ طاؤس پر شہنشاہِ شاہ جہاں کی طرح باملاحظہ ہوشیار جلوہ گر تھا۔

تیندوا

وادی میں انسان اور جنگلی جانور کے درمیان تصادم جاری ہے۔ سیاہ ریچھ اور تیندوا اپنی قدرتی پناہ گاہ سے محروم ہوگئے ہیں۔ انسان جنگل میں دور دور تک آباد ہوگیا ہے۔ اور اس وجہ سے ان جانوروں کی غذا کے قدرتی ذرائع معدوم ہورہے ہیں۔ ریچھ گھاس پھوس، پھل پھول، جڑی بوٹیوں، شہد کے چھتوں اور ندی نالوں میں موجود مچھلی وغیرہ پر اپنا گذارہ کرتا ہے۔ بعض اوقات مردہ جانور بھی کھاتا ہے۔ جبکہ تیندوا مکمل Non-Veg شکاری ہے اور جنگلی بلی، مارخور، ہرن، گیدڑ وغیرہ کا شکار کرکے اپنا پیٹ پالتا ہے۔ اب یہ شکار جنگل میں موجود نہیں رہا اس وجہ سے تیندوا اور ریچھ غذا کی تلاش میں انسانی بستیوں کا رخ کرتا ہے جہاں ان کا سامنا Domestic حیوان اور انسان سے ہوتا ہے۔ پھر Survival of the Fittest اصول کے تحت دونوں کے درمیان وجود کی جنگ شروع ہوجاتی ہے۔ جو کبھی انسان تو کبھی جانور کی ہلاکت کا باعث بن جاتی ہے۔ جنگلی جانور اپنے قدرتی علاقہ میں انسان کی مداخلت سے Confuse بھی ہیں اور ناراض بھی۔ ان حالات میں جنگلی جانوروں کا انسانی بستیوں کی طرف رُخ کرنا یقینی بھی ہے اور فطری بھی۔

اس مسئلہ پر تبادلہ خیال کرتے ہوئے جنگلی حیات کے ایک ماہر نے یہ مثال دی

کہ اپنے قدرتی habitat میں نہ انسان اور نہ ہی حیوان مداخلت برداشت کرتا ہے۔ مثلاً نیشنل کانفرنس کی جنرل سیکریٹری شپ نذیر صاحب کا قدرتی علاقہ ہے۔ جو اُسے قدرت نے الاٹ کیا ہے۔ اگر اس علاقہ میں نیشنل کانفرنس کا کوئی دوسرا کارکن گھسنے کی کوشش کرے تو نذیر صاحب کا ردِعمل فطری ہوگا اور اس عمل کے دوران کارکن پارٹی کی بنیادی ممبر شپ سے بھی ہاتھ دھو سکتا ہے۔ یا پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی کی قیادت کی لکشمن ریکھا میں محبوبہ جی اور مفتی صاحب کے بغیر کوئی دوسرا کارکن دست اندازی کی کوشش کرے تو کیا مفتی باپ بیٹی برداشت کرینگے؟ ہرگز نہیں صاحب ہرگز نہیں...... اگر ایسی کوشش کسی نے کی بھی تو اسکی حالت میر صاحب جیسی ہونا یقینی ہے۔ اسی طرح کشمیر میں PDP اور نیشنل کانفرنس کسی دوسری پارٹی کو اقتدار کی چراگاہ میں داخلہ کی اجازت ہرگز نہیں دینگے۔ کانگریس کی بیساکھیاں طلب کر کے لنگڑی سرکار بنانا قبول کرینگے۔ لیکن کسی دوسری پارٹی کو اقتدار کے Natural habitat میں گھسنا ہرگز برداشت نہیں کرینگے۔

نیشنل کانفرنس کی تاحیات سرپرستی فاروق صاحب کا قدرتی ہیبی ٹیٹ ہے۔ اس علاقہ میں نہ تو وہ راتھر صاحب نا ہی کچلو برادران اور نہ ہی محمد شفیع اوڑی کے گھس آنے کو ہی برداشت کرینگے۔ وزارتِ اعلیٰ کی قدرتی پناہ گاہ عبداللہ پریوار کا ہی حق ہے۔ اس میں اگر کوئی نیشنل تیندوا گھس پڑے تو عبداللہ پریوار ہرگز برداشت نہیں کریگا۔ عمر صاحب کسی دوسرے کارکن کو عوامی ایکشن کمیٹی کی صدارت کے جنگل میں کبھی برداشت نہیں کرینگے۔ یہ سب ناممکن اور بالکل غیر فطری ہے لہٰذا ان سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی ہے کہ کوئی ان کے قدرتی علاقہ میں گھس پڑے اور وہ خاموشی سے برداشت کریں۔ کیونکہ تیندوے اور Black Bear کی طرح یہ سب ان کا نیچرل موروثی علاقہ ہے۔ انکو سیاسی، مالی اور طبعی غذا وہیں سے ملتی ہے۔ جس طرح ایک میان میں دو تلواریں نہیں سما سکتی۔ اسی طرح ایک ہی عہدہ پر

دو انسان براجمان نہیں رہ سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ فاروق صاحب نے وزارت اعلیٰ اپنے صاحبزادہ کے حق میں تیاگ دی اور خود مرکز میں عیش بھوگنے چلے۔ وائیلڈ لائف ماہر نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا کہ ہرے ہندوارہ کے لون برادران بھی پیپلز کانفرنس کی صدارت کی چراگاہ میں کسی دوسرے کارکن کو گھسنے کی کوشش نہیں کرنے دینگے۔ سید علی شاہ گیلانی حریت (گ) کے صدارت کے جنگل میں کسی دوسرے اشرف المخلوقات کا داخلہ کیسے برداشت کرینگے اور نہ ہی سید شبیر شاہ اپنی پیپلز فریڈم پارٹی کی صدارت کے صحن میں کسی دوسرے حیوان ناطق کو اندر آنے کی اجازت دینگے۔

اگر انسان اپنے نیچرل علاقہ میں کسی دوسرے انسان کی مداخلت برداشت نہیں کرسکتا تو بھلا جنگلی جانور سے کیسے توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے نیچرل علاقہ میں انسانی گھس پیٹھ قبول کرے۔ غذا ہر جاندار کی ضرورت اور حق ہے۔ اسکے بغیر جاندار زندہ نہیں رہ سکتے۔ پودے جڑ کے ذریعہ زمین سے غذا حاصل کرتے ہیں۔ پرندے کیڑے مکوڑے پر گزر اوقات کرلیتے ہیں۔ گائے، گھوڑے، بھیڑ، بکریاں گھاس پھوس سے اپنا پیٹ پالتی ہیں۔ اسی طرح تیندوا جنگلی جانوروں کا شکار کر کے اپنی غذائی ضرورت پوری کرتا ہے۔ سیاستگر کو بھی اقتدار کی غذا ملنی چاہئے اور اس کیلئے وہ بھی جنگلی چھینا جھپٹی کرتا ہے۔ وزارت اعلیٰ کی کرسی کے لئے کتنی چھینا جھپٹی ہورہی ہے۔ شیخ صاحب کو مہاراجہ کی فرار سے اقتدار کی بھیڑ ہاتھ لگی وہ 1953ء میں بخشی صاحب نے چھین لی۔ بخشی صاحب سے شمس الدین کٹھ نے چھین لی اور کٹھ صاحب پر صادق نے چھاپہ ڈالا۔ صادق صاحب سے بھیڑ میر قاسم صاحب کو منتقل ہوئی اور میر صاحب سے پھر شیخ صاحب نے چھین لی۔ شیخ صاحب فاروق صاحب کیلئے چھوڑ گئے اور فاروق صاحب سے غلام محمد شاہ نے چھین لی اقتدار کی یہ بھیڑ پھر فاروق صاحب کے ہاتھ لگی جو پھر جگموہن نے چھین لی، جگموہن صاحب سے ہوتے ہوتے

پھر فاروق صاحب کے ہاتھ لگی۔ وہاں سے آزاد صاحب اور مفتی صاحب نے چھین لی اور آپسمیں مل بیٹھ کے بانٹ کھائی۔ ان دونوں سے عمر عبداللہ نے چھین لی۔ اور سنا ہے کہ مفتی صاحب، پیرزادہ صاحب کے ساتھ مل کر بھیڑ واپس حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ Food war میں ایسا کرنا ضروری ہے اور یہی کچھ ریچھ اور تیندوا بھی کرر ہے ہیں۔ لیکن اُن سے نہ جانے کیوں خلقت ناراض ہے۔

ستم ظریف نے جب جنگلی حیات کے ماہر سے اس کا حل پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ جنگل میں اب جانور کیلئے غذا نہیں لہٰذا اسے Shift کرنا ضروری ہے۔ اس کے لئے اس نے تجویز کی کہ جانور کو Trap کر کے نیپال اور سکم منتقل کیا جائے۔ اس طرح اس کی بھی جان بچے گی اور انسان بھی چین سے سانس لے گا۔ سیاستگر کی غذا عوام ہیں اور عوام بھی اب بے حال اور Endangered ہیں۔ لہٰذا سیاستگر کو بھی ہمالیہ کی کسی دور دراز گھاٹی میں Shift کیا جائے۔ وہاں چٹانوں کی تقریریں سنا کر اور اپنی حکومت قائم کر کے اپنی غذائی ضروریات پوری کر لینگے اور عوام بھی تقریروں، بیانوں اُدگھاٹنوں، قراردادوں ، سیمناروں اور دوروں وغیرہ کے Noise Pollution سے چھٹکارا پا کر ستر برس کے بعد چین کی بانسری بجائیں گے۔

سنڈے مارکیٹ

سنڈے مارکیٹ میں بھاری بھیڑ تھی۔ ہڑتال کے باوجود لوگ جوق در جوق مارکیٹ کی سیر کرنے نکلے تھے۔ چارپائیوں پر سجا مال غور سے الٹ پلٹ کر دیکھ کر خریدتے جا رہے تھے۔ مارکیٹ گو کہ 2nd ہینڈ مال کیلئے مشہور ہے لیکن خریداروں میں نو بہ نو امیر کثرت میں تھے۔ انہوں نے سڑکوں پر اپنی تازہ گاڑیاں کھڑی کر رکھی تھیں اور خود مال خریدنے میں مست تھے۔ ایک دوکاندار نے چارپائی پر بدیسی شراب کی بوتلیں سجا رکھی تھیں۔ اور مرزا غالبؔ دوکاندار سے تکرار کر رہے تھے کہ وہ ادھار میں اسکو دو ایک بوتل شراب کی دیدے تاکہ اک گونہ بے خودی وہ دن رات حاصل کر سکے۔ دوکاندار ادھار پر شراب دینے پر آمادہ نہیں تھا۔ ستم ظریف بھی ساتھ کھڑا یہ بحث و مباحثہ سُن رہا تھا اس نے غالبؔ سے ازراہ مذاق پوچھا کہ میاں تمہارا مزاج بلغمی ہے۔ شراب لیکر کیا کرو گے۔ غالب نے جواب میں یہ شعر عرض کیا۔

ع

پی جس قدر ملے شب مہتاب میں شراب

اس بلغمی مزاج کو گرمی ہی راس ہے

دوکان دار اور مرزا غالبؔ کو بحث ومباحثہ میں الجھا چھوڑ کر ستم ظریف آگے بڑھ گیا۔ ایک چار پائی پر مفتی صاحب نے اپنا مال کا ڈھیر کر رکھا تھا۔ اس پر ہیلنگ ٹچ کے کمبل اور Self rule کے سکارف بکھرے ہوئے تھے۔ وہ چیخ چیخ کر اعلان کر رہے تھے۔

ایسا موقعہ پھر کبھی نہیں آئیگا۔ لوگو ۵۰ فیصد ڈسکاونٹ پر مال دستیاب ہے۔ خریدار آگے آ رہے تھے۔ مال الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے آگے بڑھ جاتے۔ ابھی تک انھوں نے دسہ لابہ نہیں کیا تھا۔ البتہ محبوبہ جی آئیں اور Self Rule کا ایک سکارف خرید کر لے گئی اور یوں انھوں نے نے بڑی مشکل سے دس لابہ کیا۔

ان سے ذرا آگے بٹ صاب نے چار پائی پر اپنا مال سجایا تھا۔ وہ بھی زور زور سے آوازیں لگا رہے تھے۔ اے لوگو موقعہ غنیمت جانیئے۔ یہ مال امریکہ کے صدر اوباما کی مٹھی میں سے چھین کر سمگل ہو کر یہاں آیا ہے۔ مال لے لو مسئلہ کشمیر کا حل ارزاں بک رہا ہے۔ یہ گولڈن چانس زندگی میں بار بار نہیں آتا۔ آؤ صاحبو جلدی کرو۔ کہیں موقعہ ہاتھ سے نہ جانے پائے۔ لیکن حیرت ہے کہ ان کی چار پائی کی طرف کسی نے قدم نہیں بڑھایا۔ اس کے آگے RTO نے اپنا ریڑا کھڑا کیا تھا۔ اس پر وہ ڈرائیونگ لائیسنس بیچ رہے تھے۔ صاحبو گاڑی چلانا سیکھنے کا جھنجھٹ نہ ہی ڈرائیونگ کی مہارت دکھانے کا فتور اور نہ ہی میڈیکل چیک اپ کا فساد، دو ہزار روپے میں ڈرائیونگ لائیسنس آ کر لیجایئے۔ سکوٹر سے لیکر ٹرک چلانے تک ہر قسم کا لائینس دستیاب ہے۔ سیاسی لاریاں، جیپسی، ماروتی، سکوٹر، ٹرک، بکتر بند گاڑی ہر طرح کے لائیسنس دستیاب ہیں۔ آؤ صاحبو اس سنہری موقعہ سے فائدہ اٹھالو۔ RTO کی چار پائی پر بھاری بھیڑ تھی۔ اور لوگ دھڑا دھڑ مال خرید رہے تھے۔ یہ دیکھ کر مفتی صاحب کے منہ میں پانی بھر آیا وہ تمنا کر رہے تھے کہ کاش Healing touch کے بدلے Driving لائینس کا ہی کاروبار شروع کیا ہوتا۔ اس کے بعد ایک

ریڑھی پر کوئی آدمی دوائی بیچ رہا تھا۔ صاحبو آجاؤ دردِ سر، دردِ جگر دماغی فتور، فریسٹیشن، رنگیلی جوانی بڑھاؤ، معدہ کو قوت دیدو، دانتوں کے جبڑوں کو فولادی بناؤ، عقل کا چراغ گُل کرو کے علاوہ مار پیٹ برداشت کرنے والی دوائیاں لو اور خوش رہو۔ Drug کنٹرولر بھی خریداری کیلئے نکلے تھے۔ انہوں نے فوراً معدہ کو قوت دیدو اور دانتوں کے جبڑوں کو فولادی بناؤ والی دوائی خرید لی۔ مگر ان کا چہرہ اچانک سخت ہو گیا۔ انہیں یاد آیا کہ وہ Drug کنٹرولر بھی ہیں اور ریڑوں پر گاجر مولی کی طرح دوائیاں فروخت کرنے کی اجازت نہیں۔ انہوں نے ریڑہ والے سے لائینس دکھانے کو کہا۔ ریڑے والے نے فوراً ریڑی پر نقلی ادویات فروخت کرنے کا لائینس دکھا کر Drug کنٹرولر کو شرمندہ کر دیا۔ حاکم فوراً کھسیانی بلی کی طرح وہاں سے بھاگ گئے اور احدوز ہوٹل کے پاس جا کر محکمہ بجلی کا کھمبا نوچنے لگے۔ آگے امور صارفین کے ڈائریکٹر نے اپنا ریڑہ لگایا تھا، جس پر چاول کھانڈ اور آٹے کی خالی بوریاں لدی ہوئی تھیں۔ وہ اعلان کر رہے تھے کہ آجاؤ لوگو چاول، تازہ آٹا اور کھانڈ لے لو۔ جلدی کرو مبادا کہ ختم ہو جائے۔ لوگ حیران تھے کہ ان کی بوریاں تو خالی ہیں۔ لوگوں نے جب ڈائریکٹر سے اس تگڈم کی وجہ پوچھی تو انہوں نے جواب دیا کہ انہوں نے ابھی ابھی 600 ٹرک چاول روانہ کیئے ہیں۔ کبھی نہ کبھی ریڑھے کے پاس پہنچ ہی جائینگے تب تک لوگ فاقہ ہی کھائیں۔ غالبؔ نے بھی یہ تماشا دیکھا اور شعر عرض کیا۔

ع

افطارِ صوم کی جسے کچھ دستگاہ ہو
اس شخص کو ضرور ہے روزہ رکھا کرے
جس پاس روزہ کھولنے کو کچھ نہ ہو
روزہ اگر نہ کھائے تو ناچار کیا کرے

ڈائریکٹر صاحب کے آگے گیلانی صاحب نے چارپائی پر اپنا مال سجایا تھا۔ وہ بڑی تیزی سے ہڑتال بیچ رہے تھے۔ اور آوازیں لگا رہے تھے۔ بھائیو، بہنوں، بچو اور بوڑھو بیمارو، ڈاکٹرو ملازمو، بے کارو، کاہلو، جاہلو آجاؤ مفت کا مال ہے۔ لوٹ لو یہ ہڑتال ہے ہڑتال۔ دنیا کے کسی ملک میں ایسا مال آپ کو نہیں ملے گا۔ لوگ بھر جوق در جوق یہ مال تھوک اور پرچون لوٹ لوٹ کر لیجا رہے تھے۔

اسکے بعد فاروق صاحب نے ریڑھے پر گوبر گیس، ٹیر گیس، معدی گیس، انتڑی گیس، ٹرگیس کے سلینڈ سجا رکھے تھے۔ وہ بھی آوازیں لگا رہے تھے کہ آجاؤ بھائیو غیر روایتی اینرجی لے لو۔ اس سے تمہارے تمام روایتی مسئلے حل ہونگے۔ کیا مسئلہ کشمیر تو کیا اٹانومی، کیا کابینہ میں وسعت تو کیا وزیر اعلیٰ کو گمراہ کیا جانا۔ جلد سے جلد یہ گیس لیکر اپنے تمام مسئلے فوراً حل کرڈالو لیکن ان تمام گیسوں سے شدید بدبو آرہی تھی۔ لہٰذا خریداروں نے اس ریڑھے کی طرف جانے کی غلطی نہیں کی۔ اور فاروق صاحب صرف آوازیں ہی لگاتے رہ گئے۔

اسکے بعد ڈویژنل کمیشنر نے ریڑا لگایا تھا، جس پر خستہ ہاتھ پاؤں اور زخمی جگر رکھے تھے۔ وہ زور زور سے آوازیں لگا رہے تھے۔ آیئے مہربان قدردان جلدی آیئے، یہ معمولی واقعات ہیں۔ آیئے ارزاں قیمت پر خریدیئے۔

اب وزیر اعلیٰ کا ریڑہ تھا جس پر حکمنامے بیچے جا رہے تھے۔ مظاہرین پر راست فائرنگ نہ کی جائے، ٹاسک فورس، JKP، اور CRPF والے سول ڈریس میں دھڑا دھڑ یہ حکمنامے ہول سیل میں خرید رہے تھے۔ اتنی دیر میں رات کی سیاہی چھانے لگی۔ دوکان دار وخریدار دونوں واپس گھر کو روانہ ہوگئے اور یوں Sunday Market کا ایک اور دن خریداری میں گذر گیا۔

عالمی ٹینڈر

مسئلہ حل کرنے کیلئے اس سے پہلے بھی بارہا ٹینڈر طلب کر کے ٹھیکیداروں کو کام الاٹ کیا گیا۔لیکن ٹھیکہ داروں نے بے ایمانی سے کام لے کر اس کے انجر پنجر ڈھیلے کر دیئے اور اس وقت یہ مسئلہ چوں چوں کا مربہ بنا ہوا ہے۔اور اب سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ یہ سیاسی مسئلہ ہے، انسانی مسئلہ ہے کہ زمین بانٹنے کا مسئلہ، عبداللہ پریوار اور مفتی پریوار کے درمیان مسئلہ ہے یا ہندوستان اور پاکستان کے درمیان مسئلہ ہے۔ کشمیری عوام اور ہند پاک کیدرمیان مسئلہ ہے کہ BJP اور طالبان کے درمیان مسئلہ ہے۔ ان تمام گتھیوں کو سلجھانے کیلئے اسے عالمی ٹھیکہ داروں کے حوالہ کرنے کا فیصلہ ہوا ہے۔اسی فیصلہ کے تحت یہ ٹینڈر طلب کئے جارہے ہیں۔ٹینڈر ڈاکیومنٹس کی قیمت دس انسانی سر ہیں۔ٹینڈر فارم مسئلہ کشمیر سے منسلک تمام پارٹیوں سے 28رفروری 2012ء تک حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ جو 29رفروری 2012ء کو تمام پارٹیوں کی موجودگی میں کھولے جائیں گے۔ٹینڈر قبول یا مسترد کرنے کا اختیار ہر ایرے غیرے نتھو خیرے کو ہوگا۔

ٹھیکہ داری کے لئے لازمی شرایط:

(1) ٹھیکہ دار کے پاس عالمی بینک میں 10 ارب پونڈ کا سرمایہ جمع ہو۔

(2) اس کے پاس 200 ایٹم ہائیڈروجن بموں کا ہونا بھی لازمی ہے۔

(3) دس کروڑ سپاہیوں پر مشتمل فوج ہو۔ جو پیکا گن، ڈرم مشین گن، AK47 اور Night Vision ساز و سامان سے لیس ہو۔

(4) اس کے علاوہ دس لاکھ ٹینک توپیں، لانچر اور مارٹر کا مالک ہو۔

(5) اس کے پاس Stinger، Patriotic، پرتھوی، شاہین، گوری، ہتف، آکاش، اگنی، ترشول میزائیلوں کا بڑا اسا ذخیرہ ہو۔

(6) Track-2 ڈپلومیسی کا شاطر کھلاڑی ہو۔

ٹھیکہ دار کو کام شروع کرنے سے قبل:

(1)	اقوام متحدہ،	(2)	UNESCO،
(3)	SAARC،	(4)	ASEAN،
(5)	خالصتان کمانڈو فورسز	(6)	اسلامی کانفرنس،
(7)	پانچ بڑی طاقتوں،	(8)	افریقین یونین،
(9)	یوروپی یونین،	(10)	شنگھائی تنظیم،
(11)	اسامہ بن لادن،	(12)	طالبان،
(13)	بیت اللہ محسود،	(14)	ملا عمر،
(15)	حریت کانفرنس،	(16)	PDP،
(17)	نیشنل کانفرنس،	18)	JKLF،
(19)	عوامی ایکشن کمیٹی،	(20)	کشمیری پنڈت کانفرنس،
(21)	پرجا پریشد،	(22)	آل لداخ ہل کونسل،
(23)	اسمائل پیٹھ خرچ،	(24)	کریم ننہ وور،

(25) ابھے چھان، (26) ہنس راج ہنس،

(27) سلمان خان، (28) سلمان ساگر،

(29) ٹاسک فورس اور دیگر زعماؤں، تنظیموں اور ممالک کی رضامندی حاصل کرنا لازمی ہے۔

اس کے علاوہ JKP کا راضی نامہ پاس ہو تو اضافی اہلیت تصور کی جائیگی۔ ٹھیکہ دار کو اس بات کی ضمانت بھی دینی ہوگی کہ اس کے کام سے کسی بھی فریق کے مفادات پر آنچ نہیں آئیگی۔

حکمت عملی تبدیل کرنے والے ٹھیکہ دار کی ضمانت البتہ ضبط کی جائیگی۔

ٹینڈر الاٹ کرنے کے دن سے ہی ٹھیکہ دار کو کام شروع کرنا ہوگا۔

لاگت کا تخمینہ:

(1) ایک کروڑ چالیس لاکھ انسان،

(2) قارون کے خزانے اور حاتم کے ہاتھ،

(3) اندھا دھند فائرنگ، عصمت ریزی، گمشدگی،

(4) ریٹیل ہول سیل، سیاستگروں کے اندھا دھند بیانات، دھرنے اندھا دھند سیمینار، مقالے و گرفتاریاں،

(5) عیش کوش سیاستگروں کی عیش رانیاں اور ہیلی کاپٹر دورے،

(6) بیس فیصد ووٹوں پر حکومت کا قیام،

(7) کشمیری پنڈتوں کی املاک میں خرد برد اور لاکھوں پنڈتوں کی دربدری،

(8) ہندوستان کے نقلی ہمدردوں پر دولت کی بارش،

(9) خیالی پاکستانیوں کی اندھا دھند مار پیٹ،

(10) کشمیر کو تمام شعبوں میں صدیوں پیچھے دھکیلنا،

(11) مکان محلے خالی قبرستان آباد،

(12) سکول کالج بند اور قالین لوم شروع،

(13) باپ بیٹیوں اور باپ بیٹوں کے لئے دائمی اقتدار۔

کام مکمل کرنے کی مدت: ٹھیکہ دار اگر Ice age شروع ہونے تک کام مکمل نہ کرسکا تو وہاب کھار اگلی Ice age شروع ہونے تک معیاد میں توسیع کرسکتا ہے۔ اگر اس دوران میں بھی کام پورا نہ ہوا تو سورج کی گرمی ختم ہونے تک اس کی معیاد میں توسیع ہوسکتی ہے۔ البتہ روز محشر سے قبل کام کا مکمل کرنا لازمی ہے اور اسرافیلؑ کے صور پھونکنے تک بھی اگر ٹھیکہ دار کام کی تکمیل میں ناکام رہا تو ٹھیکہ دار کی ضمانت ضبط کر کے ٹھیکہ جنتیوں اور جہنمیوں میں مساوی مساوی کی بنیادی پر Allot ہوگا۔

جامِ جم

ایران کے ایک قدیم بادشاہ جمشید کے پاس ایک طلسمی پیالہ جام جمشید تھا۔ جو آج کے GPS کی طرح جہاں نما کا کام دیتا تھا۔ کسی بھی شخص، مقام واقعہ اور چیز کے بارے میں اس کے ذریعہ Live Status معلوم کیا جاسکتا تھا۔ میر شاہ آبادی کی تمنا تھی کہ وہ اس پیالہ میں whisky یا Rum یا پھر Champagne نوش کرتے، جب ہی انہوں تو نے شعر عرض کیا۔

رسولن تازہ کتاب یہ ونی نے چانِ غمے

آسہ کس تابِ جواب چاؤ موئے جامِ جمے

ستم ظریف نے جب اس پیالہ کے کرشموں کے بارے میں سنا تو اس کے دل میں ارمان پیدا ہوا کہ کاش اسکے پاس بھی وہ پیالہ ہوتا تو وہ بھی عیش وعشرت کی زندگی وزیروں کی طرح بسر کرتا جو کچھ کیئے بغیر ہی بار بار وزیر بنتے ہیں۔ ستم ظریف اپنی مراد پانے کیلئے اپنے پیرو مرشد کے پاس گیا اور اپنا مدعا سنایا۔ پیر مرشد نے اسے صلاح دی کی کہ اگر وہ چالیس شب قلعہ ہاری پربت میں وظیفہ جام جم کا جاپ کرے تو چالیس ویں دن جام جم تالوٹنگ کی طرح اس کی جھولی میں آگرے گا۔ ستم ظریف فوراً قلعہ ہاری پربت میں

جاگزیں ہوکر وظیفہ جام جمی کا جاپ کرنے میں مشغول ہوگیا۔ چالیس ویں دن اچانک آسمان سے جام جم سچ مچ تالوٹنگ کی طرح ستم ظریف کی جھولی میں آن گرا۔ ستم ظریف نے جام جم فوراً اچک لیا اور بطرف مجاہد منزل روانہ ہوگیا۔ اور اس مقام پر جا کر جام جم میں دنیا کا حال دیکھنے لگا جہاں کبھی کشمیری قیادت قوم کی ڈوبتی ناؤ پار لگانے کیلئے کنونشن منعقد کیا کرتی تھی۔ جام جم میں ستم ظریف سب سے پہلے کیا دیکھتا ہے کہ تمام کشمیری لیڈر ایک بلند قامت لیڈر کی امامت میں آزادی کی منزل کی جانب محوِ سفر ہیں! لیکن حیرت ناک بات یہ تھی کہ لیڈراں آہستہ آہستہ ایک ایک کر کے اپنے کمانڈر سے الگ ہوتے جا رہے ہیں۔ منزل ابھی کافی دور تھی لیکن کمانڈر اکیلا رہ گیا تھا۔ اور وہ شعر عرض کر رہا تھا۔

کارواں لیکر چلا تھا جانبِ منزل مگر

لوگ ساتھ چھوڑتے گئے اور میں اکیلا رہ گیا

ستم ظریف یہ گٹھ کار دیکھ کر گھبرا گیا۔ اس نے جب دوبارہ پیالہ میں جھانکا تو کیا دیکھتا ہے کہ اب اس لیڈر کے ساتھ صرف اس کے گھر والے چل رہے تھے۔ ستم ظریف نے جامِ جم کا منظر تبدیل کیا اسمیں جھانکا تو دیکھا کہ اوقافِ میں کروڑوں کا نہیں اربوں روپے کا گھپلہ ہے۔ یہ چھ سال کا نہیں ساٹھ سال سے ہو رہا ہے۔ البتہ ستم ظریف کو اس وقت اطمینان ہوا جب حاکم اعلیٰ نے اس گھپلہ سے نقاب سرکانے والی کمیٹی میں متو اور شیخ کو بھی شامل کیا۔ کیونکہ ستم ظریف اچھی طرح جانتا تھا کہ اب ساٹھ برس کے گھپلوں سے یقیناً پردہ سرک جائے گا۔ اور دنیا کی کوئی بھی طاقت اس سرکا، سرکائی کو روک نہیں سکتی۔ ستم ظریف نے جامِ جم کا پھر ایک بار منظر تبدیل کیا تو کیا دیکھتا ہے کہ ہندوستان کے میدانی علاقوں سے چاول لیکر دو سو ٹرک بطرف کشمیر روانہ ہوئے۔ لیکن مال راستے میں ہی بیچ کر ٹرک واپس چلے گئے۔ لکھن پور کی چیک پوسٹ بھی پار نہیں کر سکے۔ لیکن محکمہ والوں نے

سرینگر، کپواڑہ، بارہمولہ، کرناہ، گریز، کپرن، بانڈی پورہ، شوپیان، ویری ناگ اور دیگر علاقوں تک چاول پہنچانے کا کرایہ خزانہ عامرہ سے نکالا۔ ستم ظریف یہ دیکھ کر لرز اُٹھا۔ ستم ظریف نے پھر منظر نامہ تبدیل کیا تو کیا دیکھتا ہے کہ لکھن پور کی چیک پوسٹ پر دھڑا دھڑ ٹرکیں اِدھر کا مال اُدھر اور اُدھر کا مال اِدھر کر رہی ہیں۔ اور ریکارڈ میں اسکے آنے جانے کا کوئی اندراج نہیں ہو رہا ہے۔ بلکہ معاملہ نقدی ہی نمٹایا جا رہا ہے۔ چرس، willow کے لٹھے سمگل ہو رہے اور نقلی ادویات آ رہی ہیں اور معاملہ نقدی ہی نمٹایا جا رہا ہے۔ اور اس بندر بانٹ کا حصہ قراقل بردار تک بھی پہنچ رہا ہے۔ اور یہ مال حاصل کر کے قراقل بردار کی عزت میں کچھ زیادہ ہی اضافہ ہو رہا ہے۔

ستم ظریف نے جام جم کا منظر نامہ تبدیل کیا اس نے دیکھا کہ شوپیان کے صحت افزاء مقام پر ایک خوبصورت سے Rest house میں سانحہ شوپیان کی تحقیقات کرنے والے کمیشن کے حکام اور انتہائی قابل پولیس افسر گذشتہ ایک ماہ سے دھڑا دھڑ وازہ وان تناول کر رہے ہیں۔ دن بھر فلموں کی شوٹنگ کرتے ہیں۔ بیانات ریکارڈ کر رہے ہیں۔ ہر گاڑی ٹانگہ ریڑہ وغیرہ کا باریک بینی سے مشاہدہ کرتے ہیں۔ لیکن اس بات کی پوری کوشش کر رہے ہیں کہ ثبوت ان کے ہاتھ ہرگز ہرگز نہ لگے اور گذشتہ ایک ماہ سے یہی چکر چلا رہے ہیں۔ ستم ظریف نے یہ بھی سنا کہ حاکم اعلیٰ، قابلِ ترین پولیس افسر سے کہہ رہے ہیں کہ اکتوبر کے مہینہ میں جب چناروں سے پتے جھڑنا شروع ہوتے ہیں تو اس مقام پر ربی آرہ میں پلے بطخ کا گوشت املی کے رس میں جوش دیکر کھانے کا الگ ہی مزا ہے۔ لہٰذا حاکم اعلیٰ اور قابل ترین پولیس افسر نے آپس میں فیصلہ کیا کہ وہ بھی رپورٹ روانہ کرنے میں FSL والوں کی طرح دیر لگائیں گے۔ تاکہ املی کے رس میں جوش دیے ہوئے بطخ کا گوشت تناول کرنے کا موقعہ میسر ہو سکے۔ کمیشن کا حاکمِ وقت کے حاتم اعلیٰ کو دعائیں دے رہا تھا۔

ہاتھ میں تیرے رہے توسَنِ دولت کی عناں

یہ دعا شام وسحر قاضی حاجات سے ہے

کیونکہ Post retirement کی کڑکی سے حاکم اعلیٰ نے اس کو نجات دلا دی تھی۔ ستم طریف نے یہ ترٹہ بزُن دیکھ کر منظر نامہ بدل دیا۔ اب جام جمشید کے جہاں نما پر پورے کشمیر میں خلقت کی اندھادھند پٹائی ہوتے دیکھ رہا تھا۔ لاٹھی چارج، آنسو گیس ربڑ کی گولیاں، سیسہ کی گولیاں اور غلیل سے سنگباری نے پوری خلقت کو بے حال اور ساتھ میں اندھادھند ہڑتالوں نے وادی کو قبرستان میں تبدیل کردیا تھا۔ ستم ظریف یہ حال دیکھ کر بے حال ہوگیا۔ اور سوچنے لگا کہ جس بستی میں صرف تگڈم کا راج ہو۔ اس میں جام جم رحمت نہیں بلکہ محض ایک زحمت ہے۔ یہ کہتے ہوئے اس نے جامِ جم زور سے زمین پر پٹخ دیا اور جام جم کے ٹکڑے ہزار ہوئے کوئی یہاں گرا کوئی وہاں گرا۔

بات چیت

مل بیٹھ کر کسی مسئلہ کو افہام و تفہیم سے حاصل کرنے کو بات چیت کہتے ہیں۔ عہدِ قدیم سے ہی انسان بات چیت کے ذریعہ مسائل حل کرتا آیا ہے۔ سکندر اعظم اور بحری قزاق، سکندرِ اعظم اور پورس بادشاہ کے درمیان بھی بات چیت ہوئی تھی بات چیت معشوقہ شیرین اور عاشق فرہاد کے درمیان بھی ہوئی تھی۔ لیکن بات چیت ناکام ہوئی اور شیرین کو بادشاہ خسرو پرویز لے گیا تھا۔ جس پر شاعر نے شعر عرض فرمایا تھا۔

چاٹ دی فرہاد کو اور جا بکی خسرو کے ہاتھ
تُو تو اے شیرین مٹھائی بن گئی بازار کی

علاؤالدین خلجی بھی حسین مہارانی پدمنی کے مسئلہ پر ریاست چتوڑ کے راجا سے بات چیت کرنے گیا لیکن راجہ نے قلعہ بندی میں عافیت سمجھی۔ اسکے وزیر اعظم جے چند کی مہربانی سے نصف شب کو قلعہ کے دروازے کھل گئے خلجی اور مہاراجہ چتوڑ نے ایک دوسرے کے ساتھ شمشیروں سے بات چیت کر ڈالی لیکن تب تک مسئلہ پدمنی رسمیہ جوہر کے شعلوں میں خاکستر ہو چکا تھا۔

بات چیت کی کئی قسمیں ہیں۔ مثلاً

مختصر بات چیت

اس قسم کی بات چیت اسلام علیکم اور وعلیکم سلام پر ختم ہوتی ہے۔ شادی بیاہ اور دوسری واز وانی محفلوں میں سیاسی مخالفین ایک دوسرے کے ساتھ جب ملتے ہیں تو اس طرح کی ہی بات چیت ہوتی ہے۔

لمبی بات چیت

یہ بات چیت عام طور پر مسئلہ کشمیر پر کی جاتی ہے۔ جو 1947ء سے ہی جاری ہے اوراس کے تکمیل پذیر ہونے کے دور دور تک آثار نظر نہیں آتے۔ Dixon Plan کے تحت سنا ہے کہ یہ بات چیت ہزاروں برس تک جاری رہیگی۔

دن دھاڑے کی بات چیت

یہ بات چیت عام وخاص ہر روز کرتے رہتے ہیں۔ Metadore میں مسافر بار بار ڈرائیور کو اس کی سست رفتاری یاد دلانے اور کنڈیکٹر کو Overloading سے باز آجانے پر اس طرح کی بات چیت کرتے رہتے ہیں۔ اس بات چیت کا بھی کوئی End یا پھر نتیجہ نہیں ہوتا۔ ہندوپاک بھی Sir Creek، سیاچن گلیشئر اور مسئلہ کشمیر پر 1947ء سے ہی دن دھاڑے کی بات چیت بھی کرتے آئے ہیں اور کرتے رہینگے۔

بالکل مختصر بات چیت

یہ بات چیت اسلام علیکم سے شروع اور وعلیکم تک پہنچ کر ختم ہوجاتی ہے۔ شہر میں میٹاڈار کا ڈرائیور اور کنڈیکٹر دن بھر اس طرح کی بات چیت کرتے رہتے ہیں۔ ''ٹھہر سا ہے ووستا''، ''پکھ سا ہے ووستہ'' اور دن اسی گردان میں گذر جاتا ہے۔ مسئلہ کشمیر پر اس طرح

کی بات چیت میں بھی غور وفکر کیا جاتا ہے۔ اس طرح کی بات چیت ایڈوانی صاحب اور عمر صاحب، ملک صاحب، شاہ صاحب وغیرہ نے کی تھی۔

اس میں لیڈروں نے آواز دی، ''ٹھہر سا ہیے ووستا!'' ووستہ ایڈوانی صاحب رُک گئے اور پھر لیڈروں نے آواز دی'' ہیے''نیر ساہ ووستا!'' اور ایڈوانی صاحب نکل گئے۔

SMS بات چیت

یہ بات چیت Mobile Phone پر کی جاتی ہے۔ ریاست کے سرکاری افسر ایک دوسرے کے ساتھ اسی Modem سے نجی بات چیت کرتے ہیں اور پھر سرکاری خزانہ سے بل بھرواکر مادرِ کشمیر کی خدمات کر کے نعرہ لگاتے ہیں۔

جس کشمیر کو SMS سے سینچا
وہ کشمیر ہمارا ہے

بارودی بات چیت

یہ بات چیت توپوں ٹینکوں اور مشین گنوں سے کی جاتی ہے۔ یورپی اقوام نے 1939ء سے 1945 تک آپس میں یہ بات چیت کی۔ ہندوپاک نے بھی 48-1947ء 1965ء 1971ء آپس میں یہ بات چیت کی اور اس بات چیت کے مختصر دور رن آف کچھ اور کرگل میں بھی ہوئے۔ کچھ عرصہ پہلے اس قسم کی بات چیت کشمیر میں بذریعہ کانگڑی ہوا کرتی۔

ساس بہو، بہو بھابھی اور سالے بہنوئی کے درمیان یہ بات چیت عام طور پر ہوتی رہتی ہے۔ البتہ مسکینی کے سبب کشمیر میں اس بات چیت کے دوران زبانی گولے استعمال ہوتے ہیں۔

بات چیت ھی بات چیت

یہ بات چیت وقفوں وقفوں کے بعد ہوتی ہے اور کبھی قسطوں اور کبھی بلا اقساط کی

جاتی ہے۔ جب بارودی بات چیت ناکام ہوتی ہے تو اس طرح کی بات چیت کی جاتی ہے اور ہندو پاک دونوں مسئلہ کشمیر پر اس طرح کی بھی بات چیت کرنے میں مشغول ہیں اور ماہرین کے مطابق یہ اس دن بھی جاری رہیگی جب سورج زمین سے صرف ۹ گز بلند ہوگا۔ حریت کے دس بیس دھڑوں کو ایک کرنے کیلئے بھی بات چیت کی اس قسم سے کام لیا جاتا ہے۔

نقاب پوش بات چیت

ہر کامیاب کمانڈو اور گوریلا اپنی شناخت چھپانے کے لئے ایک ماسک یا نقاب پہنتا ہے۔ Zoro The Masked Man سے لیکر LTTE کے پر بھارکن تک اس طرح کا ماسک پہن کر بات چیت کرنے آتے ہیں۔ مگر کشمیری پر بھاکرن جب بات چیت کرنے آئے تو انہوں نے جو نقاب پہنی وہ عجوبہ روزگار تھیں۔ کسی نے کنہ ٹوپہ تو کسی نے منی کا سکارف پہن کر بات چیت میں شمولیت کی۔ اس بات چیت کو ماسکڈ بات چیت کہتے ہیں **اور حکماء اور علماوفلسفی ودیگر** Social Scientist **اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اگر کسی مسئلہ کو ہر گز اور کسی بھی صورت میں حل نہیں کرنا ہوتو بات چیت فوراً شروع کرنی چاہئے۔**

اطلاعِ عام

ہمارا لیڈر پروفیسر ساکنہ وزیر باغ عرصہ دراز سے لاپتہ ہے تمام جیلوں انٹروگیشن سینٹروں، فوجی کیمپوں، کارگو کمپلیکس میں اس کو تلاش کیا مگر بے سود۔ پولیس محکمہ نے بھی گرفتاری سے انکار کیا ہے۔ ہم نے اسے احدوز ہوٹل، گرینڈ ممتاز ہوٹل، شکتی سویٹس، ماڈرن سویٹس پر بھی کھوجا۔ مگر ناکامی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آیا۔ مجبور ہو کر انہیں Mummy Please اور Arabian Nights روسٹ مرغ فروخت کرنے والی دوکانوں پر تلاش کیا لیکن ان کا اتہ پتہ نہ چلا۔ نجومیوں نے انکشاف کیا کہ وہ شیخ محمد عثمان اینڈ سنز کی دوکان گلشن پر مسئلہ کشمیر سلجھاؤ بے کاری بھگاؤ عنوان کی کتاب تلاش کرنے گئے ہیں۔ ہم فوراً عثمان صاحب کی دوکان پر انکی تلاش میں گئے لیکن عثمان صاحب کے فرزندان نے کہا کہ وہ اس دوکان پر کم آتے ہیں اور ماڈرن سویٹس کی دوکان پر اکثر رس گلے اور موتی چور کے لڈو خریدنے جاتے ہیں۔ ہم ماڈرن سویٹس کی دوکان پر بھی گئے۔ لیکن دوکاندار نے آہِ سرد بھرتے ہوئے کہا کہ۔

مدت ہوئی ہے یار کا دیدار کئے ہوئے

BSNL کے GPRS پر معلوم ہوا کہ وہ آخری بار راولپنڈی میں نائی کی دوکان

پر Shave بناتے ہوئے دیکھے گئے ہیں۔ ہم نے نائی کو فون کیا تو اس نے بتایا کہ اب بٹ صاحب Shave نہیں بناتے بلکہ ماشاء اللہ انہوں نے اب خوبصورت سی داڑھی سجائی ہے۔ ہمارے لیڈر کا حلیہ یوں ہے۔

جسمانی قد وزیر اعلیٰ کے پولیٹکل صلاح کار رانا کی طرح درمیانہ، سیاسی قد البتہ سوز صاحب پیرزادہ صاحب وراتھر سے ہزار درجہ بلند ہے۔ ناک گیلانی صاحب کی ناک سے ذرا بڑی اور اونچی ہے۔ آنکھیں بھی ظالم کی بڑی اور اتنی حسین کہ رانجھا، قیس، مہیوال اور فرہاد دیکھیں تو Go Fida ہو کر خودکشی کر ڈالیں۔ کان شبیر شاہ صاحب سے ذرا بڑے لیکن سننے کی طاقت فاروق عبداللہ کی قوت سماعت سے تیز۔ وہ سفید قمیض شلوار اور واسکٹ پہنے رہتے ہیں جن پر گماں ہوتا ہے کہ ابھی ابھی Sunday مارکیٹ سے خریدے گئے ہیں سر کبھی ننگا تو کبھی ٹُرکھانٹل ٹوپی سے ڈھکا رہتا ہے۔ اس میں پروفیسر صاحب کی کیا حکمت ہے یہ راز ابھی تک صیغہ راز میں ہی ہے۔ پاؤں میں کیا پہنتے ہیں۔ یہ معاملہ بھی اسرار کے پردوں میں چھپا ہوا ہے۔ کیونکہ ان کو کسی نے آج تک پیدل چلتے نہیں دیکھا ہے۔ ان کی گاڑی میں جھانک کر یہ راز کھولا جا سکتا تھا۔ لیکن اس میں ان کی سیکورٹی رکاوٹ ہے جو Main stream سیاستگروں کی سیکورٹی کی طرح اُن کے ساتھ چپکی رہتی ہے۔

بٹ صاحب فطرتاً امن پسندوں کے امن پسند ہیں اور بیان دینے میں حد درجہ احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ مولانا انصاری کے تاریخی بیان اور اس کے نتائج سے سبق حاصل کر کے بٹ صاحب نے سنا ہے بیان دینا بالکل ہی اب بند کر دیا ہے۔ اس سے پہلے روزِ ابر اور شب ماہتاب میں کبھی کبھی بیان دیا ہی کرتے تھے۔ پروفیسر صاحب Hawks میں Dove ہیں۔ کسی نے بھی آج تک انہیں بلبل، شیر، ماہتاب، آفتاب، شاہین، خر، چڑیا،

وغیرہ سے لڑتے جھگڑتے نہیں دیکھا ہے۔ جس پر چارلی چیپلن اور Johny Lever دونوں کو حیرت ہے۔ فکر انگیز بات یہ ہے کہ مسئلہ کشمیر کا حل ان کی جیب میں ہے اور سیاسی جیب کترے وہ حل چرانے کی فکر میں ان کے ساتھ سایہ کی طرح لگے رہتے ہیں۔ ادھر سنا ہے کہ امریکہ کی CIA نے بھی اپنے خفیہ ایجنٹ ان کے پیچھے لگا دیئے ہیں۔ سننے میں یہ بھی آیا ہے کہ شاہ صاحب اور طاری صاحب بھی یہ حل حاصل کرنے کی فکر میں ہیں تا کہ اس کے ذریعے سیاسی Liliput میں Gulliver کی پوزیشن حاصل کرسکیں۔ سانحہ شوپیان، ہڑتال، ادھر چلو اُدھر چلو، لال چوک کال، بارہمولہ سانحہ پر بھی ان کا کوئی بیان نہیں آیا جس کی وجہ سے ان کی گمشدگی کا معاملہ کچھ زیادہ ہی پراسرار اور ان کے مداحوں کیلئے باعث تشویش بن گیا ہے۔ بعض قانونی ماہرین نے الزام لگایا ہے کہ بٹ صاحب نے اپنے آپ کو جس بیجا میں رکھا ہے۔ جبکہ بعض سراغ رسانوں نے انکشاف کیا ہے کہ وہ والینٹری Disappearence کا شکار ہو گئے ہیں۔ جس کے بارے میں ہم عنقریب عالمی عدالت انصاف Human rights watch اور ایمنسٹی انٹرنیشنل میں شکایت درج کرنے والے ہیں۔ اگر بٹ صاحب خود یہ اشتہار پڑھیں تو فوراً اہل کشمیر سے رابطہ قائم کریں۔ ان کا صحیح پتہ بتانے والے کو مسلم کانفرنس کا صدر بنایا جائے گا اور پتہ بتانے والے کو یقین دلایا جاتا ہے کہ اس کا نام صیغہ راز میں رکھا جائیگا۔

المشتہر: مداحانِ پروفیسر، بذریعہ: **معتبر طوطہ رام، اسمال پیٹھ خرچ، کریم ننہ وور۔**

سیکولر چاول

راشن کی تقسیم کاری کیلئے مہاراجہ نے اچھا انتظام کر رکھا تھا۔ روز گلاب باغ کے راشن ڈیپو سے راشن کے چاول، کھانڈ آٹے سے لدی پھندی کشتیاں براہِ ویتھ چلتیں اور کناروں پر قائم گھاٹوں پر پہنچا کر سارے شہر کو سامان رسد بہم کراتیں۔ جب سے البتہ شخصی راج کا خاتمہ اور خاندانی راج کی شروعاتیں ہوئیں یہ بندوبست بھی باقی بندوبستوں کی طرح ڈانواڈول ہو گیا۔ مہاراجہ نے تعلیم کو Compulsory کر دیا تھا۔ والدین جو بچوں کو سکول بھیجنے میں ناکام رہتے انہیں جیل کی ہوا کھانے کے لئے تیار رہنے کی تنبیہ تھی۔ اسی طرح باقی میدانوں میں بھی مہاراجہ کے انتظامات کا جب جائزہ لیتے ہیں تو وہ جدید دور کے مہاراجوں سے کہیں زیادہ بہتر تھے۔ انتظامیہ رشوت سے پاک تھی۔ احساس ذمہ داری نے ہر دل پر ہیبت طاری کر رکھی تھی اور محاسبہ کے عمل سے Checks and Balance کے web کو فولادی بنایا گیا تھا۔ لیکن نئے دور کے مہاراجوں نے سب کچھ خاک میں ملا دیا۔ صدیوں کے بھائی چارہ کو تار تار، انتظامی ڈھانچہ ڈھیر سیاسی فیبرک کو دیمک کی طرح چاٹ، اخلاقی اقدار کے گراف کو Zero تک گرادیا۔ ستم ظریف یہی سوچتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا کہ اس نے ایک راشن گھاٹ کے پاس لوگوں کا جم غفیر دیکھا۔ وہ راشن لینے آئے

تھے۔ لیکن دوکان راتھر صاحب کے خزانہ کی طرح خالی تھی۔ لوگ احتجاج کرر ہے تھے۔ انکا کہنا تھا کہ وہ گذشتہ ایک ہفتہ سے راشن لینے آتے ہیں۔ لیکن گھاٹ سکھ دور کے گھاٹوں کی طرح خالی ہیں۔ ستم ظریف گھاٹ منشی کو ایک جانب کھینچ کر لے گیا، وہ خان ڈریس اور قراقل ٹوپی پہنے ہوئے تھا۔ پاؤں میں پشاوری چپل تھا۔ ستم ظریف نے اسے چاول دستیاب نہ ہونے کی وجہ پوچھی تو اس نے جواب دیا کہ جناب پنجاب سے چاول سے لدی پھدی ٹرک ہر روز چلتے ہیں لیکن یہاں آتے آتے وہ شاید Bermuda ٹرینگل سے گذرتے ہیں۔ اور آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ کوئی بھی جہاز، ٹرک، سائیکل یا ریڑھ Bermuda Triangle کے قریب سے بھی گذرے تو وہ غائب ہو جاتی ہیں۔ یہ کیوں غائب ہو جاتی ہے؟ اس پر سائنسداں ابھی تک کوئی حتمی فیصلہ قائم نہیں کر پائے ہیں۔ اور جب تک اس راز سے پردہ نہیں ہٹایا جاتا تب تک کشمیر آنے والے چاول کے ٹرک غائب ہوتے رہینگے۔ البتہ ٹرک ڈرائیور سنتا سنگھ اور اسکے کلینر بنتا سنگھ نے راز کچھ یوں بیان کیا کہ صاحب یہ ٹرک Bermuda Triangle میں نہیں بلکہ حکام کے stomach triangle میں غائب ہو رہے ہیں۔ بنتا سنگھ نے سنتا سنگھ کو آنکھ کے اشارے سے چپ رہنے کو کہا۔ لیکن خوش قسمتی سے سنتا سنگھ نے اس دن تھوڑی سی کچھ زیادہ ہی لگا رکھی تھی جس کی وجہ سے اسکی Automatic Brain Maping ہو رہی تھی۔ وہ بے اختیار کہہ رہا تھا کہ جناب ایسا تو دہائیوں سے ہو رہا ہے۔ اسی لئے تو حاکم اس محکمہ میں Posting کے لئے لاکھوں روپے خرچ کرتے ہیں۔ ہر وزیر کے اپنے چہیتے افسر ہیں جو ان کو اپنے ماتحت محکموں کا سربراہ بنانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں۔ جناب لوگوں سے A Class چاول کی قیمت وصول کی جارہی ہے لیکن خریداری D گریڈ چاول کی ہوتی ہے۔ جسے گوسائنی تمل secular تمل یا پھر لشکر تمل کہتے ہیں۔ کیونکہ اس کے کچھ دانے سفید کچھ نیلے، کچھ

کالے اور کچھ لال ہوتے ہیں۔ اور اس میں بو بھی عجیب ہوتی ہے۔ کبھی گوبر گیس تو کبھی
امونیم کلورائیڈ، کبھی ٹئیر گیس، تو کبھی السَّہ تیل کی بو ہوتی ہے۔ اس میں رائے شماری والا
رنگ تو نہیں ہوتا البتہ ایکارڈ کا گیلا پن ضرور ہوتا ہے۔ اور لطف یہ کہ 2nd World war
زمانہ کے چاول بھی رسماً ہی پنجاب سے روانہ ہوتے ہیں۔ رسماً ہی لکھن پور ٹول پوسٹ
سے گذرتے ہیں اور رسماً ہی کشمیر کے گوداموں میں unload ہوتے ہیں۔ ستم ظریف یہ
سنکر گھبرا گیا اور سنتا سنگھ سے پوچھنے لگا اوئے سنتا یہ رسماً رسماً کیا لگا رکھی ہے؟ سنتا سنگھ نے
دیوداس کی طرح ہچکی لیتے ہوئے کہا کہ قسماً قسماً صاحب یہ سب کچھ سرکاری خزانہ سے
Freight حاصل کرنے کیلئے کیا جاتا ہے اور اس کیلئے نقلی کاغذی کارروائی اتنی نفاست سے
کی جاتی ہے کہ اصل بھی خجل ہو کر رہ جاتا ہے۔ ستم ظریف اتنے بڑے ٹرانسپورٹ فراڈ کا سنکر
کپکپا گیا اور سنتا سنگھ سے پوچھا تمہیں اس فراڈ میں شامل ہوتے ڈر نہیں لگتا؟ سنتا سنگھ نے
جواب دیا کہ صاحب میں بُھلے شاہ اور وارث شاہ کا کلام بزبان ہنس راج ہنس سُنتا ہوں اور
یوں میرا ڈر کافور ہو جاتا ہے۔ پھر ستم ظریف ڈرائیور بنتا سنگھ کی طرف گھوما اور اس سے
پوچھا اوئے بنتے یہ کب سے ہو رہا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ مائی باپ یہ تو پچھلی کئی
دہائیوں سے یعنی میرے پردادا کے زمانہ سے ہو رہا ہے۔ میرے پڑدادا نے انقلابی کی طرح
انقلاب اگلی نسل یعنی میرے دادا کو منتقل کیا اس نے پھر انقلاب میرے Papa کو منتقل کیا
اور پھر پاپے نے انقلاب مینوں منتقل کِتا۔ اور اب میں فراڈ کا یہ AK-47 لیکر گھوم رہا ہوں
اور چاروں طرف اندھا دھند فائرنگ کر کے میگزین پر میگزین خالی کر رہا ہوں۔ میں
Freight Fraud کا ہلاکو خان ہوں۔ ستم ظریف نے بنتا سنگھ سے پوچھا کہ یہ انقلاب
اگلی نسل کو منتقل کرنا تم نے کہاں سے سیکھا۔ تو اس نے جواب دیا کہ ساڑے پنجابی ویر شہید
بھگت سنگھ نے انقلاب زندہ باد کا نعرہ ایجاد کیا۔ لیکن انقلاب اگلی نسل کو منتقل کرنا ہم نے بھی

کاشمر سے ہی سیکھا۔ کیا سیاسی انقلاب، تو کیا اقتداری انقلاب، کیا سماجی انقلاب، تو کیا اخلاقی انقلاب، کیا انتظامی انقلاب تو کیا عیش کوشی کا انقلاب۔ یہاں انقلاب آتا نہیں بلکہ اسے اگلی نسل کو منتقل کر کے گلوخلاصی کی جاتی ہے۔ البتہ صاحب ہم نے ٹریڈ یونین لیڈر، سیاسی لیڈروں اور اخلاقی بدمعاشوں کے گھروں میں زبردست مالی انقلاب آتے دیکھا لیکن کریم ننہ وور بیچارہ کریم ننہ وور ہی رہا اس کی زندگی میں صرف آنسوگیس، انٹروگیشن، حراستی گمشدگی و ہلاکت، بے کاری و بے روزگاری، سنگباری، ہڑتال اور کھوکھلے وعدوں کا انقلاب آتے دیکھا۔ بنتا سنگھ نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا کہ جب اس نے کریم ننہ وور سے پوچھا کہ تم نے کیسے یہ Negative انقلاب قبول کئے تو اس نے شعر سنا کر مجھے خاموش کر دیا۔

ستم ظریف نے بنتا سنگھ سے پوچھا کہ کونسا شعر کریم ننہ وور نے تمہیں سنایا تو اس نے جواب دیا۔

موت ہے وہ زندگی

جس میں نہ ہو انقلاب

بے حیائی کا Senex

سبحان نائد کی آنکھیں، قبر میں اچانک کھل گئیں۔ نکیر اور منکر اس کے سامنے کھڑے کہہ رہے تھے کہ اب اہل کشمیر کو اس کی پہلے سے زیادہ ضرورت ہے۔ کیونکہ تاشوانی کلچر نے پوری وادی کو لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ کیا پولیس تو کیا بیروکریٹ، کیا وزیر تو کیا سیاستگر، کیا خانہ نشین تو کیا دفتر نشین، کیا پردہ نشین تو کیا زُلف پریشان، کیا نقاب پوش تو کیا سفید پوش، کیا سرخ پوش تو کیا سبز پوش، کیا معمر تو کیا نوخیز، کیا نیک اور کیا بد ہر طرف ذہنوں میں XXX CD چل رہی ہیں۔ کشتہ فولادی اور شربت شباب کی بکری میں زبردست اضافہ ہوا ہے۔ لدھیانہ، جالندھر، امرتسر سے خاندانی، قدیم، مہاراجی اور شاہی خاندانوں کے طبیب وحکماء اور وید واچسپتی دھڑا دھڑ وارد کشمیر ہو کر ہوٹلوں اور ہاؤس بوٹوں میں اپنے Clinic قائم کر رہے ہیں اور خلقت بلا لحاظ مذہب ملت جنس وحثیت ان کے مشوروں سے مستفید ہو کر سونے کا بھسمہ چاندی کا حلوہ، زعفران اور مشکِ ازفر کی گولیاں، سلاجیت کے گولے ساتھ لیجا کر اپنی دنیا روشن اور قبر کو تاریک کر رہی ہے۔ اور یہی وقت ہے جب اہل کشمیر کو آپ کی سخت ضرورت ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ کشمیر میں قبرستانوں کی زمین دن گذرنے کے ساتھ ساتھ سمٹتی ہی جا رہی ہے۔ کیونکہ قبر کے Candidates کی تعداد میں زبردست اضافہ ہوا ہے۔ فوج نیم فوجی دستے، ٹاسک فورس JKP نامعلوم بندوق بردار اور

الطوفان والجبر کے شدت پسند امیدواران قبر کی بلا انٹرویو اور Written test کے بھرتی کر رہے ہیں۔ لہٰذا یہ مناسب نہیں کہ آپ قبر پر اس طرح مستقل قبضہ جمائیں بیٹھیں جس طرح سیاستگر اور ان کے وارث اقتدار کے تخت طاؤس پر دائمی قابض بیٹھے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ آپ فوراً قبر خالی کر کے ملک کشمیر میں بے راہ روی اور بے شرمی کے خلاف جہاد کرنے جائیں۔ یہ کہہ کر انہوں نے رگڑا رگڑا کے نعرے بلند کرتے ہوئے سبحان نائید کی میت معہ بوسیدہ کفن کے باہر پھینک دی۔ سبحان نائید رعناواری کے محلّہ نائید یار میں جا ٹپکا اور بوسیدہ کفن میں ملبوس سڑکوں پر ادھر اُدھر بھاگنے لگا۔ وہ یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ لوگ بوسیدہ لاش کو بوسیدہ کفن میں چلتے دیکھ کر خوف زدہ نہیں ہوئے۔ سبحان نائید یہ راز معلوم کرنے کے لئے ایک کباڑی کی دُکان پر گیا اور کباڑی سے مدعا بیان کیا۔

کباڑی نے کہا یہ لوگ جنہیں تم سڑکوں پر گھومتے پھرتے دیکھ رہے ہو اصل میں خود بھی لاشیں ہی ہیں البتہ کفن ان کے ماڈرن اور نفاست سے سلے ہوئے ہیں۔ پھر بھلا ایک لاش دوسری لاش دیکھنے سے کیوں گھبرائے؟ ان میں سے نہ جانے کتنے خود بھی کفن چور ہیں اور زندہ کیا مردے کا بھی کفن چراتے ہیں! شکر کرو ابھی تک کوئی تمہارا کفن اتار کر نہیں لے گیا؟

سبحان نائید نے پوچھا کہ ان لوگوں نے میرا کفن کیوں نہیں چرایا تو کباڑی نے جواب دیا کہ ماڈرن کفن چور نوبہ نو کفن چراتے ہیں۔ تمہارا کفن تو بوسیدہ ہو چکا ہے۔ لہٰذا ابھی تک نہیں چرایا۔ البتہ ابھی تک شاید کسی Antique چور کی نظر تم پر نہیں پڑی۔ جونہی اس کی نظر پڑے گی وہ تمہارا یہ Antique کفن چرا کر بین الاقوامی بازار میں بیچ ڈالے گا۔ یہاں کے کفن چور پرانے سکے قبروں کے لوح مزار، لائبریریوں سے قدیم مخطوطات، عجائب گھر سے قدیم نوادرات چرا کر لیجاتے ہیں۔ عصمتیں لوٹ اور وشواس کا بھی گھات کر دیتے ہیں اور ساتھ میں انہیں عظیم دانشور اور قوم کا بے مثال سرمایہ قرار دیکر نشان گبر سنگھ، کسی بھی تنخواہ پر کام کے لئے تیار اکیڈمی ایوارڈ، گیان کو پیٹھ دکھاؤ ایوارڈ، کاسہ لیسی ایوارڈ،

جوتا پالیش ایوارڈ، دروازے پر کھڑا رہو ایوارڈ سے نوازا جاتا ہے۔ سبحان نائید یہ سنکر حیران ہوا اور بولا میں نے اپنے وقت میں بے حیائی اور بے حیاؤں کے خلاف جہاد شروع کیا تھا۔ لیکن اب چاروں طرف بے حیا اور بے حیائی تانڈو ناچ کر رہی ہے۔ اور کبھی لگ رہا ہے کہ میں اس کیخلاف اکیلے جہاد نہیں کر سکتا۔ کیونکہ بے حیائی کی Quantity اور بے حیائی کی آبادی کا Sensex انڈیکس آخری حدوں کو پار کر گیا ہے۔ لیکن میں بے کار بھی نہیں بیٹھ سکتا۔ مجھے کسی نہ کسی کے خلاف جہاد کرتے ہی رہنا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کس کیخلاف کروں، کیونکہ اس سماج میں اب ہر کسی کے خلاف جہاد لازم اور واجب ہے۔ کیا سیاستگر تو کیا انجینئر، کیا میونسپلٹی تو کیا RTC کباڑی یہ سنکر گھبرا گیا اور سبحان نائید سے پوچھ ہی بیٹھا۔

تم تو پورے سسٹم سے جہاد کرنے کی بات کر رہے ہو۔ ایسا ممکن ہے کیا؟ بربادی کی خزاں میں ایک اکیلی چڑیا نگہت گل کا Spring کیسے لا سکتی ہے۔

سبحان نائید نے جواب دیا کہ داناؤں نے کہا کہ جب روم میں رہو تو روم واسیوں کے رنگ میں رنگ جاؤ۔ کباڑی Confuse ہو گیا اور کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہنے لگا کہ سبحانا میں تیری بات سمجھ نہیں پایا! سبحان نائید نے جواب دیا کہ جب Negative جوار بھاٹے سے جہاد کرنا ناممکن ہو تو Positive کے خلاف ہی جہاد کرو مطلب یہ کہ دیانتداری، دانش، حیا، وفا، شرم، ضابطہ داری، استقامت اور صبر کے خلاف سینہ سپر ہو جاؤ۔ کباڑی نے تالی بجا کر سبحان نائید کے آہنی ارادوں کو خراج تحسین پیش کیا۔ سبحان نائید سب سے پہلے Botanical Garden گیا۔ وہاں اس نے لاتعداد جوڑوں کو جھاڑیوں کے پیچھے رزمِ عقل و عشق میں مصروف پایا۔ اس نے ڈنڈا اُٹھایا اور جھاڑی پر دے مارا۔ جوڑا گھبرا کے باہر نکل آیا۔ تو سبحان نائید نے انہیں وارننگ دی کہ کیوں اتنی غیر محفوظ جگہ پر طوفانِ عشق کے طمانچے کھا رہے ہو۔ ڈل میں اتنے خوبصورت ہاؤس بوٹ کھڑے ہیں۔ وہاں جاؤ۔

جوڑے کو عقل آ گئی۔ اسکے بعد سبحان نائید بیت الحکومت گیا۔ وہاں بھی صورتحال مختلف نہ پائی۔ وہاں سے نکلنے کے بعد سبحان نائید باحیا کی تلاش میں نکلا۔ دن ہفتے اور پھر مہینے گذر گئے لیکن اسے کوئی مریم ،کوئی سیتا نہیں ملی۔ اس نے خوش دامنوں، ماؤں، بہنوں، بیٹیوں، بیویوں، خالاؤں، پھوپھیوں، میں اس کو تلاش کیا لیکن بوئے گل کا سراغ تک نہ ملا۔ جس میں رنگ حیا ہو وہ کہیں نہیں ملی۔ اس مقام سے فارغ ہو کر سبحان نائید ایک ایماندار افسر یا انجینئر یا وزیر یا ڈاکٹر یا تاجر یا ......یا......یا...... وغیرہ کی تلاش میں نکلا......اسے سخن ور ملے، نیک نام وزیر افسر انجینئر ملے لیکن ایماندار ایک بھی نہیں ملا۔ نمازی، حاجی، زکواتی، روزہ دار ملے لیکن......سبحان نائید لاتقنطو سے تقنطو تک آ گرا۔ فوراً ملہ کھاہ کی طرف بوسیدہ کفن میں بھاگا۔ اپنی لاٹھی سے اپنی ہڈی پسلی ایک کر دی اور دعا کی، دُعا فوراً قبول ہو گئی۔ زمین شق ہو گئی اور سبحان نائید واپس دھرتی ماں کی کھوکھ میں چلا گیا۔

لمحے اور صدیاں

راہبر کی نظر ہزار برس کا احاطہ کرتی ہے۔ اسکے پیش نظر اسکا Self یا صرف کنبہ ہی نہیں بلکہ وہ پورے معاشرہ کا خانہ دار ہوتا اور پورے معاشرہ کیلئے سوچتا ہے۔ صحیح رہبر نہ دیہاتی ہے نہ شہری، وہ پنڈت کو نظر انداز کرتا ہے نہ ہی خالصہ پنتھ کے سیوک کو! وہ رہبر ہوتا ہے اور جانتا ہے کہ اگر لمحے خطا کرینگے تو صدیاں سزا پائیں گی۔ لہٰذا پھونک پھونک کر قدم اٹھاتا اور پھونک پھونک کر ہی بات بھی کرتا ہے۔ حضرت علمدار کشمیرؒ نے Time Machine میں ایک Time Traveller کی طرح سفر کیا اور نہ جانے کتنی صدیاں سفر کر کے لوٹ آئے۔ بیسویں صدی میں انہیں جو نظر آیا، وہ کچھ اس طرح ہے۔

ماجہِ کوری اتھو اس کریتھ نیرن دوہ دھیان برن غارن سہتی۔ علمدارؒ نے جو اندازہ لگایا وہ ایک عارف کی نظر سے بالکل صحیح تھا۔ موج یعنی ماں جنم دینے والی اور کُور اس سے جنم پائی اولاد۔ جو Evil کی روک تھام میں دوسرے کیلئے Checks and Balance کا قدرتی انتظام ہے۔ ان کے اس شروک کے تناظر میں جب وادیٔ کشمیر پر نظر ڈالتے ہیں تو جو دیکھا جاسکتا ہے وہ کچھ یوں ہے۔

(۱) منتری اور Head of Department اتھواس کھرتھ نیرن دوہ دھیان برن غارن سہتی۔

(۲) ہشہ نوشہ اتھواس کریتھ نیرن۔۔

(۳) وِجیلنس اور کورپٹ افسر اتھواس کریتھ نیرن۔

(۴) کرائم برانچ تہ منشیات و xxx سی ڈی سمگلر اتھواس کریتھ نیرن۔ کانگریسی اور رائے شماری والے اتھواس کریتھ نیرن......سابق مرکزی وزیر داخلہ اور AFSPA، Custodial Killings اتھواس کریتھ نیرن......لکھن پور کسٹم پوسٹ اور سمگلر اتھواس کریتھ نیرن......بورڈ آف سکول ایجوکیشن اور تعلیم یافتہ انپڑھ اتھواس کریتھ نیرن......انتظامیہ اور میڈیا کے دشمن اتھواس کریتھ نیرن......سجاد لون اور الیکشن کمیشن اتھواس کریتھ نیرن......جمشید شیرازی عرف عرف ککہ پڑے تہ MLA اتھواس کریتھ نیرن......بلی اور چوہا اتھواس کریتھ نیرن......سانپ اور نیولا اتھواس کریتھ نیرن......کریم ننہ وور اور باٹا شو کمپنی اتھواس کریتھ نیرن......سرینگر دوردرشن اور ...... اتھواس کریتھ نیرن......کلچرل اکیڈمی اور کلچرل ٹروپ اتھواس کریتھ نیرن......ریڈیو کشمیر اور Big 92.7 FM اتھواس کریتھ نیرن...... BSNL اور Aircel و Airtel اتھواس کریتھ نیرن......بوچھ اور رواز وان اتھواس کریتھ نیرن......ننگا اور بزازِ وان اتھواس کریتھ نیرن......اسامہ بن لادن اور بارک اوبامہ اتھواس کریتھ نیرن......نقلی کھاد بنانے والے اور زرعی ماہرین اتھواس کریتھ نیرن......FSL اور شوپیان کے عصمتوں کے لٹیرے اتھواس کریتھ نیرن......عصمتوں کے

لٹیرے اور محکمہ پولیس اتھواس کریتھ نیرن...... ہارٹیکلچر والے اور غیر معیاری سکیب کش ادویات بنانے والے اتھواس کریتھ نیرن...... پٹواری اور لینڈ مافیا والے اتھواس کریتھ نیرن...... فارسٹ پروٹیکشن فورس اور جنگل سمگلر اتھواس کریتھ نیرن...... سبحان نائید اور موفتہ دنڈانی اتھواس کریتھ نیرن...... آزاد اور فاروق اتھواس کریتھ نیرن...... رائے شماری والے اور گندی نالی کے کیڑے اتھواس کریتھ نیرن...... انقلابی اور قاسم اتھواس کریتھ نیرن...... سکندر اور پورس اتھواس کریتھ نیرن...... مور اور سانپ اتھواس کریتھ نیرن...... آرُم اور ووڑہ اتھواس کریتھ نیرن...... منصف تہ قاتل اتھواس کریتھ نیرن...... مرزا غالب اور واعظ اتھواس کریتھ نیرن...... فرہاد اور خسرو اتھواس کریتھ نیرن...... سسر اور بہو اتھواس کریتھ نیرن...... ہڑتال اور عوام اتھواس کریتھ نیرن...... اور خورشید عالم اور جنرل ایڈمنسٹریشن اتھواس کریتھ نیرن......

ذرا سوچیئے اگر مندرجہ بالا حقیقت میں ہو جائے تو پھر گلہ کس سے اور شکایت کیا؟

شور

اِسمائل پیٹھ خرچ کے بیٹے نے ماشاء اللہ آج میٹرک پاس کیا تھا۔ آج ہی Indiaresult.com کی Website پر نتائج شایع ہوئے تھے اور کامیاب امیدواروں میں اِسمائل پیٹھ خرچ کے اکلوتے لاڈلے بیٹے **نبرزومبہ** کا نام بھی آیا تھا۔ محلے والے مبارکباد دینے اسکے گھر آرہے تھے، کوئی کلچہ تو کوئی قتلم لارہا تھا کوئی شیرینی کوئی ٹافی نچھاور کررہا تھا۔ گھر میں سب خوش تھے لیکن اِسمائل پیٹھ خرچ اداس تھا۔ اُسے اب **نبرزومبہ** کے روزگار کی فکر ستارہی تھی۔ مائیکرو کاروبار پر تو غیر مقامی کارکن حاوی ہوچکے تھے۔ اب لے دے کے مچھلی اور **کلہ هیرہ پاچہ** بیچنے تک ہی مقامی کارکن محدود ہو چلے تھے۔ اِسمائل پیٹھ خرچ نے علماء مفکرین بزازوں، خوانچہ فروشوں، دوکانداروں سے مشورہ کیا اور وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ اگر نبرزومبہ کو کامیاب ہونا ہے تو اسے فوراً سیاست کے کاروبار میں لگادینا چاہئیے۔ کیونکہ اس میں کوئی Investment ہی نہیں ہے اور آمدنی بے شمار۔ سب لوگ عزت کرتے ہیں۔ تھانہ دار بھی گھبراتا ہے، اخبار والا، صفائی کرم چاری بھی سلام کرتا اور نائی بھی۔ لہٰذا اُسے فوراً اپنی ایک الگ سیاسی پارٹی کا اعلان اب کرنا ہی چاہئے۔ اسکے کارکنوں میں کرم گاڑہ، سونہ پمپ، سونہ مکش، رحم وازہ، اعو بدی نلکہ، فقیر بکرم، یکہ ناٹہ، بٹہ مرژہ وانگن

شامل تھے۔ کارکنوں کا اجلاس منافق منزل میں طلب کیا گیا اور اتفاق رائے سے شور کرو پارٹی کی Launch کا اعلان کیا گیا۔ پارٹی کے اغراض و مقاصد میں؛

۱	ہر بات پر شور مچانا	۲	شور پر شور مچانا
۳	شور بڑھانا	۴	شور کو ترویج دینا
۵	شور کرنے والوں کی مدد کرنا	۶	مدد کرنے والوں پر شور مچانا

چونکہ PRESS Colony شور مچانے کے لئے فردوس بروئے زمین است ہے۔ یہاں ہر ایرے غیرے نتھو خیرے کو عالمگیر پبلسٹی ملتی ہے۔ لٰہذا فیصلہ ہوا کہ PRESS Colony میں ہی اس پارٹی کے قیام کے اعلان کا شور مچایا جائے۔ اس سلسلہ میں شور مچانے والے آلہ جات مثلاً ڈنڈا ٹین، تُمبکھ نار، ڈول باجے ساتھ اٹھائے گئے اور بطرف کالونی روانہ ہوئے۔ لیکن کس بات پر شور مچایا جائے اس بات کا فیصلہ کرنے کے لئے قرعہ اندازی کرنے کا فیصلہ ہوا۔ لیکن وہ یہ جانکر حیرت زدہ رہ گئے کہ اس بستی میں کوئی معاملہ ہے ہی نہیں، جس پر شور نہ مچایا جاسکے۔ بلکہ حق بات تو یہ ہے کہ جب تک کسی معاملہ پر شور نہ مچایا جائے تب تک افیم زدہ وزراء اور حاکموں کی اونگھ ٹوٹتی ہی نہیں ہے۔ صاف پانی کی فراہمی کا معاملہ ہو یا پھر بے راہ روی کا مسئلہ، نقلی ادویات کی بدعت ہو یا پھر ملاوٹ کی وبا، روز روز کی ہڑتالوں کا معاملہ ہو یا پھر اقتداری سیاستگری کا کرسی دید و معاملہ ہر بات پر جب تک شور نہ مچایا جائے حاکم کی اونگھ نہیں ٹوٹتی۔ ان تمام موضوعات پر دیگر سیاسی گروہوں اور علماء کی Gangs شور مچا کر راہ فرار اختیار کر چکی تھیں۔ کس بات پر شور مچایا جائے؟ اب شور مچاؤ پارٹی کو یہ مسئلہ درپیش تھا۔ کسی نے تجویز پیش کی کہ ڈل جھیل ایک اچھا Running موضوع ہے کیوں نہ اسی مسئلہ پر شور مچایا جائے۔ لیکن پھر اتفاقِ رائے سے فیصلہ ہوا کہ یہ موضوع کب کا بوسیدہ ہو چکا ہے اور اب ڈل جھیل بھی واویلا کر رہی ہے کہ فی سبیل اللہ مجھے اکیلے چھوڑ دو، مجھے اپنی طبعی موت مرنے مین شاید دو یا چار برس لگ جائیں گے لیکن آپ لوگوں کا شور و غوغا مجھے

وقت سے پہلے ہی تاریخ کے قبرستان میں دفن کرڈالیگا۔ بے روزگاری، بے کاری، Disappeared Person، قتل وخون یہ تمام معاملات بھی اب پرانے ہو چکے تھے۔ کیونکہ سیاستگروں نے اپنے اولاد کی روزی روٹی کا بندوبست کردیا تھا اور Disappeared اقتدار بھی بخیر وعافیت گھر واپس آ گیا تھا۔ لہٰذا انہوں نے دیگر معاملات پر شور مچانے والوں کے شور کو ہون وداران کارخانہ پکان سمجھ کر کان بند کردیئے تھے۔ شور مچاؤ پارٹی کو کوئی مدعا مل ہی نہیں رہا تھا کہ جس پر وہ شور مچا کر اپنے وجود کا اعلان کرڈالتی۔ کسی نے مشورہ دیا کہ کیوں نہ بڑھتی ہوئی بے راہ روی اور بے حیائی پر شور مچایا جائے۔ لیکن ان کو فوراً احساس ہوا کہ اب تو پورا ستی سر بے حیائی اور بے راہ روی کا سمندر بن چکا ہے اور اس بات پر شور مچانے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ البتہ اگر کہیں حیا اور ضابطہ داری ملے تو اسکے وجود پر شور مچایا جائے۔ اتنے غور وفکر کے بعد بھی انہیں شور مچانے کا Issue نہیں مل رہا تھا۔ اتنی دیر میں کسی نے مشورہ دیا کہ کیوں نہ غلام رسول کار پر شور مچایا جائے۔ سیاست کی اتنی چاٹ پڑی ہے کہ اب راج نیتی کی مدِرا سے جی ہی نہیں بھرتا۔ کسی نے اطلاع دی کہ اس مسئلہ پر شور مچانے سے کوئی فائدہ نہیں۔

کسی نے مشورہ دیا کہ کیوں نہ پیرزادہ صاحب کی Tie پر شور مچایا جائے کہ وہ کیوں دیسی ڈریس یعنی قراقل کو انگریزی ڈریس کے ساتھ Cock Tail کر رہے ہیں۔ یا تو قراقل ڈالنا چھوڑ دیں یا پھر Tie باندھنا بند کریں۔ کیونکہ اس Dress میں انہیں دیکھ کر دھوکہ لگتا ہے کہ وہ ڈلکیٹ انگریز ہیں یا کہ پھر Water Gate فرنگی۔ لیکن کسی نے صلاح دی کہ عادت کبھی نہیں چھوٹتی۔ عہد جوانی سے عادت لگی ہے اب پیری میں کیا آنکھیں موند لینگے۔ پھر کسی نے مشورہ دیا کہ کیوں نہ فاروق صاحب کی وعدہ خلافیوں پر شور مچایا جائے تو دوسرے نے ٹوکا۔ ہرگز نہیں ایسی غلطی کبھی نہیں کرنا۔ کیونکہ انہوں نے مرزا غالب کے شعر کو پکایا ہے یعنی کہ بطور وظیفہ کمایا ہے۔ لہٰذا ان پر ہمارے شور کا کبھی بھی اثر نہیں ہوگا۔ دوسرے کارکن نے جب شعر کی نشاندہی کرنے کو کہا تو اس نے شعر عرض کیا۔

؎ تیرے وعدے پر جیے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

کسی نے تجویز پیش کی کیوں نہ عوام کے ہرجائی ہونے پر شور مچایا جائے۔ ہر کسی کا استقبال کرتے ہیں ہر کسی کی تقریر سننے جاتے ہیں۔ بائیکاٹ بھی کرتے ہیں اور ووٹ بھی ڈالتے ہیں۔ مگر دوسرے لوگوں نے یہ کہہ کر اس کی مخالفت کی کہ

آوازِ خلق نقارۂ خدا ہوتا ہے۔ لہٰذا خدا کے نقارہ پر شور مچانا جائز نہیں۔ کسی نے مشورہ دیا کہ کیوں نہ اوڑی صاحب کے بار بار ہارنے پر شور مچایا جائے۔ مگر اس پر بھی اتفاق نہیں ہوسکا۔ کسی نے ترکیب بتائی کہ شفیع صاحب کو ہارنے میں ہی مزا آتا ہے اور وہ اب ہار میں ہی جیت کا مزہ لے لیتے ہیں۔

کسی نے مشورہ دیا کہ کیوں نہ اس بات پر شور مچایا جائے کہ یہاں کے شاعر معشوقہ کے زُلف و رخسار کے پھندے سے باہر کیوں نہیں آتے؟

کسی نے اعتراض کیا اور کہا کہ یہ تو کلچرل اکیڈمی کی کتابوں کے اور ریڈیو کشمیر کے گلوکاروں کے شاعر ہیں اور یہ عورت کے پیچ و خم اور خمِ کاکل سے باہر آ ہی نہیں سکتے۔ دور باعی کے یہ شاعر قوم اور اسکے احساسات اور ان کی ترجمانی کرنا کیا جانیں۔

شور مچاؤ پارٹی کے پاس شور مچانے کیلئے کوئی Issue نہیں تھا۔ کیوں نہ پھر Non Issue پر ہی شور مچایا جائے۔ سب ملکر اسی نتیجہ پر پہنچے دوسری صبح شور مچاؤ پارٹی کے ارکان پریس کالونی میں جمع ہوئے اور Non Issue پر زبردست شور و غل مچایا۔ ٹین اور تُمبکھ ناٗر بجائی گئی۔ پریس کالونی فوٹو گرافروں نے کھچا کھچ فوٹو کھینچ ڈالے اور دوسری صبح کو نبر زومبہ کی تصویر اخباروں میں شائع ہوئی اور یوں نبر زومبہ بھی سیاسی قائدین کے کاروان میں شامل ہو کر عیش و عشرت کی زندگی گزارنے میں مست ہوگیا۔

بیروکریٹ

ریاست کوتباہی کی دہلیز پر پہنچانے میں سیاستگر کے بعد بیروکریٹ کا نمبر ہے۔ یہ کورپشن، بے راہ روی اور سازشوں کا Automatedاور Digital سپائیڈر مین ہے۔ کشمیریوں کو درپیش بڑے بڑے مسئلوں میں بیروکریٹ کا مسئلہ بھی شامل ہے۔ اس کے ذمہ سماجیات ومعاشیات کے مختلف شعبوں میں منصوبہ بندی کرنا، کابینہ سے approval لینا اور پھر عرق ریز ہوکران کوروبہ عمل لانا ہے۔ بقول اقبالؒ

امیدِ حور نے سب کچھ سکھا رکھا ہے واعظ کو
یہ حضرت دیکھنے میں سیدھے سادھے بھولے بھالے ہیں

لیکن بیروکریٹ کے منصب پر بیٹھ کر یہ اپنی ذات اوراحباب واقارب کی خوشحالی کی منصوبہ بندی کرتا ہے۔ یہ اپنے ٹیبل پر موجود فائیل کوشاہین کی نظر سے نہیں بلکہ کرگس کی نظر سے دیکھتا اور یقینی بناتا ہے کہ ہر فائیل کو ذاتی مفاد میں Manipulate کیسے کیا جائے۔ اس چکر میں فائیل کونوٹا نوٹی کے بھنوروں میں غرق کردیتا ہے کہ جسمیں سے اگر فائل واپس ابھرآیا تو بھی برس دوبرس تو لگ ہی جاتے ہیں۔ File کو OK کرنے میں ہزاروں پہاڑ جیسے جواز موجود ہیں لیکن اُن کی طرف بیروکریٹ کی کم ہی نظر پڑتی ہے اور وہ

مروائن فیور کا بہانہ پکڑ کر فائیل کو فری سٹائیل سرکس کے Ring کے حوالہ کرتا ہے۔ سایل بے چارہ فایل کا پیچھا کرتے کرتے Blood Pressure، شوگر، Palpitation اور نہ جانے کن بیماریوں کا شکار ہو کر تھک ہار کر فائیل کا Persue کرنا چھوڑ دیتا ہے۔ پھر بیروکریٹ کا سیکشنل افسر سائیل کو دلاسا دیتا ہے، جہانگیر ہوٹل میں سایل کے پیسوں سے منگائی گئی چائے کی چسکیاں اور کباب تناول کرتے کرتے دل کی گہرائیوں سے خلوص دل سے، تہہ دل سے، نیک نیتی سے سائیل کو صاحب کے گھر میں ملنے کی صلاح دیتا ہے۔ پھر ڈبوں میں نہ جانے کیا کیا لا دکر سائیل صاحب کے گھر میں اس کے ساتھ ملاقات کرتا ہے۔ دوسری صبح سیکریٹریٹ پہنچ کر صاحب پہلے سائیل کا ہی File منگواتا ہے۔ اگر خوش قسمتی سے تب تک فائیل گم نہ ہوا ہو تو فائیل صاحب کے سامنے پیش کرکے اس پر صاحب اپنے نازک ہاتھوں سے OK کے دو لفظ لکھ کر سائیل کی دنیا اور اپنی عاقبت اجاڑ دیتا ہے۔ سیکریٹریٹ میں فائیل کا ملنا اور پھر وقت پر اس کا Disposal ہونا اب بہت بڑا مسئلہ بن گیا ہے۔ اصل disposal تو سیکشنل افسر کے ذمہ ہے اور صاحب تک پہنچتے پہنچتے مسئلہ، مسئلہ کشمیر سے بھی زیادہ الجھ گیا ہوتا ہے۔ بیروکریٹ کو بڑی فائیل وزیر سے بھی OK کرانی ہوتی ہے۔ یہاں بھی یہ وزیر کی آنکھوں میں دھول جھونکتا اور سنا ہے کہ سابق وزیر جنگلات ایسے ہی کسی بیروکریٹ کی پھینکی ہوئی دھول کا شکار ہو گیا۔ اور اس فائیل پر اپنے دستخط ثبت کئے جسکے بارے میں وہ کچھ جانتا ہی نہیں تھا۔ بیروکریٹ انڈین ایڈمنسٹریٹیو سروس کا کارندہ کم اور تاج برطانیہ کی انڈین سول سروس کا حاکم زیادہ لگتا ہے۔ بہترین کپڑے زیب تن کرتا، بلٹ پروف گاڑیوں میں گھومتا، GPRS اور Broadband internet پر بیٹھ کر طرح طرح کے نظارہ دیکھتا ہے۔ لیکن جس کام کے لئے مقرر کیا گیا تھا وہ کام ہرگز نہیں کرتا ہے۔ دفتر میں بیٹھ کر گھریلو Business کرتا ہے۔ گاڑی بچوں کو سکول بیگم صاحبہ کو میکہ لانے لیجانے کیلئے استعمال کرتا اور سرکاری مقاصد کے لئے مہیا کئے گئے Mobile پر دوستوں سے

Chat کرتا ہے۔ اس کے دوست کون ہیں یہ بار کونسل کے صدر میاں قیوم صاحب زیادہ بہتر طور جانتے ہیں۔

بیوروکریٹ بھی قوم کے غم میں فارین دورے کرتا ہے۔ Study ٹور پر جاتا اور ٹریننگ کرتا ہے۔ واپس جب آتا ہے تو اپنے اقارب کے لئے تحفہ تحائیف لاتا اور دماغ کو پوری طرح Wash کر کے آتا ہے۔ آج تک جتنے بھی دورے بیوروکریٹوں نے کئے انکا استفادہ کسی شعبہ میں ہوا اور اسکے کیا نتائج برآمد ہوئے اسکا کوئی بھی information قوم کو نہیں دیا گیا۔ اگر فائیل چوہا ہے تو بیوروکریٹ بلی ہے اور یہ فائیل کے ساتھ چوہے بلی کا کھیل کھیلتا رہتا ہے۔ جس فائیل کو ٹالنا ہو اس پر Please discuss لکھ کر معاملہ ٹرخا دیتا ہے اور جس فائیل کو زندہ دفن کرنے کا ارادہ ہو اسے کمیٹی کے حوالہ کرتا ہے۔ یہ مہاشے نفسیاتی شطرنج کھیلنے کا قدرتی ماہر ہوتا ہے۔ وزیر اور سائیل دونوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنا اسکی پرانی عادت ہے۔ بیوروکریٹ کے شوق میں شراب، شباب، کباب، رباب، حجاب وغیرہ وغیرہ شامل ہے۔ اس شوق کو پورا کرنے کیلئے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرتا اور چالیں چلتا ہے۔ جب CBI نے نمونہ کیلئے ایک بیوروکریٹ کی چالوں کا سروے کیا تو وہ دھنگ رہ گئے اور سوچ میں پڑ گئے کہ اتنا چالباز ماہر تو CBI، ISI، IB, MOSSAD یا پھر CIA وغیرہ کے پاس بھی نہیں ہے۔ اس دن سے CBI نے بیوروکریٹ کو اپنا پیر مرشد مانا ہے۔

بیوروکریٹ کا ایک اور کام اپنے محکمہ کے منتری کو خوش رکھنا اس کی پبلسٹی کرنا اور اس کی تقریر لکھنا بھی ہے۔ وزیر جب اچانک خوش رہنے لگتا ہے تو وہ پریشان ہو جاتا ہے کہ یا الٰہی میں تو جنم جنم کا دکھیارا ہوں، پاپی پیٹ کے واسطے وزیر بنا ہوں میں کبھی خوش ہی نہیں رہا کرتا تھا یہ اچانک میں خوش کیوں رہنے لگا ہوں؟ لیکن اس بیچارے کو معلوم ہی نہیں کہ یہ

سب کارستانی بیروکریٹ کی ہے اور وزیر کو خوش رکھنے کے ہزاروں طریقے جانتا ہے۔ وزیر جب کسی اجتماع میں بیروکریٹ کی تقریر رُک رُک کر پڑھنے لگتا ہے تو وہ حیرت کے سمندر میں غوطہ زن ہو جاتا ہے کہ بار خدایا میں نے تو یہ کبھی سوچا بھی نہیں ہے جو میرے بیروکریٹ نے لکھا ہے نہ بولنا ہی تھا اور نہ کرنا ہی ہے۔ تعجب کے عالم میں جب وہ سامعین سے جمورے تالی بجاؤ پر تالیوں کی آواز سنتا ہے تو خوش ہو کر بیروکریٹ کی لکھی تقریر پڑھنا جاری رکھتا ہے۔

کچھ بیروکریٹ زاہد خشک ہوتے ہیں۔ وہ شراب و کباب و شباب سے دور رہتے ہیں البتہ انہیں لکشمی سے محبت ہوتی ہے۔ اسے ڈرائی شراب یا ڈرائی Sex بھی کہتے ہیں۔ وہ ریاست کیلئے پلاننگ کرتے کرتے بھاری مقدار میں لکشمی جمع کرتا ہے پھر ریٹائرمنٹ کے بعد اچانک Shopping Plaza کھڑا کرتا ہے۔ اپنے قرابت داروں کو چور دروازہ سے KAS کے راج محل میں داخل کرتا ہے۔ اور اس کے لئے پُھدک پُھدک کر قرابت دار کو چلنے کی ہدایت کرتا ہے۔ اور ایک دن اس کا نابکار قرابت دار پُھد کتے پھد کتے IAS کے ہستنا پور میں داخل ہو کر اپنے پیشرو محسن کے نقشِ قدم پر چل کر اپنا نام روشن اور وطنِ عزیز کو اندھیروں میں دھکیل دیتا ہے۔ ریٹائرڈ بیروکریٹ کسی بڑی سیاسی جماعت میں شامل ہو کر محاسبہ سے صاف بچ نکلتا ہے۔ یہ رشوت کے پیسے کو ہاتھ لگانا پاپ سمجھتا ہے۔ لٰہذا اس کا شمار پاپیوں میں نہ ہو سائیل روپے پیسے اس کے کمرے میں بچھے مُصلّےٰ کے نیچے رکھتا ہے۔ اور پھر PA پلاسٹک کے دستانے پہن کر وہ روپے بیروکریٹ کی جیب میں رکھتا ہے۔ جسے گھر پہنچ کر بیروکریٹ کی بیگم صاحبہ بھی پلاسٹک کے دستانے پہن کر باہر نکالتی ہے۔ کیونکہ PA صاحب کی طرح وہ بھی حرام کمائی کو ہاتھ لگانا مہا پاپ سمجھتی ہے۔ اسکے بعد کچھ روپے نذر و نیاز میں استعمال ہوتے ہیں کچھ مخدوم صائبن تہر بھیجنے میں اور کچھ اپنے نام بنک اکاؤنٹ میں جمع کر دیتی ہے۔

یوں تینوں رند کے رند بھی رہتے ہیں اور ہاتھ سے جنت بھی نہیں جاتی۔

بیوروکریٹ دل میں تو دوسرے بیوروکریٹ کا دشمن نمبر one ہوتا ہے۔ لیکن باہر سے دوستی اور وفا کی قسمیں کھاتا ہے۔ زیرزمین دوسرے بیوروکریٹ کی ٹانگیں کھینچنے میں مشغول رہتا ہے لیکن Upper Ground میں اس کی بھرپور مدد کرتا ہے۔ بیوروکریٹ عید پر عیدگاہ یا مسجد میں کم لیکن وزیر یا ساتھی بیوروکریٹ کے گھر میں زیادہ نظر آتا ہے۔ بیوروکریٹ کے اس مکڑ جال یعنی Web کو کاٹنے کی شیر شاہ سوری نے یہ تدبیر کی تھی کہ ان کو پرائیویٹ پارٹیوں میں ملنے اور آپسی رشتے کرنے سے منع کیا تھا۔

لیکن آج کا شیر شاہ سوری بادشاہت کے رموز سے ناواقف ہے۔ کیونکہ بادشاہت کے حصول کے لئے اسے کسی کورکھشیتر، کالنگا، پانی پت کے میدان میں اترنا ہی نہیں پڑا۔ اسے یہ بادشاہت جدید دور کے مغل اعظم اکبر نے بطور جاگیر عطا کی ہے۔ ووٹر بیچارہ تو ہاتھی کا دانت ہے دکھانے کو بس...... لہٰذا آج کا بادشاہ بیوروکریٹ کے Web میں قید ہے جسے کاٹنے کے لئے شمشیر سلیمانی کی ضرورت ہے مگر افسوس کہ وہ اب ناپید ہے۔ بیوروکریٹ کا باتھ روم اور Bed روم اتنے حسین ہوتے ہیں کہ اگر آج شاہ شہاں زندہ ہوتے تو ایک نیا تاج محل ان کے باتھ روم کا ضرور Design بناتے۔ اس پر خرچہ محکمہ estates کرتا ہے۔ جسے یقین نہ ہو وہ بیوروکریٹ کا باتھ روم دیکھ کر یقین کرسکتا ہے۔

پسماندہ ذات اور قبیلہ سے تعلق رکھنے کا سند پیش کرنے پر کچھ انپڑھ بیوروکریٹ بنے ہیں۔ جب وہ قومی حمیت کے دلدوز واقعات کو عام مسئلہ قرار دیتا ہے تو صاف عیاں ہوجاتا ہے کہ بیوروکریٹ بننے سے ذہنی پسماندگی دور نہیں ہوتی۔

کشمیر والو!

از مقام.......... جنت

مورخہٗ..........

میرے پیارے پوترا

السلام علیکم

مفکرِ وعلمدارِ کشمیر حضرت شیخ نورالدین نورانی شیخ العالمؒ کی وساطت سے تمہارا اسلام ملا۔ وعلیکم السلام روحمتہ اللہ و برکاتہٗ۔ تمہاری موجودہ زبوں حالی پر بہت دکھ ہوا۔ یہ جانکر بھی بہت دکھ ہوا کہ کشمیر اب ایرانِ صغیر نہیں رہا۔ اب علم وفضل قصہ پارینہ ہو کر رہ گئے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ بڈشاہ صاحب کے دور کے بعد تم نے بیشتر ایام یا تو ظلم وستم سہتے ہوئے گذارے یا پھر جذبات کی رو میں بہہ کر اور اس وقت صورتحال یہ ہے کہ تمہارا تہذیبی، ثقافتی، روحانی، سیاسی اور معاشی اور اخلاقی وجود داؤ پر لگا ہوا ہے۔ یہاں میرے ساتھ حضرت شاہ ہمدان تشریف فرما ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ جن پستیوں میں سے انہوں نے تم کو اوپر اٹھایا تھا تم واپس انہی پستیوں میں لڑھک چکے ہو۔ اور اگر فوراً نہ سنبھلے تو تم ہانگل کی طرح بس نمائش کیلئے رہ جاؤ گے۔ اس وقت تم Endangered فہرست میں ہو اس سے پہلے کہ تم Extinct ہو جاؤ اگر سنبھل سکتے ہو تو سنبھل جاؤ۔ وگرنہ تمہاری داستاں تک نہ ہوگی

داستانوں میں۔

ایک بات جو ہم نے محسوس کی وہ یہ ہے کہ تم ٹکڑوں میں بٹے ہوئے ہو۔ ایک ہو جاؤ اور آپس میں تفرقہ مت ڈالو۔ حکیم الامت فرما گئے ہیں۔

ایک ہو جائیں تو بن سکتے ہیں خورشید مبین ورنہ ان بکھرے ہوئے تاروں سے کیا بات بنے

تم میں سے ہر کوئی اپنے ذاتی مفاد کو عزیز رکھتا ہے۔ مجموعی مفاد کو مقدم جانو کہ یہی اسلام کی تعلیمات ہیں۔

ہیو گوبرا! حساب کرنا سیکھو۔ یاد رکھو آخرت میں بھی ہمیں اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کیا خوب کہہ گئے ہیں۔

صورتِ شمشیر ہے دست قضاء میں وہ قوم کرتی ہے ہر زماں جو اپنے عمل کا حساب

ذاتی حساب کتاب میں تم کافی Clever ہو۔ ایک بھی مالی دمڑی تمہارے ہاتھ سے نکل جائے تم آسماں سر پھر اٹھا لیتے ہو۔ لیکن اگر تمہارا پورا قومی خزانہ لوٹا جائے تو تمہارے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔

بحیثیت قوم تم نے حساب کتاب کرنا چھوڑ دیا ہے۔ جب تمہیں حساب و کتاب کرنے کی عادت تھی تمہاری فوجیں اڑوس پڑوس کے علاقوں میں فتوحات کا پرچم لہراتی تھیں جب سے تم نے بحیثیت قوم حساب کتاب کرنا چھوڑ دیا تمہارے صحنوں میں ہر کوئی فتح کا علم بلند کرتا ہے۔ پچھلی بار تم نے حضرت بڈ شاہ کے وقت میں قومی حساب و کتاب کیا اور بدلے میں اللہ کی رحمتوں و برکات کا نزول ہوا۔ مادر مہربان للہ دید جیسی شفیق والدہ کا ظہور ہوا۔ بڈ شاہ جیسا بابائے قوم ملا اور ہلمت رینہ جیسے سپہ سالار تمہاری عظمت کی دھاک بٹھانے سینہ سپر ہو گئے۔ فنون حرب و ضرب اور دستکاریوں کے انوار برسنے لگے۔ لیکن اب تم ہاتھ پر ہاتھ دھرے اور بے ملاح کی ناؤ بن کر رہ گئے ہو۔ یاد کرو گذشتہ چھ سو برسوں سے

تم کہاں کہاں نہیں بھٹکے کیا اول خول نہیں بکا زبان چلاتے اور محض پیٹ بھرتے رہے۔ غور کرو بڈشاہؒ نے جو میراث تمہارے لئے چھوڑی کیا تم اسے آگے لیجا سکے۔ تمہاری دستکاریوں کے Design بھی اب تک وہی ہیں جو انہوں نے حضرت امیر تیمورؒ کے فن کاروں سے منگوائے تھے۔ Cyber Age سے ہم آہنگ کرنا تو دور تم نے دستکاریوں کی کو الٹی تک گرادی اور اب حالت یہ ہے کہ قالین کی صنعت راجستھان اور شال کی حرفت امرتسر منتقل ہورہی ہے۔ پھل صنعت میں تم ہماچل پردیش سے مات کھا رہے ہو۔ ذرا غور کرو۔

جھیل ڈل کی حالت پر تم بہت شور مچا رہے ہو۔ ذرا معلوم کرو ان House boats میں کیا ہو رہا ہے۔ اور کیا ہوتا آیا ہے۔ یہ تو قدرت کا جذبۂ رحم ہے کہ ڈل ابھی تک سانس لے رہا ہے۔ وگرنہ ڈل نے کب کی شرم سے خودکشی کی ہوتی۔

تم ہر بات مذاق میں اڑانے کے عادی ہو گئے ہو۔ اور اب قدرت نے تمہیں مذاق بنا ڈالا ہے۔ حضرت علمدارؒ نے تمہیں نفس کشی کی ترغیب دی تھی لیکن تم نفس پرور نکلے۔ ان کو جب نفس نے پکوڑے کھلانے پر اصرار کیا تو انہوں نے اسی جلتی لکڑی پیش کی۔ البتہ جب تمہیں نفس پکوڑے کھلانے کی ضد کرتا ہے تو تم اسے فوراً **طبخ ناٹھ، رستہ، دانی ول قورمہ** کھلاتے ہو۔ تم ہڑتال کرتے ہو...... ارے تمہارے کارخانوں میں کیا تیار ہوتا ہے جسکے برآمد نہ کرنے سے دنیا یا ہند و پاک میں اقتصادی افراتفری مچے گی البتہ تمہارے ہاں وازہ وان کا پروگرام درہم برہم ہو کر رہ جاتا ہے۔ پھر اسکی منسوخی کی اطلاع اخباروں میں چھپاتے ہو۔ تمہیں معلوم ہے اکیلے وازہ وان نے تمہیں اتنا برباد کیا ہے، جتنا کہ تم سیاستگروں نے مل کر بھی نہیں کیا۔ وازہ وان میں استعمال ہونے والے بھیڑ راجستھان سے درآمد کرتے ہو۔ تمہارا اربوں روپے چلا جاتا ہے۔ وازہ وان کھا کر تم بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے، پھر نقلی دوائیاں باقی کسر پورا کر دیتی ہیں۔ شادی بیاہ کے مواقع پر مذہبی تقدس کہیں نظر نہیں آتا بلکہ یہ مواقع اب بے راہ روی اور بے حیائی کے اکھاڑے بن

گئے ہیں۔ شرم کرو مہاراجہ ہری سنگھ نے کشمیر کے چپے چپے میں توت کے درخت لگوائے تھے تاکہ تم ریشم کی صنعت کو چار چاند لگاؤ۔ لیکن تم نے مہاراجہ کے لگائے ہوئے ریشم خانہ کو بھی اپنے نفس کی گہرائیوں میں دفن کر دیا۔ اب تمہارے لئے ریشم کرناٹک میں تیار ہوتا ہے۔ کون سی کارپوریشن تمہارے ہاں موجودہ ہے جو خسارے پر نہیں چلتی۔ سرکاری مدد کی بیساکھیوں کے سہارے یہ کھڑی ہیں اور جس دن یہ مدد بند ہوگئی تمہاری بچی کچھی کارپوریشنز بھی زمین بوس ہو جائینگی جس طرح ژونہ ڈب زمین بوس ہو گیا۔ حضرت شیخؒ نے یاون مٔژ کو شراپ دیکر تمہاری راہیں روشن کر دیں۔ لیکن میں نے سنا ہے کہ اب یاون مٔژ ہی تمہیں شراپ دیتی ہے اور اسکے گواہ ڈل جھیل میں کھڑے ہاؤس بوٹ ہیں۔

شیخ العالمؒ نے تمہیں کہا تھا کہ:۔

ان پوشہ تیلہ یلہ ون پوشہ

لیکن افسوس تم نے سیاستگری کا استفادہ جنگل کے خاتمہ کیلئے کر دیا۔ اور اس وقت ان تمام جگہوں سے جنگل ہی فنا کر ڈالے جہاں تمہاری نجات کیلئے رومہ ریش، روپہ ریش ریاضت کیا کرتے تھے، میرے فرزند شاعرِ مشرقؒ کیا خوب فرما گئے ہیں:۔

زباں سے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل . دل ونگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

حضرت شیخؒ نے بھی تمہیں یاد دلائی تھی کہ۔

کلمہٕ پوٚرُم کلمہٕ سوٚرُم کلمہٕ کٔرُم پٔژُن پان

کلمہٕ ہنہِ ہنہِ موینٕ بوٚرُم ہرموکھ وُچھم پٔژُن پٲن

کلمہ تو تم خوب پڑھتے ہو۔ لیکن غور نہیں کرتے اور جب غور نہیں کیا تو زندگی میں اس کی Application کیا کرو گے؟

مادرِ کشمیر نے تمہیں کہا تھا کہ

ہونڈ ماری تنَ یا کھٹ للہِ نلی وٹھ ژلی نہ زانہہ

تمہارے برتن میں کوئی نِلہ وٹھ نہیں پھر بھی تم میں صبر نام کی کوئی چیز ہی نہیں ہے۔ ایثار نہیں، غیرت نہیں، محنت نہیں، شجاعت نہیں، بے باکی نہیں، مروت نہیں ہے۔ البتہ ہونڈی اور گٹھ چاروں طرف ہیں۔

اخلاقی لحاظ سے ذرا غور کرو تم کہاں ہو۔ کیا تم میں کوئی نظم وضبط ہے۔ کیا شرم وحیا ہے۔ کیا عصمت کی تمہارے یہاں کوئی قیمت ہے۔ تمہارے ہاؤس بوٹوں، دفتروں، سکولوں اور رشتہ داریوں میں کیا ہو رہا ہے۔ تم جان کر انجان ہونے کا ڈھونگ رچا رہے ہو۔ کیونکہ تم میں غیرت ختم اور خوفِ خدا نہیں رہا۔

تم Need کی سرحد سے نکل کر Greed کے غلیظ سمندر میں غوطہ زن ہو اور تم جانتے ہو کہ ہوس کی کوئی انتہا نہیں یہ بات میں نے بھی تمہیں سمجھائی۔ علماء بھی مساجد میں تمہیں سمجھاتے ہیں، لیکن کیا مجال ہے کہ تم پر کوئی اثر ہو۔

علمدار نے کہا تھا کہ کرودھ نو مسلمانس پزے

لیکن تم آپس میں غضبناک ہو، غصہ تم لوگوں کو جلد آتا ہے۔ برداشت تم میں ختم ہے، گالیاں بکنا، ہجو کسنا، غیبت تمہاری فطرت بن گئی ہے۔

سنبھلو اور جلد سنبھلو:

شیر کشمیر للتادت مکتاپیڈ، مادرِ مہربان لل دید، بابائے قوم بڈشاہ سلطان زین العابدین کا سلام قبول کرلو۔ **تمہارا اپنا**

شاعر کشمیر، غنی کشمیری

آجا میرے پاس......؟

الہ شہر کے صاحب کا ڈرائیور بلٹ پروف ایمبیسیڈر گاڑی لیکر Convent سکول کے باہر چھٹی ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ اُسے صاحب کی بیٹی کو گھر پہنچانا تھا۔ جو اسکول میں زیرِ تعلیم تھی۔ قریب ہی **کریم ننہ وور** اپنے بیٹے **نبر زومبہ** کے ساتھ جا رہا تھا۔ نبر زومبہ چمچماتی گاڑی دیکھ کر بہت خوش ہوا اور تالی بجائی۔ اس کو اپنے والد نے بتایا تھا کہ ٹیکس ایمانداری سے ادا کرنا چاہئے کیونکہ اسی ٹیکس کے پیسے سے سرکار کا کاروبار چلتا ہے۔ نبر زومبہ کو یہ بھی معلوم تھا کہ اس کا والد کریم ننہ وور بھی طرح طرح کے بالواسطہ اور بلا واسطہ ٹیکس ادا کرتا ہے۔ نبر زونبہ سکول کے باہر سرکاری گاڑی دیکھ کر خوش ہو گیا کہ کتنی شان سے کاروبار سرکار چل رہا ہے۔ ستم ظریف بھی وہاں کھڑا تھا۔ اور اسکو خیال آیا کہ گاڑی کے ڈرائیور کا کیوں نہ انٹرویو لیا جائے۔ ڈرائیور بھی اس شرط پر انٹرویو دینے پر راضی ہو گیا کہ اسکا اصل نام اور گاڑی کا نمبر شائع نہ کیا جائے۔

ستم ظریف : تمہارا نام کیا ہے؟

ڈرائیور : جی میرا نام ووستہ گٹہ کار ہے۔

ستم ظریف : کتنی دیر سے نوکری کر رہے ہو؟

ووستہ گٹہ کار : جناب میں تیس برسوں سے ملازم ہوں۔

ستم ظریف : بڑے صاحبوں کے نام بتاؤ جن کے ساتھ آج تک ڈیوٹی دی ہے؟

ووستہ گٹہ کار : جناب لاتعداد وزراء کے ساتھ Duty دی ہے۔ ان میں وزیر طوفان، وزیر چنگ ورباب، وزیر ہریسہ، وزیر تقریر، وزیر تالی بجاؤ، وزیر عصمت لوٹو، وزیر Catch & Kill، وزیر ہڑتال، وزیر ووٹ دو، وزیر کرفیو، وزیر لوٹ کھسوٹ، وزیر وازہ وان وغیرہ۔

ستم ظریف : اچھا حاکموں کے نام بتاؤ جن کے ساتھ کام کیا ہے؟

ووستہ گٹہ کار : جناب شاہی پیر، شاہی داروغہ، شاہی امام، شاہی ساقی، شاہی کوتوال، شاہی محاسب، شاہی آشپاز، شاہی قاضی، شاہی دلال، شاہی ڈاکو اور شاہی دوث۔

ستم ظریف : آج جس حاکم کے ساتھ ہو یہ کون ہے؟

ووستہ گٹہ کار : جناب یہ شاہی خاکروب کی گاڑی ہے جو اقوام متحدہ نے ایک خصوصی پروگرام کے تحت غریب ممالک میں صحت وصفائی کا جائزہ لینے کے لئے شاہی سرکار کو دی ہے۔

ستم ظریف : ڈیوٹی پر کب پہنچتے ہو؟

ووستہ گٹہ کار : جناب صبح 8 بجے کے آس پاس صاحب کے گھر پہنچتا ہوں اور کبھی صبح چار بجے ہی پہنچتا ہوں تاکہ صاحب کی ساس نماز فجر مخدوم صاحبؒ میں ادا کر سکے۔

ستم ظریف : اچھا یہ بتاؤ صاحب کے گھر پر پہنچنے کے بعد کیا کرتے ہو۔

ووستہ گٹہ کار : پہلے میں صاحب کے بچوں کو سکول لیجاتا ہوں۔ اسکے بعد بیگم صاحبہ کے بھائی کے گھر جا کر انکے بچوں کو سکول لے جاتا ہوں۔

ستم ظریف : پھر؟

وابستہ گٹہ کار : پھر صاحب کو دفتر چھوڑ کر واپس گھر آتا ہوں۔ پھر بیگم صاحبہ پھل فروٹ اور سبزی وغیرہ لانے بازار جاتی ہیں اور بس۔

ستم ظریف : اسکے بعد؟

وابستہ گٹہ کار : پھر صاحب کے وزیر کے پاس جاتا ہوں اور ان کی ساس کو ڈاکٹر ناستی کے پاس لے جاتا ہوں۔ ڈاکٹر ناستی آنکھوں کا معائینہ مکمل کرتے ہیں تو میں بڑی بیگم صاحبہ کو گھر لیکر آتا ہوں۔

ستم ظریف : اور پھر؟

وابستہ گٹہ کار : پھر بیگم صاحبہ کو فقیرِ خدا کے ڈیرے پر لیجاتا ہوں تاکہ صاحب کو ایک اور ترقی مل سکے۔

ستم ظریف : پھر صاحب کہاں جاتے ہیں؟

وابستہ گٹہ کار : جناب اس راز سے پردہ ہٹاتے ہوئے مجھے شرم بھی آتی ہے اور خوف بھی محسوس ہوتا ہے۔

ستم ظریف : کس چیز کا خوف؟

وابستہ گٹہ کار : جناب اگر میں نے یہ راز کھول دیا تو صاحب پستول بردار کے ذریعہ میرا کام خلاص کر دینگے۔

ستم ظریف گھبرا گیا اور حوصلہ کر کے بولا۔

کیا صاحب کا پستول بردار سے رابطہ ہے؟

وابستہ گٹہ کار : جناب جمعیت الطّوفان سے لیکر ویشولبہ کول پریشد اور LTTE سے لیکر راجستھان کمانڈوز فورس تک سب کے ساتھ صاحب نے اچھی تعلقہ داری رکھی ہے۔

ستم ظریف : اچھا صاحب گاڑی میں بیٹھے ہوتے ہیں تو Mobile پر کسی سے بات کرتے ہیں؟

ووستہ گٹہ کار : ہاں صاحب وہ اپنی PA کو صفائی وغیرہ کے بارے میں کچھ کہتے رہتے ہیں۔

ستم ظریف : کونسی صفائی؟

ووستہ گٹہ کار : صاحب میں سمجھ نہیں سکا۔ صاحب صفائی کئی طرح کی ہوتی ہے۔

ستم ظریف : اچھا کبھی تمہارا Moticn ٹوٹ گیا؟

ووستہ گٹہ کار : جی روز ٹوٹ جاتا ہے۔

ستم ظریف : پھر کیا کرتے ہو؟

ووستہ گٹہ کار : صاحب سے Voucher پاس کرا کے موشن ٹھیک کرتا ہوں۔

ستم ظریف : صاحب کبھی ریاست میں صحت وصفائی کے معاملات کا جائزہ لینے جاتے ہیں؟

ووستہ گٹہ کار : ہاں صاحب روز تو جاتے ہیں...... پیٹرول کس بات پر خرچ ہوتا ہے۔

ستم ظریف : لیکن تم دن بھر ان کے ذاتی کام میں مشغول رہتے ہو۔

ووستہ گٹہ کار : صاحب کس نے کہا ذرا Log book کا جائزہ لے لیں۔ صاحب کی PA ان معاملات میں بہت ہنر مند ہے۔ وہ صاحب کے نجی معاملات کو سرکاری کھاتے میں Adjust کرنے میں بہت ماہر ہے۔ صاحب وہ تو ہر فن مولا ہے۔ دن میں چار بار وہ اپنے دانتوں کا پیسٹ اور ماؤتھ واش کرتی ہے۔

ستم ظریف : کونسا Paste استعمال کرتی ہے؟

دوستہ گٹہ کار : جناب Pepsodent کا منہ کی بدبو ہٹاؤ والا Pack۔

ستم ظریف : اچھا اتوار کو کیا کرتے ہو؟

دوستہ گٹہ کار : جناب صاحب کے بچوں بیگم صاحبہ اور ان کی سالی ساس کو نشاط شالیمار باغ میں چھوڑ کر واپس آ جاتا ہوں۔ پھر صاحب کو وزیر کی کوٹھی پر لے جاتا ہوں۔ پھر صاحب وزیر کو سلام عرض کر کے، کورنش بجا کے، صاحب کے بیٹے کو لیکر آتے ہیں اور میں اسکو ڈرائیونگ کے رموز واسرار سکھاتا ہوں۔

ستم ظریف : تمہیں شرم نہیں آتی سرکاری خرچہ وسرکاری ذرالیعہ سے اور سرکاری وقت میں غیر سرکاری کام کرتے ہوئے؟

دوستہ گٹہ کار : نہیں آتی، میری برادری کے باقی لوگ بھی تو دن بھر یہی کرتے رہتے ہیں۔آپ نہیں دیکھتے ، Burn Hall، Biscoe، Convent سکولوں کے باہر صاحب لوگوں کی گاڑیاں بچوں کے چھٹی ہونے کے انتظار میں کھڑی رہتی ہیں۔

ستم ظریف : تم کو ویجی لنس والے نہیں پکڑتے؟

دوستہ گٹہ کار : جی نہیں ویجی لنس والوں کے ڈرائیور بھی تو وہی کرتے ہیں؟

ستم ظریف : اچھا یہ بتاؤ صاحب کی گاڑی میں Tape اور Radio لگے ہیں؟

دوستہ گٹہ کار : صاحب اب Tape نہیں MP3 پلیر ہوتا ہے۔

ستم ظریف : وہ کیا سنتے ہیں؟

دوستہ گٹہ کار : جناب طرح طرح کے گانے سنتے ہیں۔

ستم ظریف : کوئی گانا یاد ہے؟

ووستہ گٹہ کار : جی ہاں ایک گانا یاد ہے۔ رات اکیلی ہے بجھ گئے دیپ آجا میرے پاس کانوں میں میرے...... جو بھی چاہئے کہیے ...... جو بھی چاہئے...... ک ...... ہِ...... یے

جناب پچھلے دنوں شوپیان گئے تھے۔ صحت وصفائی کے معاملات کا جائزہ لینے اس وقت بھی صاحب یہ گانا سنتے رہے۔

ستم ظریف : اوہ...... تمہارے صاحب کو معلوم نہیں کہ وہاں کتنی بڑی المناک واردات ہوئی ہے۔ اسکا دل نہیں بیٹھا...... سینہ نہیں پھٹا...... برین ہیمرتیج نہیں ہوا صاحب کا؟

ووستہ گٹہ کار : جی نہیں اس کے کان پر جوں تک نہیں رینگی۔ البتہ ایک مچھر گاڑی میں گھس آیا تھا۔ صاحب نے مچھر کو دونوں ہاتھوں کے بیچ تالی بجا کر چٹاخ سے ختم کر دیا۔

ستم ظریف : اوہ اتنا سنگ دل ہے صاحب!

ووستہ گٹہ کار : نہیں جناب سنگدل نہیں ہے وہ کہتا ہے یہ عام معاملہ ہے...... کیونکہ اس کے اور اسکے دوستوں کیلئے ایسے معاملات عام ہیں۔

ستم ظریف : اس میں غیرت نہیں؟

ووستہ گٹہ کار : صاحب غیرت ہوتی تو کب کا استعفیٰ دے دیا ہوتا۔

ستم ظریف انٹرویو ختم کر کے تیز تیز توبہ تقصیر کرتے ہوئے گھر لوٹا۔ اس کے لبوں پر دُعا تھی یا الٰہی زمین پر تیرے نائب کہاں سے کہاں پہنچ گئے ہیں۔ یہ نیابت واپس لیجئے اور معاملات براہِ راست اپنے ہاتھوں میں لیجئے۔ اس بستی کے صرف آپ ہی حافظ ہیں۔

قراقل بردار

سرڈھانپنے کے پہناوے کوٹوپی کہا جاتا ہے۔ٹوپی پہننا بعض اوقات ضروری ہوتا ہے۔مثلاً مذہبی فریضے ادا کرتے وقت۔دولہا بننے کے وقت بھی سر پر صافہ پہننا لازمی ہے جونائی کی دوکان پر کرایہ پر ہر وقت دستیاب رہتا ہے۔اور ایک صافہ سینکڑوں دولہوں کے کام آتا ہے۔لیکن ٹوپی کرایہ پر نہیں ہوتی بلکہ خود خریدنی پڑتی ہے۔یعنی دوستی پکی خرچہ اپنا اپنا۔ٹوپی اپنی کھوپڑی کو سردی گرمی سے بچانے ،عزت وآبرو میں اضافہ کرنے یا پھر Copper Head کو چھپانے کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔ٹوپیوں کی درجنوں اقسام ہیں اور اسکے عاشقوں کی اقسام بھی درجنوں ہیں۔خاص خاص ٹوپیوں میں تاج، Helmet ،قراقلی ٹوپی مست گل ٹوپی، Hat ،گاندھی ٹوپی، Pick ،زڈی بلی ٹوپی وغیرہ وغیرہ شامل ہیں۔اس کے علاوہ صافے ،عمامے، دستار اور پگڑیاں بھی استعمال ہوتے ہیں۔خواتین کشمیر اپنا رتبہ بڑھانے کے لئے کسابہ اور دجی کا استعمال کیا کرتی تھیں۔خواتین کا Head Cover تو کب کا ہانگل کی طرح نایاب ہوگیا۔لیکن مردانہ ٹوپیاں ابھی تک رائج ہیں۔کبھی احمد کی ٹوپی محمود کے سر پر رکھی جاتی ہے تو معاملہ نازک ہو جاتا ہے۔ٹوپیوں کی خاص خاص قسمیں یوں ہیں۔

تاج یعنی Crown: کشمیر میں پہلے سلاطین کشمیر سر پر رکھتے تھے لیکن آج کے بادشاہ بے تاج ہیں۔ مطلب یہ کہ بادشاہوں کی طرح سوچتے، بادشاہوں کی طرح رہتے گھومتے کھاتے پیتے ہیں۔ بادشاہوں کی طرح ہی ولی عہد مقرر کرتے اور اس کی جانشینی کا نبدوبست کرتے ہیں۔ لیکن تاج کیوں نہیں پہنتے۔ اس راز سے ابھی تک کوئی واقف نہیں ہوسکا۔

قراقلی ٹوپی: یہ ٹوپی کشمیر میں بکثرت استعمال ہوتی ہے۔ شالی سٹور کے حمال سے لیکر سیاست کے ماؤنٹ ایورسٹ تک سبھی اسکا استعمال کرتے ہیں۔ البتہ اس بات کا ابھی تک فیصلہ نہیں کیا جاسکا کہ کس کی قراقلی اصلی ہے اور کس کی نقلی۔ کیونکہ کرگس اور شاہین کی طرح دور سے دونوں ایک جیسے لگتی ہیں۔ یہ ٹوپی انسان کی وہ قسم بھی استعمال کرتا ہے جو حقیقتاً بے کلاہ ہوتا ہے۔

یہ جب مندر جاتا ہے تو گاندھی ٹوپی مسجد میں جناح ٹوپی میخانہ میں Hat گالف کورس میں Pick استعمال کرتا ہے۔ کبھی ترنگ میں آکر کسی میلہ ٹھیلہ میں پگڑی ڈال کر بھانگڑا کرتا ہے اوئے بلے...... بلے اوئے...... کبھی کسی درگاہ پر خدام کو مایا کے درشن کرا کر اپنی دستار بندھی کراتا ہے۔ اور خدام بھی مفت کا مال سمجھ کر اس کی دن دھاڑے ہی دستار بندی کر ڈالتے ہیں۔ درجنوں اقسام کی ٹوپیاں استعمال کرنے کے باوجود یہ آدمی بے کُلاہ ہی رہتا ہے۔

عام طور پر قراقل ٹوپی جاہل عالم، عامل معمل، رندوزاہد بلالحاظ سماجی اقتصادی رتبہ پہنتے ہیں۔ جاہل جب پہنتا ہے تو واہ واہ عالم دکھائی پڑتا ہے۔ ہائے ہائے جب قارون اپنے سر پر سجاتا ہے تو حاتم طائے کو بھی شرمندہ کرتا ہے۔ جب رند پہنتا ہے تو جنم جنم کا زاہد لگتا ہے۔ لیکن شعر سنانا پھر بھی نہیں بھولتا۔

میں کوئی رند نہیں اس لئے پیتا ہوں شراب
انکی صورت نظر آتی ہے پیمانے میں

جام تھکانے لگے اڑ گئی بوتل سے شراب

بے وضو آ گیا شاید کوئی میخانے میں

یہ ٹوپی Sex سکینڈل والے، راشن سکنڈل والے، میونسپل سکینڈل والے کو آپریٹیو سکنڈل والے، رورل ڈیولپمنٹ سکنڈل والے، ہاؤس بوٹ سکنڈل والے کچھ زیادہ ہی پہنتے ہیں۔ یہ ٹوپی پہنکر ایک عادی مجرم کے عیب چھپ جاتے ہیں اور وہ بے حد پاکیزہ نظر آنے لگتا ہے۔ خدا جانے اس قراقل ٹوپی میں یہ تاثیر کہاں سے آ گئی۔

مست گل ٹوپی: اس ٹوپی کا بھی کچھ عرصہ قبل وادی میں چلن ہوا۔ کس معرکہ میں شہید ہوئی اور کونسے قبرستان میں دفن کی گئی۔ ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا۔

Hat: کتاب میں پڑھا ہے کہ جب انگریز لوگ Hat پہنکر سرینگر کے فتح کدل علاقہ میں گئے تو لوگ گھروں میں چھپ گئے۔ کشمیر میں اس کا زیادہ رواج نہیں ہو سکا۔ کیونکہ انگریز جب Hat ڈالتا ہے تو پھر اسکا Behaviour بھی Gentleman جیسا ہوتا ہے۔ اور اپنے یہاں کے ٹوپی پہننے والے Gentlemen تو ہیں ہی نہیں، تو Behaviour کہاں سے لائیں گے۔ Hat ڈالکر کہیں Expose نہ ہو جائیں اس ڈر سے Psedu جنٹلمین نے یہ ٹوپی پہننے کا Risk نہیں لیا۔ کیونکہ بقول بھگت کبیر

گُن مٹے ابگھن مٹے، مٹے کرم کا لیکھ

کہت کبیر سنو بھائی سادھو

مٹے ناونش دو یک

Pick: پک ایک ہرجائی ٹوپی ہے۔ مغرب میں عام طور پر جواں پود پہنتی ہے۔ لیکن اپنے یہاں زمان و مکان کی قید سے آزاد ہے۔ شاعر بھی پہنتا ہے اور ہریسہ زعفرانی

بنانے والا بھی۔ لیکن جانے سیاستگر کیوں نہیں پہنتا سوائے ایک کے جسے سب جانتے ہیں اور جس کی یاد میں سارے کشمیری الاپتے رہتے ہیں۔

اَسِ ہائے دراوٗ کونگہ منزہ رونگ لولو

ونی کرہ پارلیمنٹس منز جنگ لولو

زڈی بلی ٹوپی: اسے ژُکھانٹل ٹوپی بھی کہتے ہیں۔ یہ اصل کشمیری ٹوپی ہے اور یہی ٹوپی پہننے والا ہر دور میں زیر عتاب رہا۔ مقامی بادشاہوں، مغل، افغان، سکھ اور ڈوگرہ ادوار میں یہ ٹوپی پہننے والے کو پامال کیا گیا۔ جدید دور میں بھی اسی بیچارے کو عزت و آبرو تعمیر و ترقی رائے شماری، ہیلنگ ٹچ، اٹانومی، سیلف رول وغیرہ وغیرہ کے سپنے دکھائے جاتے ہیں اور یہ سادہ لوح ایک دم جھانسہ میں آکر اپنی پوٹلی رنگے سیار کے حوالہ کرتا ہے۔ پھر رنگا سیار اس پوٹلی سے اپنے اور اپنی اولاد کیلئے صدارت، وزارت، میئرشپ وغیرہ کے لباس سلواتا ہے اور بیچارہ ژُکھانٹل عریان ہوکر رہ جاتا ہے۔ اسی ژُکھانٹل کی اولاد مزاروں میں دفن، تعذیب خانوں میں پابند سلاسل رہتی آئی ہے اور سادہ لوحی کے سبب آگے بھی رہتی رہیگی۔ اسی ژُکھانٹل کے اولاد کے خون پسینے کی سیاستگر خرید وفروخت کرتے ہیں اور دور جدید کے سکھ مغل افغان دور کے نمائندوں کی اولادیں اسی کے خون پسینے سے اپنے تخت طاؤس میں ہیرے موتی کا جڑھاؤ کراتے ہیں۔ قراقلی والا بھی اسی ژُکھانٹل پر سوار ہوتا ہے، جس سے اس کی قراقل میں زیادہ چمک پیدا ہوتی ہے۔ ژُکھانٹل کو اس سورج کے طلوع کا انتظار ہے جو اسے قراقل Pick برداروں سے نجات دلا سکے۔ اسے اس عمامہ بردار کا انتظار ہے جو اس کی صدیوں سے طاری سیاہ رات کو روشن کرے۔

قادر ویراپن

فرد اور قوم جب معدہ سے سوچنے لگتے ہیں تو متاعِ دل لٹ جاتی ہے۔ عرفان و علم کی شمع گل اور جہلت و تکبر اور ہوس کے شعلے بھڑک کر قوموں کی اثاثِ کل خاکستر کر دیتے ہیں۔

جنگلات والے اگر سچ کہہ رہے ہیں تو صرف بڈگام علاقہ میں ہی گذشتہ پندرہ مہینوں کے دوران جنگل سمگروں سے 3000 گھوڑے، ایک سو آٹھ گاڑیاں اور 25000 مکعب فٹ لکڑی ضبط کی گئی ہے اور جو گھوڑے اور گاڑیاں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئیں ان کی تعداد کتنی ہوگی! دل والے تو شیر کشمیر للتا دتیہ مکتا پیڈ کی شکل میں کشمیری لشکر گھوڑوں پر سوار کر کے بنگال تک اپنا علم بلند اور بابائے قوم بڈشاہ سلطان زین العابدین بنکر راجوری بھمبر علاقے فتح کر آتے تھے۔ اپنے یہاں جانے کیوں ہر چینی کا منفی استعمال ہوتا ہے۔ موبائیل ہاتھ لگا تو پیام رسانی میں لگا دیا۔ پیسہ ہاتھ آیا وازہ وان شروع کیا، طاقتِ گفتار ملی تو قوم کو گمراہ کرنے میں صرف ہوئی۔ جنگل ملے تو لوٹ شروع کرنے کا فیصلہ کیا۔ ستم ظریف کو جنگل چور سے ملاقات کرنے کا شوق ہوا۔ جنگل سمگلر کی تلاش میں صحراؤں کی خاک چھاننے لگا لیکن اس Invisibile مخلوق کا دیدار نہیں ہو سکا۔ ستم ظریف نے تلاش جاری رکھی۔ پولیس تھانوں میں، سنٹرل جیلوں میں، جنگلوں میں اس کو تلاش کیا لیکن Disappeared Person کی طرح وہ کہیں نہیں تھا۔ لیکن ایک دن مشکل حل ہو گئی۔

جنگل سمگلر وزیر جنگلات کے گھر کی گلی میں مل گیا ستم ظریف کو فوراً غالبؔ چچا یاد آگئے جو فرما گئے ہیں۔

ہاں میخانہ کا دروازہ اور کہاں واعظ غالبؔ
پر اتنا جانتے ہیں کہ کل وہ جاتا تھا تو ہم نکلے

ستم ظریف نے اسے آواز دی وہ رک گیا۔ ستم ظریف نے مدعا بیان کیا تو سمگلر بھی اکڑ کر تن گیا اور ببانگِ دہل انٹرویو دینے پر تیار ہو گیا اور ساتھ ہی چیلنج بھی دیا کہ ہے کوئی مائی کا لال جو اس کے نتھنوں کا بال بھی بیکا کر سکے۔

ستم ظریف : کیا نام ہے؟

جنگل سمگلر : مجھے حاجی قادر ویراپن کہتے ہیں۔

ستم ظریف : کب سے یہ کام کرتے ہو؟

قادر ویراپن : جناب جب سے نیا کشمیر کے منشور پر عمل شروع ہوا۔

ستم ظریف : تمہیں شرم نہیں آتی جنگل لوٹتے ہوئے؟

قادر ویراپن : جناب میرا بھی معدہ ہے۔ سیاست گھروں اور پولیس اہلکاروں کی طرح اور پاپی معدہ کیلئے تو سب کچھ کرنا جائز ہے۔ Every thing is fair in Stomach and War۔

ستم ظریف : تمہیں پولیس نہیں پکڑتی؟

قادر ویراپن : جناب انکا بھی معدہ ہے۔ یہ تو معدہ کا ہی اعجاز ہے کہ قاتل، لٹیرے کار چور، سیلز ٹیکس چور، ووٹ چور، کام چور، نلکہ چور، تار چور تک ان کے ہاتھ نہیں آتے۔

ستم ظریف : باقی حاکم بھی تو ہیں تمہیں پکڑنے کیلئے......وہ کیا کرتے ہیں؟

قادر ویراپن : وہ ڈاکٹر اقبالؒ کا شعر الٹ کر پڑھتے ہیں۔

شکم کی آزادی شہنشاہی دل سامان موت
فیصلہ تیرے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم

اب ٹاسک فورس، تحصیلدار، پٹواری، نمبردار، بانکا سپاہیا جی اور کوتوال جی بھی معدہ لئے میرے پیچھے پیچھے لانگ مارچ کرتے ہیں۔

ستم ظریف : فارسٹ پروٹیکشن فورس والے بھی کچھ نہیں کہتے؟

قادر ویراپن : جناب وہ بھی اہل معدہ میں سے ہیں۔ کسی کو شک نہ ہو......لہٰذا ان کو سمگل مال کا ایک فیصد پکڑنے کی ہم نے اجازت دے رکھی ہے۔ البتہ صرف گھوڑا پکڑنے کا اختیار ہے۔ انسان نہیں؟۔

ستم ظریف : اور کیا کرتے ہو؟

قادر ویراپن : جناب لال کانفرنس کا حلقہ پریذیڈنٹ ہوں، جب سبز پارٹی والے کرسی ہتھیا لیتے ہیں تو اس پارٹی میں شامل ہوتا ہوں اور جب رنگارنگ والے کشمیر کی تقدیر کے مالک بنتے ہیں تو ان کے رنگ میں رنگ جاتا ہوں۔

ستم ظریف : ان پارٹیوں کے جنرل سیکریٹری اور صدور صاحبان بھی تجھے نہیں ٹوکتے؟

قادر ویراپن : جناب وہ تو جنم جنم کے پیٹو یعنی اہل معدہ ہیں۔ اور پھر پارٹی فنڈ کو بھی تو زندہ رکھنا ہے۔

ستم ظریف : کتنے پیڑ کاٹتے ہو؟

قادر ویراپن : ہر سمگلر ہفتہ میں کم از کم ایک دیودار کو تو شہید کر ہی ڈالے گا۔

ستم ظریف : ریاست میں کتنے جنگل سمگلر ہیں؟

قادر ویراپن : جناب چالیس لاکھ وہ بھی ہیں۔

ستم ظریف : اتنے پیسے کا کیا کرتے ہو؟

قادر ویراپن : جناب ڈل جھیل کے ہاؤس بوٹ میں یادِ معدہ اور بادِ عشق کے مرغولے چھوڑتا ہوں۔

ستم ظریف : تجھے خدا کا خوف نہیں؟

قادر ویراپن : جناب کلمہ پڑھتا ہوں، نماز روزہ، زکوۃ، حج پر عمل کرتا ہوں۔ اللہ کے پانچوں کام کرتا ہوں۔ پھر ڈر کس بات کا۔

ستم ظریف : کورٹ کچہری سے نہیں ڈرتے؟

قادر ویراپن : جناب وکیل مستقل ملازم اور اہل معدہ میں سے ہے۔ لہٰذا انتظام در انتظام ہے، اٹانومی بھی ہے اور سیلف رول بھی اور پھر قانون کی زبان میں ایک شعر عرض کرتا ہوں۔ اگر آپ بھی اہلِ معدہ میں سے ہیں تو اہلِ معدہ کو اشارہ ہی کافی ہوتا، Miss call کی طرح۔

بنے ہیں اہل ہوس مدعی بھی منصف بھی
نہ وکیل کی حاجت ہے نا ہی منصفی کی ضرورت

ستم ظریف : تم آخر خود کو چھپانے میں کیسے کامیاب رہتے ہو؟

قادر ویراپن : خواجہ خضر کی وجود پوشیدہ کر دینے والی ٹوپی اور Mr India فلم کے ہیرو کی انسان غائب کر دینے والی گھڑی رات دن پہنے ہوئے رکھتا ہوں۔ میں کسی کو نظر نہیں آتا اور مجھے سب نظر آتے ہیں، لہٰذا اہل معدہ تو مجھے کبھی نہیں پکڑ سکتے۔ البتہ اہل نظر اور اہل دل اگر ہوں تو سات پردوں سے کھینچ نکال باہر کر سکتے ہیں۔ اتنی دیر میں کوئی نوجوان گنگناتے ہوئے قریب سے گذر گیا۔ لے جائیں گے نے جائیں گے معدہ والے دلہنیاں لے جائینگے۔

انٹرویو ختم ہو گیا اور قادر ویراپن روپہ ون کی طرف ایک اور دیوار خلاص کرنے کیلئے Bolero گاڑی میں اور ستم ظریف اپنا زخمی دل لیکر ڈیرے روانہ ہو گیا۔

چاندی ہی چاندی

قوم کو مستی میں رکھنے اور دنیا کی رنگینیوں سے لطف اندوز ہونے کے لئے جگہ جگہ گھومنے جانے کو دورہ کرنا کہتے ہیں۔ دورہ کی کئی قسمیں ہیں مثلاً۔ دل کا دورہ، مرگی کا دورہ، خون کا دورہ، وزیر کا دورہ۔ دوروں کی شروعات اس وقت سے شروع ہوئیں جب Local سیاست کار مہاراجہ کے سنگھاسن پر تشریف فرما ہوا۔ شخصی راج کے دوران لگے جذباتی اور روحانی زخموں پر پھاہار رکھنے کے لئے سیاستگر کو حکومت کی ذمہ داریاں سونپی گئیں۔ لیکن وائے قسمت! کشمیری سیاستگر اسے ذمہ داری کے بجائے حق سمجھ بیٹھا اور اس حق کے تمام حقوق اپنے اور اپنے کنبے کے نام کر ڈالے اور یوں اس کے دوروں کی شروعات ہو گئیں۔ اس نے طرح طرح کے دورے کرنے شروع کئے۔ جن میں چند کا مختصر تعارف یوں ہے۔

اپنی شان بڑھاؤ دورہ: اس دورہ کے دوران وہ سیاہ اچکن سفید شلوار اور سر پر قراقل ٹوپی ڈال کر یہ دورہ کیا کرتا ہے۔ اس دورہ کے دوران فوٹو گرافر اس کے ساتھ رہتا ہے جو جہاز پر چڑھتے اترتے کچھ کچھ سیاستگر کی تصویریں کھینچتا ہے۔ اور اخباروں کو برائے پبلسٹی روانہ کرتا ہے۔ یہ دورہ اکثر دلی کا کیا جاتا ہے۔ دلی میں قیام کے دوران سیاستگر اپنی اولاد کیلئے بڑی سی نوکری اپنے اقتدار کو دوام بخشنے، تجارت کے مواقع تلاش کرنے کے لئے بڑی تگ و دو کرتا ہے۔ طرح طرح کے لوگوں کی منتیں کرتا اور پاؤں پکڑتا ہے۔ واپس آ کر

سرینگر کے ہوائی اڈہ سے باہر نکلتے ہی دلی اور دلی والوں کیخلاف دھواں دار بیان جاری کر کے عوام کو خوش کرتا ہے۔ اس دورہ سے سیاستگر کی دلی اور سرینگر دونوں جگہوں پر شان بڑھتی ہے۔ اسی لئے اس دورہ کو اہلِ نظر نے اپنی شان بڑھاؤ دورہ کہا ہے۔

فارن دورہ: اس دورہ میں سیاستگر اپنے بوسیدہ اعضا کی مرمت کراتا ہے۔ کبھی جنیوا تو کبھی فرانس، کبھی لندن تو کبھی نیویارک کے ہسپتالوں میں سرکاری خرچ پر اپنے انگ انگ کی مرمت کراتا اور خفیہ بیماریوں کا علاج کراتا ہے۔ اپنی فیملی والوں کے لئے طرح طرح کا سامان خریدتا اور دوستوں کیلئے Latest میوزک البم لاتا ہے۔ دورہ کو سیاحت کی انڈسٹری کو "ووتہ بو" دینے کا نام دیکر خرچہ سرکاری خزانہ سے حاصل کرتا ہے۔ عوام کو اس دورہ کے طفیل اگلے برس بیرونی سیاحوں کے جوق در جوق، ریوڑ در ریوڑ اور جھنڈ در جھنڈ وارِدِ وادی ہونے کا مژدہ سناتا ہے۔ اور عوام بھی یہ غضب کی خبر بے بنیاد سن کر خوش ہو کر جمورے کی تالیاں بجاتے ہیں اور سیاحوں کے وارِدِ وادی ہونے کے انتظار میں محو ہو جاتے ہیں۔ اچانک اونگھ اس وقت ٹوٹ جاتی ہے جب Task Force والا اس پر ڈنڈے برسانے لگتا ہے۔ لندن، نیویارک اور Task Force جب ایک ہی جگہ جمع ہو کر عوام کو چمتکار دکھاتے ہیں تو عوام کو چاروں طرف فارن ہی فارن نظر آتا ہے۔ لہٰذا فلسفیوں نے اسے دورۂ فارن کا نام دیا ہے۔

Textile انڈسٹری کو فروغ دینے کا دورہ: سیاستگر ریاست میں نابود ٹیکسٹائیل انڈسٹری کو حیات نو بخشنے کے لئے بھی دورہ کرتا ہے۔ اس دورہ کے دوران وہ ممبئی، سورت، پٹیالہ بھی جاتا ہے اور اس بہانہ وہاں چوری چھپے کھڑی کی ہوئی جائیدادوں کی دیکھ ریکھ کرواتا اور ان کی توسیع کے مواقع تلاش کرتا ہے۔ زیورات بنانے کی فیکٹری لگواتا، کالج قائم کرتا اور اپنی آمدن کے ذرائع بڑھانے کے دیگر طریقے تلاش کرتا ہے۔ عوام ریاست میں ٹیکسٹائیل صنعت قائم ہونے کی بات سُن کر بہت خوش ہوتے، سر دُھنتے اور Dance کرتے ہیں۔ اور شیخ چلی کی خیالی جنت میں داخل ہو کر مست ہو جاتے ہیں۔ ان کی مستی اس

وقت ٹوٹ جاتی ہے جب کشمیر پولیس والا CRPF کے ساتھ ملکر اسکے گھر کے در و بام تہس نہس کرتا اور اس کے کپڑے پھاڑ کر بچی کچھی زچہ اسکے حوالہ کرتا ہے۔ چونکہ اس دورہ کے بعد عوام Textile کے زچہ بَن جاتے ہیں لہٰذا اہلِ خرد نے اسے ٹیکسٹائیل دورہ کا نام دیا ہے۔

نزلہ زکام دورہ: سیاست گر جب زیادہ بیمار ہوتا ہے تو وہ فوراً فارن کا رُخ کرتا اور نیویارک میں زُکام کا علاج کرواتا ہے۔ واپس آ کر سرکاری خزانہ کو پچیس لاکھ روپے کے خرچہ کا بل بھیجتا ہے۔ خزانہ والے یہ کہکر بل واپس کرتے ہیں کہ زُکام کا علاج اس ملک میں بھی موجود ہے۔ لہٰذا اس بل کو Cash نہیں کیا جاسکتا ہے۔ سیاستگر ملک میں ہی زکام کا علاج موجود ہونے کی اطلاع سُن کر مایوس ہو جاتا ہے۔ پھر سر ہلا ہلا کر عوام کی بے وقوفی پر احتجاج کرتا ہے اور حیران ہو جاتا ہے کہ جب عوام کو زُکام ہو جاتا ہے تو وہ کیوں علاج کرانے فارن نہیں جاتا ہے۔ وہ یہ سنکر تعجب میں محو ہو جاتا ہے کہ سلطانی جمہور کے اس زمانہ میں یہ لذت صرف سیاستگر ہی اٹھا سکتا ہے۔ اس کی محویت اس وقت ٹوٹ جاتی ہے، جب افسرِ خزانہ بہ نفسِ نفیس خود ہی پچیس لاکھ روپے سیاہ بریف کیس میں بھر کر سیاست کار کے سامنے پیش کرتا ہے اور یوں اپنی اگلی ترقی کا انتظام کرتا ہے۔ چونکہ یہ دورہ بنیادی طور پر نزلہ زکام سے چھٹکارا پانے کیلئے کیا گیا تھا۔ لہٰذا اہلِ دانش نے اسے نزلہ زکام کے دورہ کا نام دیا ہے۔

وادی میں سرمایہ کاری کا دورہ: 47ء سے ہی وزرائے اعلیٰ و خزانہ سرمایہ کاروں کو ریاست میں سرمایہ کاری پر آمادہ کرنے کیلئے دورے کرتے آئے ہیں۔ اس دورہ کے دوران مرغ و ماہی تناول اور جام ساقی بڑے ہی رنگین ماحول میں نوش کئے جاتے ہیں۔ Salmon مچھلی کوریا کے آشپازوں کے ہاتھ سے پکائی نہایت نزاکت سے تناول کی جاتی ہے۔ Polar لومڑی کو شراب میں پکا کر تیار کرنے کی Dish بھی بڑے چاؤ سے کھائی جاتی ہے۔ دوروں کی تعداد جتنی زیادہ بڑھتی ہے سرمایہ کار اتنی ہی تیزی سے وادی چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ وادی اس وقت جتنی بے سرمایہ ہے شاید اپنی تواریخ میں اس سے زیادہ بے سرمایہ کبھی نہیں تھی۔ یہ گٹھ کار دیکھ

کر ماہرین اقتصادیات نے اس دورہ کو سرمایہ کاری کا دورہ قرار دیا ہے۔ اس دورہ کے دوران سیاستگر Swiss بنک میں اپنے خفیہ کھاتے میں رکھی گئی رقومات کو Reconcile بھی کرتا ہے۔

مرگی کا دورہ: کھویا اقتدار واپس حاصل کرنے کیلئے سیاستگر پر اچانک مرگی کا دورہ پڑتا ہے۔ وہ اِدھر اُدھر تقریر کرنے دوڑتا ہے۔ لوگوں سے اپنے نام کی تالیاں بجواتا ہے۔ سر پر دستار بندی کرواتا اور اخباروں میں فوٹو چھپواتا ہے۔ لڑھکتا، مچلتا، پھسلتا، ژھٹہ ژھٹ کرتا ہے۔ اقتدار واپس ملنے کی خوشخبری سنکر پھر ایک دم کھڑا ہو کر کپڑے جھاڑتا ہے اور نہا دھو کر تازہ تازہ Dry Clean کیئے ہوئے کپڑے زیب تن کر کے اقتدار کے راج محل میں جا کر تخت طاؤس پر جا کر بیٹھ جاتا ہے۔ اقتدار کھو جانے کے بعد مرگی کے دورے پڑنے کے آثار ظاہر ہونے کی وجہ سے اس دورہ کو ماہر نفسیات نے مرگی کے دورہ کا نام دیا ہے۔ اس دورہ کی معیاد چھ برس ہے اور ہر چھ برس کے بعد سیاستگر بیچارے پر اس بیماری کا دورہ پڑتا ہے۔

دورہ دل: پہلے عشق مجازی سے عاشق اور معشوق دونوں کے دل، دلِ بیمار کہلاتے تھے۔ عاشق کہتا تھا کہ

دل کے آئینہ میں ہے تصویر یار بس ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

لیکن چونکہ سیاستگر کو کرسی سے عشق ہو گیا ہے، وہی اسکی لیلیٰ، ہیر، عذرا، سوہنی، زلیخا، بلقیس، جولیٹ، ڈلیلہ، ریشما، ہی مال، شیرین ہے۔ اس کے فراق اور ہجر میں اسکے دل کی شریانیں سکڑ جاتی ہیں اور اسکا دل اس طرح دھڑکتا ہے جیسے کوئی لوہار آگ میں تپائے ہوئے لوہے پر ہتھوڑوں کی ضربیں لگاتا ہے۔ کرسی سے ملن کے ساتھ ہی سیاستگر کا دل اپنی حالت میں واپس آتا ہے۔ سیاستگر پھر عوام کو تقریر کے سبز باغ اور اپنے عیال کو نقد نارائن کے جلوے دکھانے میں مصروف ہو جاتا ہے۔ اور ایک دن دل کے بھاری سے دورہ سے دھرتی کا بوجھ ہلکا کرتا ہے۔ دل کے اس کارخانہ کے حیرت انگیز کرتب دیکھ کر ماہرین قلب نے اسے دورۂ دل کا نام دیا ہے۔

مشورے

سماجی دریا کی روانی کو جاری رکھنے کے لئے مشوروں اور نصیحتوں کی لہریں اٹھنا لازمی ہے۔ البتہ اس کیلئے ضروری ہے کہ مشورہ مانگنے والا کوئی تو ہوا۔ مشورہ لیا جاتا ہے دیا نہیں جاتا۔ بن مانگے مشورہ دینے کو C-Grade نصیحت کہتے ہیں۔ اور نصیحت بھی اگر بغیر مانگے کی جائے تو دینے والے کی ذہنی اور اخلاقی حیثیت پر شک وشبہہ ہو جاتا ہے۔ وادی میں ضابطہ داری چونکہ طاق نسیاں پر دھری رکھی ہے لہٰذا مشوروں کے میدان میں بھی فری سٹائیل کشتی لڑی جارہی ہے اور ہر کوئی ایرا غیرا ہر کسی نتھو خیرے کو بلا مانگے فری سیل اور 100% ڈسکاؤنٹ پر مشورے دے رہا ہے۔ مشورہ دینا باعث ثواب ہے اور مشورہ لینا واجب۔ لیکن یہاں بھی ایجاب وقبول کے اصول کا اطلاق ہوتا ہے۔ مولوی معنویؒ کہتے ہیں کہ مشورہ لیا کرو، اگر مشورہ کیلئے کوئی نہ ملے تو کسی عورت یا پھر بچہ سے مشورہ لے لو اور پھر وہ جو کہیں اس کے الٹ عمل کرو۔ مشورہ کرنا جائز ہے۔ فلسفیوں نے کہا ہے اپنے آپ سے، آئینہ سے، دیوار سے، یا اگر کچھ نہ ملے تو اپنی ٹوپی ہی سے مشورہ کرلو۔ کوئی حضرت تو چند قدم آگے گئے اور کہا کہ بن مانگے مشورہ مت دیدو کیونکہ دانا کو ضرورت نہیں اور بے وقوف مانے گا نہیں۔

اس سلسلہ کی تازہ واردات میر صاحب سے سرزد ہوئی ہے۔ انہوں نے بلا مانگے ہی علیحدگی پسندوں کو وزیر اعظم کی بات چیت کرنے کی offer قبول کرنے کا مشورہ

دیا ہے۔ میر صاحب نے بھی دیگر سیاسی بیوپاریوں کی طرح اپنی سیاسی تجارتی فرم نیشنل پارٹی لمیٹڈ کے نام سے قائم کی ہے اوراس کے ذریعہ سیاسی مشوروں کا مال تھوک اور پرچون میں برآمد کررہے ہیں۔ ان دنوں سانحہ شوپیان اور وزیراعظم کی بات چیت آفر کا مال کافی مانگ میں ہے۔ لہٰذا میر صاحب بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے کے بعد اپنا مال فٹافٹ دساور کو برآمد کررہے ہیں۔ وائے افسوس مال کی ڈلیوری لینے کے لئے سامنے کوئی نہیں آیا۔ جب علیحدگی پسندوں سے رابطہ کیا گیا تو انہوں نے کہا ان کے پاس مشورہ کا مال گودام در گودام موجود ہے۔ اسکے علاوہ ان کے پاس مشورہ مینوفیکچر کرنے کی آٹومیٹک ڈیجیٹل مشین پروفیسر اور ۱۸ ہزار فٹ بلندی پر برفانی غار میں رہنے والے شیر ببر انقلابی صاحب ہیں۔ لہٰذا انہیں اس مال کی ضرورت نہیں۔ بلکہ انہوں نے Delivery Man کو درست ایڈریس کی سمت رہنمائی کرتے ہوئے کہا کہ ہونہ ہو انہوں نے یہ مال مفتی خاندان کو روانہ کیا ہے۔ کیونکہ ان کی سنگت میں رہ کر انہوں نے کافی مال اور نام کمایا اور اب نو سے چوہے کھا کر واپس انہی سے ملنا چاہتے ہیں۔ وہ ایام جدائی زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکتے لہٰذا وَرِدھس لاگتھ پڑھس کو کہا ہے کہ علیحدگی پسند یعنی مفتی صاحب اور محبوبہ جی ان سے بات چیت کریں۔

لیکن دوسرے علیحدگی پسند نے اندازہ لگایا کہ ہونہ ہو کابینہ میں وسعت کرنے کا موسم جوبن پر ہے۔ پیڑوں پر وزارت کے آم کی فصل لہلہا رہی ہے اوراس موقعہ پر ذرائع ابلاغ کے ذریعہ اپنی موجودگی ظاہر کر کے اصل میں وہ سونیا جی کو یاد دلا رہے ہیں کہ وہ پرانے کانگریسی ہیں۔ مقامی رنگ میں بحالت مجبوری وقتاً فوقتاً رنگتے رہتے ہیں۔ لہٰذا انہیں بھی وزارت کے آموں کی ایک پیٹی مرحمت کی جائے۔ لیکن ان کے آڑے ڈاکٹر شیخ کمال آرہے ہیں، لیکن اسکے باوجود بھی میر صاحب، سوز صاحب، نذیر صاحب پیرزادہ صاحب، عمر صاحب اور انکے پولیٹکل سیکریٹری کو یاد دلا رہے ہیں کہ

الفت کی نئی منزل کو چلا تو بانہیں ڈال کے بانہوں میں

او جانے والے دیکھ کے چل ہم بھی تو پڑے ہیں راہوں میں

اس مشورہ کا بس اتنا ہی فسانہ ہے کوئی تمہید اور پس منظر یا پیش منظر نہیں ہے۔ لیکن میر صاحب کو معلوم نہیں کہ سائنسی اصولوں کے مطابق ہر Action کا Reaction ضرور ہوتا ہے۔ ان کے بے ضرورت مشورہ دینے کے اس طفلانہ عمل کا ایک Chain Reaction ہوا ہے۔ ان کے سنگھی ساتھی پیر یاسین صاحب، مٹو، عمہ میر تاریگامی وغیرہ چونک اُٹھے ہیں۔ وہ خوف اور گھبراہٹ کا شکار ہو کر اس وہم میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ اگر علیحدگی پسند میر صاحب کا مشورہ مان کر دوڑے دوڑے دلی جا کر وزیر اعظم سے ملاقات کر بیٹھے تو ان کی ساری سیاست دھری کی دھری رہ جائیگی۔ وہ گمنامی کی غار میں دھکیل دیئے جائیں گے جہاں سے پھر کوئی واپس نہیں آتا۔ وہ گمنامی کے اندھیروں میں غرق ہو کر روزی روٹی سے محروم ہونگے۔ پھر ان کے حلقہ پریذیڈنٹ ان کے پوچھیں گے کہ

تمہارا کیا ہوگا کالیا؟

اتنا سوچ کر ان سب کو جھرجھری آگئی وہ تصور میں دیکھ رہے ہیں کہ اس عظیم کارنامے پر سویڈن نے میر صاحب کو نوبل پرائیز سے نوازا ہے۔ کشمیر میں خواتین وطنِ عزیز کے اس فرزند کے کارناموں پر روو گا رہی ہیں۔ عوام ہکہ چی چی کر کر کے جھوم اور ناچ رہے ہیں اور نعرے لگا رہے ہیں۔

اِی کری تِی کرِ میر کری لولو

الہ کرے گا وانگن کرے گا میر کرے گا

نوجوان سڑکوں پر رگڑا رگڑا کا شور مچا کر آوازیں بلند کر رہے ہیں۔

میرِ کشمیر زندہ باد

ایشیاء کا بلند ستارہ میرِ کشمیر ہمارا ہے

میرِ کشمیر کا کیا ارشاد

ہندو مسلم سکھ فساد

پیر، مٹو، عمہ میر اور تاریگامی نے سوچتے ہوئے کہ ایسی واردات نہ ہو۔ میرِ ٹنگمرگ Innitiative چھین نہ لے فوراً یہ کہہ کر اُٹھ کھڑے ہو گئے کہ

اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے

پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

اس سے پہلے کہ میرِ کے لائے ہوئے سیاسی زلزلہ کے ملبے تلے وہ زندہ دفن ہوں۔ انہوں نے مشورہ دینے کی توپ کا دہانہ کھولدیا اور مشوروں کی گولہ باری کرنے لگے۔ ان کا کوئی خاص نشانہ نہیں تھا۔ وہ اندھا دھند چاروں طرف گولہ باری کر رہے تھ اور ساتھ میں چیخ بھی رہے تھے۔

لیس یئ تس یئ سرکاًری مہاراج صاًبنٛ ذمہ دارۍ

موسم

وادی زلزلہ کے لحاظ سے Red Zone میں واقع ہے۔اور کسی بھی وقت کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ ہنگامی حالات کے دوران عوام کو کیا کرنا چاہئے اسکی جانکاری دینے کے لئے کچھ سیمینار منعقداور کچھ تقریر جھاڑی گئیں اور بس ختم فسانہ ہوگیا۔

اب حاکموں کو کون سمجھائے کہ نہ صرف ارضیائی بلکہ جذباتی سیاسی اور اخلاقی زلزلوں کے لحاظ سے بھی یہ خطہ Red zone میں ہی واقع ہے۔ جب سے مہاراجہ ہری سنگھ راج سنگھاسن چھوڑ کر گئے تب سے ہر دو تین مہینوں میں اس خطہ میں ایک نیا سیاسی زلزلہ آتا ہے۔ حیرت کی بات البتہ یہ ہے کہ اس کے ملبہ تلے صرف عوام دبتے ہیں اور سیاستگر اوراس کا اہل وعیال صاف بچ نکلتے ہیں۔ جاپان زلزلوں کی سرزمین ہے اور سال بھر زلزلے آتے رہتے ہیں۔ اس وجہ سے لوگ اب انکے عادی ہوگئے ہیں اور Adaptibility کے اصول کے تحت مکانوں کی تعمیر اس انداز سے کرتے ہیں کہ زلزلہ آئے بھی تو انکا کچھ نہ بگڑے۔شاید اپنے یہاں کے سیاستگر بھی جاپان کے عوام کی طرح زلزلہ Proof ہوکر اب زلزلوں سے بے نیاز ہوگئے ہیں۔ ہاں تھوڑا سا گرد وغبار ان پر ضرور گرتا ہے۔ لیکن کپڑے جھاڑ کر وہ پھر کھڑے ہوجاتے ہیں اور اقتدار و شہرت کے ایک نئے Life Cycle کا لطف

اٹھانے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ زلزلوں کے ایک ماہر کا کہنا ہے کہ جب ایک سیاست گر کے مفاد کی پلیٹ اور دوسرے سیاست گر کے مفاد کی پلیٹ سے ٹکراتی ہے تو سیاسی زلزلہ آجاتا ہے اور اس کی لہریں چہار اطراف پھیل کر پوری سیاست گاہ کو Ground Zero بناتی ہے۔ انہی زلزلوں سے اخلاقی، معاشی اور سماجی زلزلہ آتے ہیں۔ اور اس وقت یہ خطہ ہر طرح کے زلزلوں کی لپیٹ میں ہے۔ مادہ کا ملبہ ہٹانے، زخمی افراد کے علاج معالجہ کے مسئلہ پر سمینار منعقد ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن اخلاقی زلزلوں کو حکام بالکل بھلا بیٹھے ہیں اور ان کا ملبہ اٹھانے کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا ہے۔ معاشی لحاظ سے سیاستگر مضبوط عمارت اور تگڑے بنک بیلنس کا مالک ہے، لہٰذا اس پر معاشی زلزلوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ لیکن عوام بیچارے معاشی زلزلہ کے ملبہ تلے دبے ہوئے اور کچھ اطلاعات کے مطابق اب ایک طبقہ ایسا بھی اُبھر آیا ہے جو گداگری پر گذر اوقات کر لیتا ہے۔ فطرت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ سیاستگر ووٹ اور تالی کا گداگر ہے اور عوام سے ووٹ اور تالی کی خیرات چہار پہر مانگتا رہتا ہے۔ عوام بڑی کشادہ دلی سے ہر دو چیزوں سے سیاسی گداگر کا کشکول لبالب بھر دیتے ہیں اور بدلہ میں سیاست گر عوام کو معاشی گداگری میں لگا دیتا ہے۔ سیم وزر کے جملہ حقوق اس کے کنبہ کے نام مخصوص ہیں اور عوام کے معاشی کشکول میں صرف وعدوں کے کھوٹے سکے ڈالے جاتے ہیں۔ ان سکوں کی بازار میں البتہ کوئی وقعت نہیں ہے اور دوکاندار انہیں شاہِ دقیانوس کے سکے قرار دیکر عوضانہ میں کچھ بھی مال دینے پر تیار نہیں۔

سیاستگر نے اس خطہ میں ایک اور طبقہ کو جنم دیا ہے۔ جو پیشہ ور سامعین کا طبقہ ہے۔ اس طبقہ کا پیشہ تقریر باز سیاستگر کی تقریر سننا اور پھر زور زور سے تالی بجانا ہے۔ اس طبقہ کے بارے میں سنا ہے کہ گاؤں گاؤں قصبہ قصبہ ٹھیکہ دار مقرر ہیں۔ سیاستگر کے پیٹ میں جب بھی تقریر کرنے کا مروڑ اٹھے، تالیوں سے استقبال کرانے کا نشہ ہو جائے یا پھر دہلی

وراولپنڈی والوں کو حمایتی کھوپڑیوں کی تعداد کا مظاہرہ دکھانے کا شوق ہو جائے تو وہ بحساب تین صد روپیہ اصل زر کے حساب سے ٹھیکہ دار کو Payment کرتا ہے۔ ٹھیکہ دار اپنا کمیشن کاٹ کے کھوپڑیوں کو بحساب دوصد روپے فی کھوپڑی Payment کرتا اور پھر کھوپڑیوں کو ٹن در ٹن ٹرک لاری میں ٹھونس کر جلسہ گاہ کی طرف ہانکتا ہے۔ جلسہ گاہ پہنچ کر کھوپڑی آنکھ بند کئے سیاستگر کی نئی لن ترانی غور سے سننے کا ناٹک رچا کر اونگھ کی وادی کی یاترا پر نکل پڑتی ہے۔ سیاستگر یہ جانتے ہوئے کہ کھوپڑی اس کی پرستار نہیں بلکہ پاپی پیٹ سے مجبور ہو کر لن ترانی سننے کا ڈھونگ رچانے آئی ہے، سیاستگر اس المناک حقیقت سے بے بہرہ اپنی روایتی تقریر جاری رکھتا ہے۔ یہ تقریر بھی Original نہیں بلکہ Ghost Writer کی لکھی ہوئی ہے۔ سیاست گھر بیچارہ تو کچھ نہ سمجھتے ہوئے Script کی Reading شروع کرتا ہے۔ ہر دس منٹ کے بعد Writer نے تالیاں بجانے کی گنجائش رکھی ہے۔ بیچاری کھوپڑی کی اونگھ اس وقت ٹوٹ جاتی ہے جب جلسہ گاہ میں موجود ٹھیکہ دار کے ایجنٹ اسے کہنی سے ٹھونکا مار کر اشارہ کرتے ہیں کہ جمورے تالی بجانے کا موقعہ ہے۔ بجا تالی۔ کھوپڑی جمورا کچھ نہ سمجھتے ہوئے زور زور سے تالی بجاتا اور پھر اونگھ کی دنیا میں واپس لڑھک جاتا ہے۔ سیاستگر تب تک اپنی انگلی سکرپٹ کی سطر پر رکھتا ہے جب تک کہ تالیوں کا Break پورا نہیں ہوتا۔ تالی بجنے کے بعد آگے Reading شروع کرتا ہے۔ کھوپڑی کو پھر ٹھونکہ لگا کر جگایا جاتا ہے کہ جمورے پھر تالی بجانے کا وقت آ گیا ہے۔ پھر تالی بجتی ہے اور پھر سیاستگر آگے سبق Read کرتا ہے۔ یہاں تک کہ سیاستگر Script کا آخری لفظ ادا کرتا ہے اس دوران کیمرے کھچا کھچ تصویریں کھینچتے ہیں۔ کسی خوش قسمت سیاستگر کو Live Coverage بھی ملتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی تین گھنٹہ کے Show کا The End ہو جاتا ہے۔ اس بیچ ایک تازہ سیاستگر کا عوام سے تعارف کرایا جاتا ہے۔ جو کسی دوسری سیاسی چراگاہ سے ہری

گھاس پیٹ بھر کے نئی چراہگاہ میں چرائی کیلئے آیا ہے۔ جمورے کھوپڑی کو اس نئی آمد پر بھی تالی بجانے کو کہا جاتا ہے۔ پاپی پیٹ سے مجبور وہ تالی تو بجاتا ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ کس خوشی میں تالی بجائی تھی۔ سیاستگر نے بھی تین گھنٹے کی تقریر کرڈالی لیکن وہ بھی نہیں جانتا ہے کہ Topic کیا تھا۔

سنا ہے کہ ایک بار امریکی فوجی جنرل کوریا میں کوریائی فوجیوں سے خطاب کررہا تھے۔ انگریزی تقریر کا کوریائی ترجمہ کرنے کے لئے ایک مترجم بھی پاس ہی کھڑا تھا۔ جنرل صاحب کہتے اور مترجم کوریائی زبان میں ترجمہ کرکے جنرل صاحب کی بات گوشگذار کرتے۔ دورانِ تقریر جنرل صاحب نے تین منٹ Duration کا ایک لطیفہ سنایا ۔کوریائی مترجم نے صرف پانچ سیکنڈ کی Duration میں اسکا ترجمہ فوجیوں کو سنایا۔ فوجی پیٹ پکڑ کر قہقہے لگانے لگے...... ہاہا...... ہاہا...... اوہ...... ہاہا...... جنرل صاحب کوریائی زبان کی وسعت پر ششدر ہو کر رہ گئے کہ تین منٹ کے مکالمہ کا صرف پانچ سیکنڈ میں ترجمہ ہو جاتا ہے۔ جب اس نے مترجم سے اس بارے میں وضاحت طلب کی تو مترجم نے جواب دیا کہ صاحب میں نے انہیں لطفیہ نہیں سنایا بلکہ حکم دیا کہ جنرل صاحب نے ایک اچھا لطیفہ سنایا ہے آپ فوراً پیٹ پکڑ کر زور زور سے قہقہے لگائیے۔

اس بستی میں سب کچھ Formality نبھانے کے لئے ہے۔ رسمِ دنیا اور دستور زمانہ ادا کرنے کیلئے ہے Solid کچھ بھی نہیں ہے بلکہ اگر یوں کہیں کہ یہاں کھوکھلا بھی Hollow ہی ہے۔ تو بیجا نہ ہوگا۔ اور جو بستی محض رسمی ہو۔ اس میں سیاسی اخلاقی اور سماجی زلزلہ نہ آئیں اور غصہ کے آتش فشان نہ پھٹ پڑیں تو زلزلہ علم کے ماہرین کو یقیناً حیرت ہی ہوگی۔

ٹر بازی

جھوٹ کی MEGA بلکہ GIGA مقدار کو ٹر کہتے ہیں اور جس طرح توپ چلانے والے کو توپچی کہتے ہیں اسی طرح ٹر داغنے والے کو ٹرار کہتے ہیں۔ ماہرین نے اسے کمزور شخصیت اور احساس کمتری کی بدترین علامت قرار دیا ہے۔ ٹر لوگوں کو گمراہ کرنے اور اپنی بڑھائی جتانے کیلیئے توپ کے گولے کی طرح داغا جاتا ہے۔ دنیا کے عظیم ٹربازوں میں GOBEL نام کا جرمنی ٹرباز بھی شامل ہے۔ جس کے ٹروں نے دوسری جنگ عظیم کے ابتدائی ایام کے دوران اتحادیوں کے چھکے چھڑا دیئے تھے۔

کشمیر ٹربازی کے لحاظ سے ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی۔ سیاست، ثقافت، سماجیات زندگی کا وہ کون سا شعبہ ہے جسمیں ٹر نہیں داغے گئے۔ ٹر بولنا ایک فن ہے۔ البتہ ٹر داغتے ہوئے ٹرباز کے چہرے پر تاثرات کا سنجیدہ ہونا انتہائی ضروری ہے۔ پیشانی پر سنجیدگی کی سلوٹیں جتنی زیادہ گہری ہونگی ٹر کا میزائیل بھی اتنا ہی To the point نشانہ Hit کرے گا۔

اینمل ہسبنڈری کا ایک سابقہ افسر حد درجہ احساس کمتری میں مبتلا تھا۔ اور اپنے اس احساس کی تشفی کیلیئے اکثر ٹر بولتا رہتا تھا اور اسکا ایک ٹر بڑا مشہور ہوا۔ اس نے دعویٰ کیا کہ ان کے محکمے نے آسٹریلیا سے ایک ایسی گائے منگائی ہے جس کے دو تھنوں سے دودھ اور دو تھنوں سے دہی نکلتا ہے۔

اسی طرح ایک **ٹر باز** نے ٹر کا میزائیل یہ کہکر داغا کہ اس کے پاس اتنا بڑا قالین ہے جسے سکھانے کے لئے وسیع میدان کشمیر میں ہے ہی نہیں۔ دوسرے **ٹر باز** نے جوابی میزائیل داغتے ہوئے کہا کہ میرے قالین میں سوراخ ہو گیا ہے اور شاید تمہارے قالین سے اسمیں پیوند ہو جائے۔

گذشتہ دنوں کھریو سیمنٹ فیکٹری کے عہدیداروں نے بھی Cobalt بم جیسا **ٹریلا** میزائیل داغدیا۔ اس میزائیل کے مطابق انہوں نے کھریو علاقہ میں ایک ہائیر سیکنڈری سکول، دس بستروں والا ایک ہسپتال قائم کیا ہے اور ساتھ میں دس بیس نہیں دو لاکھ پیڑ پودے لگانے کا دعویٰ بھی کیا ہے۔ علاقہ کھریو کے عوام نے اتنا بڑا **ٹر** جب سنا تو ان کے پسینے چھوٹ گئے۔ گریباں چاک کر کے وہ بولے کہ کاش حاکم آ کر ان تمام تعمیرات کی نشاندہی کرتا۔ ستم ظریف کو خیال آیا کہ ہو نہ ہو حاکم اعلیٰ نے وزیر صاحب کو اس موقعہ پر منافع کے سرکاری حصہ کا جو چیک پیش کیا ہے وہ بھی **ٹر** ہی ہوگا۔

ڈویژنل کمیشنر نے بھی شوپیان معاملہ پر ایک زوردار **ٹر** میزائیل پھینکا لیکن افسوس یہ میزائیل Explode نہیں ہوا۔ مرحوم بیگ صاحب نے بھی ۷۷ء کی انتخابی مہم کے دوران ایک خاموش **ٹر** بولا، انہوں نے لوگوں کو کوہستانی نمک کی ڈھلی اور سبز رومال دکھایا۔ یہ Silent ٹر تھا، جو انتہائی مہارت سے داغا گیا اور ٹھیک نشانے پر بیٹھ گیا۔ لیکن افسوس بیگ صاحب اس کے کچھ عرصہ کے بعد خود بھی ٹر کی سازش کا شکار ہو گئے۔

ٹر کو اپنے یہاں ایک فضیلت حاصل ہو گئی ہے۔ جو جتنا بڑا اٹرا اختراع کر سکتا ہے، وہ سماج میں اتنا ہی زیادہ صاحب عزت ہے اور اس وقت ہر طرف **ٹروں** کی یورش ہے۔ خاص و عام سماج میں بڑا سا رتبہ پانے کیلئے جتنا بھی بڑا **اٹر** ہو سکتا ہے داغ دیتے ہیں۔ محکمہ جات کا اگر کسی پیشہ ور اور غیر جانبدار ایجنسی کے ذریعہ آڈٹ کرایا جائے تو عیاں

ہوگا کہ محکمے، میڈیا ہائپ یعنی ٹر کے ذریعہ کھڑے ہیں۔انہوں نے محض ٹر کو وسعت دی ہے۔ترقی کو نہیں۔

وزراء کی گذشتہ ادوار کی تقاریر کا جائزہ لیں تو ان کے دعووں کے مطابق اب تک وادی بجلی کی پیداور مین نہ صرف خود کفیل ہونی چاہئے تھی بلکہ اب تک امریکہ روس برطانیہ اور فرانس بھی یہاں سے بجلی درآمد کر رہے ہونے چاہئے۔لیکن وزیر کے وہ دعوے شعوری نہیں بلکہ روایتی ٹر ہی تھے جس کے ذریعے وزیر نے اپنے چھ برس شونٹھ سے گذارے۔یہی حال باقی شعبوں کا بھی ہے، شعبہ جنگلات، دستکاری، صنعت وحرفت، تعلیم، امن وقانون، میوہ انڈسٹری، دیہی ترقی، ناپ تول، امور صارفین، رسل ورسائیل، اشیائے خوردونی، جیالوجی مائینگ، پبلک ہیلتھ انجینئرنگ تعمیرات عامہ، مال اور دیگر محکمے ٹروں کی پبلسٹی سے عالمِ وجود میں ہیں۔حقیقت میں سب بوسیدہ نظام کے بوسیدہ کل پرزے ہیں جو ٹر کی وجہ سے کھڑے دکھائی دیتے ہیں۔کلینکل لیبارٹری والے بھی دن بھر ٹر لکھتے رہتے ہیں۔ایک ہی سیمپل کا اگر دس مختلف لیبارٹریوں میں Test کروائیں تو اس کے دس مختلف Results ہونگے۔ایک کلینکل لیبارٹری نے تو Test کے ذریعہ بیمار کو Cancer کا مریض گھوشت کردیا۔لیکن ممبئی کے ٹاٹا کینسر انسٹی چیوٹ والوں نے اسے کلینکل لیبارٹری والوں کا ٹر قرار دیا اور وہ مریض بھلا چنگا، قلانچیں مارتا واپس گھر آیا۔

نقلی ادویات کی بھرمار ہے، اور اکثر ڈاکٹر صاحبان بھی یہی غیر معیاری دوائیں تجویز کر کے اپنے ڈاکٹر ہونے کا ٹر بولتے ہیں۔ڈرگ والے بھی نقلی ادویات بیچنے والوں کی دوکانیں مہر بند کرنے کا ٹر بول کر عوام کو ٹر کھا دیتے ہیں۔عوام بھی وازہ وان تناول فرماتے ہوئے وازہ وان کے زبردست سماجی بدعت ہونے کا ٹر بولتے رہتے ہیں۔

سابقہ وزیر اعلیٰ آزاد صاحب نے کوکرناگ کے جلسہ عام میں اپنے دورِ حکومت

کے کارناموں کا ذکر کیا ہے۔لیکن ان کارناموں کو کانگریس سرکار کی کابینہ پر آئے خرچہ جات سے جب موازنہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ تو ،باہمن آنن گور دائل پائو ملی ہے۔

روزگار کے معاملہ میں بھی ٹروں کی ہر محاذ پر رات دن گولہ باری ہورہی ہے۔ حکام اتنی تعداد میں بے روزگاروں کو روزگار فراہم کرنے کا دعویٰ کررہے ہیں جتنی کہ روئے زمین پر آبادی ہی نہیں ہوگی۔

اسمبلی حلقہ سونہ وار اور حضرتبل کے بعض امیدواروں کے بارے میں افواہ سنی ہے کہ انہوں نے سادہ لوح ووٹر کو فی ووٹ -/500 روپیہ کی ادائیگی کی اور جب ووٹر -/500 روپیہ کا کرنسی نوٹ لیکر بازار گیا تو وہ کریم ننہ وور کی طرح نقلی نکلا اور وہ کرنسی نوٹ بھی **ٹر** ہی تھے۔

سڑکوں پر ٹریفک کا شوروغوغا ہے، سڑکیں وہیں ہیں جو مہاراجہ ہری سنگھ نے بنوائی تھیں۔ اور ٹریفک ہزار گنا بڑھ گیا ہے۔ انجینئر صاحبان نے بڑھتی ٹریفک کی وسعتوں کا اندازہ نہیں لگایا بلکہ اپنی ذاتی جائیداد کھڑی کر ڈالی۔ انجینئر ریٹائیر ہوئے ان کی بڑی سی فرم قائم ہے اور بسنت باغ ومندر باغ ، سرائے بالا ومہاراج بازار ، کپواڑہ وکلگام، کنگن و چرار شریف کی سڑکیں بدحال۔ کیونکہ Media Hype کے ذریعہ **ٹر** بولا گیا کہ یہ سڑکیں سونے کی ریت اور چاندی کی باجری سے تعمیر کرکے عوام کے نام وقف کردی گئیں ہیں۔ مال انجینئر لے کر سماج کا ذی عزت ستون بن گیا اور اہل بسنت باغ دن رات سڑکوں کی ناگفتہ بہ حالت پر مصروف احتجاج ہیں۔ یہ اعجاز صرف **ٹر** کا ہے اور جس فرد کو اس سماج میں **ٹر** بولنا نہیں آیا وہ وقت کے Wheel تلے کچل کر ریت بن گیا۔ عصر کشمیر کا سب سے **عظیم ٹر** ''رائے شماری فوراً کراؤ'' تھا یہ **ٹر** جب ٹوٹ گیا تو پورا کشمیر Bigbang کا شکار ہو کر اب افراتفری کا شکار ہے۔

غالبؔ اور شیخو

مرزا غالبؔ اور شہزادہ سلیم عرف شیخو عرف جہانگیر خُلد میں بیٹھے شراباً طہورا کے جام نوش کر رہے تھے۔ انارکلی ساقی بنی ہوئی تھی۔ پایل کی چھم چھم پر وہ صراحی سے جام بھرتی اور پھر رقص کرتے ہوئے گاتی جا رہی تھی۔

ہم ہی بڑھ گئے عشق میں حد سے آگے
زمانے نے ٹھوکر لگائی تو جاگے
اگر مر بھی جاتے تو حیرت نہ ہوتی
ہمیں کاش تم سے محبت نہ ہوتی

جہانگیر نے غالبؔ سے پوچھا مرزا نوشہ خلد میں کیسا لگ رہا ہے۔ غالبؔ نے جواب دیا کہ دنیا میں قرض کی پیتا تھا مے۔ لیکن یہاں طہور کا چشمہ بہہ رہا ہے اور لطف یہ کہ مُلا واعظ، حضرت ناصح تینوں یہاں نابود ہیں۔ پھر Pension کیس کا غم بھی نہیں۔ جہانگیر نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا کہ میاں اب دنیا کے حسینوں سے خلد میں انتقام لیتے ہو؟ کیوں کہ قدرت حق سے وہ یہاں حوریں ہوگئی ہیں۔ غالبؔ نے اس بات پر خاموشی اختیار کی۔ جہانگیر تاڑ گیا کہ معاملہ حساس بھی ہے اور خفیہ بھی۔ پردہ اٹھانے کیلئے CBI کی خدمت حاصل کرنا ہوگی۔ جہانگیر نے موضوع بدلتے ہوئے غالبؔ سے فرمائش کی کہ اپنا سب سے پسندیدہ شعر سُنائیے۔

مرزا غالب نے اپنا گلا کھنکارتے ہوئے شعر پیش کیا۔

بازیچہ اطفال ہے دنیا میرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشہ میرے آگے

جہانگیر نے غالبؔ سے یہ شعر پسند ہونے کی وجہ پوچھی۔ غالبؔ نے جواباً کہا کہ ملکِ کاشمیر سے جو خبریں آرہی ہیں ان سے لگتا ہے کہ ہے حدِ ادراک سے یقیناً آگے میرا مسجود۔ کیونکہ وہاں جو کچھ ہو رہا ہے وہ حدِ ادراک سے آگے ہے۔ پہلے عوام اِدھر چلو اور اُدھر چلو کرتے تھے۔ اب سرکار بھی اِدھر چلو اور اُدھر چلو کر رہی ہے۔ کبھی گاندربل اور کبھی بانڈی پورہ چلتی ہے۔ لیکن کٹھوعہ اور کرگل نہیں چلتی۔ وزیر اعظم، مرکزی وزیر صحت، مرکزی وزیر ایز جی، وزیر اعلیٰ، شوپیان سانحہ کے مجرمین کو سخت سزا دینے کا اعلان کرتے ہیں۔ لیکن مجرموں کا کہیں سراغ ہی نہیں ہے۔ جوڈیشل کمیشن والے فلم کس نے کیا ہے خون؟" یہ کس کا لہو ہے کون مرا" کی شوٹنگ کر رہے ہیں۔ Super Cop، کی خصوصی ٹیم 407 نمبر کی گاڑیوں کی گہرائی سے چھان بین کر رہی ہے۔ عینی گواہاں بھی اس فلم میں بطور Extra شامل ہیں۔ لیکن اصل مجرموں کی طرف ہاتھ کوئی نہیں بڑھاتا۔ شک کی سوئی بار بار North Pole کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ لیکن اہلِ تحقیقات South Pole کی طرف جا رہے ہیں۔ سرکار نے 18 گھنٹوں کے اندر اندر کارروائی کر کے مشکوکین کو Safe جگہ پر پہنچا دیا۔ یہ سارے تماشے دیکھ کر میں اپنا سر دھن رہا ہوں کہ اتنا برجستہ اور مکمل شعر میں نے کب تخلیق کیا۔ جہانگیر سوچ میں گم تھا لیکن مرزا غالبؔ کہے جا رہے تھے کہ شیخو میاں مجھے معلوم نہیں کہ اس رات کو میں نے اپنے ازار بند میں گانٹھ لگائی تھی کہ بغیر گانٹھ لگائے یوں ہی یہ شعر چھلک پڑا۔ جہانگیر یہ سنکر چونک پڑا اور بولا کس ازار بند کی بات کر رہے ہو میاں؟ غالبؔ نے جواب دیا یاران دنوں Mobile Phone نہیں تھے۔ یاد دہانی کیلئے ازار بند میں گانٹھ لگانا پڑتی تھی۔ صبح کو ازار بند کی گانٹھ کھولتے ہوئے رات کو تخلیق ہوئے شعر کو رقم کرتا تھا۔ اور آج مجھے احساس ہو رہا ہے کہ یہ شعر نہ صرف حاصل غزل ہے بلکہ حاصلِ

دیوانِ غالب بھی ہے۔اس کے بعد مرزا غالب نے طہورا کا ایک جام ہاتھ میں لیکر جہانگیر سے پوچھا کہ اب تم اپنا بدترین شعر سناؤ۔

جہانگیر نے سینہ کوبی کرتے، ماتھا پیٹتے ہوئے اور اپنا چہرہ کھرچتے ہوئے کہا کہ میرا بدترین شعر ہے۔

اگر فردوس برروئے زمین است ہمیں است وہمیں است ہے

کاش میں نے یہ شعر تخلیق نہ کیا ہوتا۔کاش مجھ سے یہ فاش غلطی سرزد نہ ہوئی ہوتی۔ میں پڑدادا بابر بادشاہ سے لیکر پڑپوتے بہادر شاہ ظفر تک بہت بدنام ہوا ہوں۔ان کو میری بصیرت وبصارت پر شک ہورہا ہے۔نور جہاں، بہار اور انارکلی تینوں مجھ سے برگشتہ ہیں۔ وہ مجھے جاہل کہہ رہے ہیں اور طعنہ دے رہے ہیں کہ مملکت ہندوستان میں کورپشن میں دوسرے نمبر پر اور کاہلی میں اول نمبر پر آنے والے علاقہ کو آپ نے کیسے فردوس برروئے زمین است کہا۔نور جہاں بیگم کہتی ہے کہ مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ میں نے تمہاری صرف انتڑیاں ہی کیوں نکال کر وہاں دفن کرڈالیں۔تیرا بھیجا بھی Fry کر کے کیوں نہ عسا کروں کو کھلا دیا۔افسوس افسوس مجھ سے ایسی فاش غلطی ہوئی۔یہ کہہ کر وہ پھر سینہ کوبی کرنے لگا۔اتنی دیر میں اسکا دوست درجن سنگھ آیا اور اُسے دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔صاحب عالم غمگین نہ ہوں آپ شراب اور افیم کھانے کے عادی ہیں۔اس حالت میں آدمی اول فول تو بکتا ہی رہتا ہے۔ اسے سنجیدہ نہیں لیا جانا چاہئے۔یہ سنکر جہانگیر کی طبعیت پھر بحال ہوئی۔اور غالب وجہانگیر نے طہوراُ کے جام ہاتھ میں لئے اور Cheers کہہ کر ہونٹوں سے لگائے۔

ستم ظریف اچانک اپنی چارپائی سے لڑھک کر گر گیا اور ساتھ ہی نیند سے بھی جاگ گیا۔گھر کے باہر Tear Gas گولہ پھٹا تھا۔جسکے گیس سے سب گھر والوں کی آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں۔

ہیچھن نُوں ہیچھن!

مشہور ہے کہ علم حاصل کرنے کے عمل میں قتل کا بھی گناہ نہیں لگتا۔ شاید بروائیلر مرغ فروخت کرنے والے اسی محاورے پر عمل کر رہے ہیں بروائیلر مُرغ فروخت کرنے والے پرندہ ذبح بھی کر کے دیتے ہیں۔ ایک بار ستم ظریف عرفہ کے دن مرغ فروش کے پاس مُرغ خریدنے لائین میں کھڑا ہوا۔ مُرغ فروش مُرغ ذبح کر کے پرندے کو ٹین میں ڈالتا اور اگلے مُرغ کے گلے پر چھری پھیر کر اسے بھی ٹین میں پھینک کر اگلے مُرغ کے گلے پر چُھری پھیرتا جا رہا تھا۔ اس نے بیکوقت نصف درجن مُرغ اپنے پاؤں تلے ایسے دبا رکھے تھے، جس طرح جنگی ٹینک میدان جنگ میں مرے ہوئے فوجیوں کو دباتے ہوئے گذر جاتا ہے۔ میں نے احتجاج کیا کہ اس طرح مُرغ ذبح کرنا حرام ہے۔ لیکن مالک دوکان نے ارشاد کیا کہ نیا نیا شکاری ہے۔ اس کو سات قتل کرنے کا اختیار ہے۔ لہٰذا سمجھ لیجئے یہ مُرغ ذبح نہیں بلکہ ان کو قتل کر رہا ہے۔ کسی نہ کسی دن ضرور ذبح کرنا سیکھے گا۔

مغل شہنشاہ جہانگیر نے تو حد ہی کر دی اس نے شہزادگی کے ایام میں کسی آدمی کی اپنے سامنے زندہ کھال اتروادی جسے سنکر مغل اعظم اکبر تھر تھرا اٹھا اور بولا حد ہوگئی شیخو کی بے راہ روی کی۔ ہم نے تو کبھی کسی بکری کی بھی زندہ کھال نہیں اتاری شاید یہ سوچ کر پھر

خاموش ہوا ہوگا کہ کسی نہ کسی دن سخت دل ہو کر بادشاہی کے لائق ضرور بنے گا۔ جہانگیر نے کہیں سنا تھا کہ زعفران کھانے سے انسان ہنستا ہے اور پھر ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو جاتا ہے اور لوٹ پوٹ ہو کر پھر اللہ کو پیارا ہو جاتا ہے۔ جہانگیر نے بات آزمانے کی ٹھان لی۔ اور ایک واجب القتل قیدی کو طلب کر کے اُسے پاؤ بھر زعفران کھلائی انتظار کرنے لگا پھر یہ کہکر Chapter بند کیا کہ ہنسنا تو کجا اس واجب القتل قیدی کے لبوں پر تبسم تک نہ آیا۔ شاید وہ بھی سیکھنے کے عمل سے گذر رہا تھا۔ شہزادہ بھی شاید اس طرح تجربہ حاصل کر کے پختہ ہو رہا تھا۔ تاکہ آگے چل کر ذبح کرنا سیکھے۔ کچھ ایسی ہی بات وزیر اعلیٰ بھی اکثر کرتے رہتے ہیں۔ سانحہ شوپیان پر وہ کہتے ہیں کہ افسروں نے انہیں گمراہ کیا۔ لیکن وہ بھول رہے ہیں کہ اگر انہوں نے گمراہ کرنے والے ان افسروں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی تو وہ آگے بھی انہیں گمراہ کرتے رہینگے اور دوسری بات یہ کہ گمراہ ہونا کسی وزیر اعلیٰ کی شان نہیں ہے۔ کیونکہ ان کو کروڑوں لوگوں نے اپنی تقدیر سنوارنے کا کام حوالہ کر رکھا ہوتا ہے۔ اگر گمراہ کرنے والے افسروں کے خلاف کارروائی نہیں ہوئی، تو سمجھا جائیگا کہ۔

چمن میں لالہ دکھا رہا ہے داغ اپنا کلی کلی کو
یہ جانتا ہے کہ اس دکھاوے سے دل جلوں میں شمار ہوگا

اس طرح شوپیان سانحہ میں بتایا گیا ہے کہ ڈاکٹروں کو پوسٹ مارٹم کرنی ہی نہیں آئی۔ شاید وہ بھی سیکھنے کے عمل سے گذر رہے ہونگے دس بیس ہزار پوسٹ مارٹم کرنے کے عمل سے گذرنے کے بعد ہی شاید وہ سیکھیں گے کہ ذبح کیسے کیا جاتا ہے تب تک لوگ سمجھ لیں کہ انہیں بھی قتل کرنے کی آزادی ہے۔

اسی سانحہ میں پولیس حکام کو جرم کے ثبوت محفوظ کرنا نہیں آیا یا پھر انہوں نے جان

بو جھ کر جرم کے نشان مٹا دیئے۔ شاید وہ بھی تجرباتی عمل سے گذر رہے ہونگے اور قتل کرتے کرتے وہ بھی کسی نہ کسی دن ذبح کرنا سیکھ ہی لینگے۔

پبلک ہیلتھ انجینئرنگ محکمہ کے وزیر تاج محی الدین صاحب کا کہنا ہے کہ اس محکمہ میں 4000 ہزار ملازمین ایسے بھی ہیں جنہوں نے کبھی Duty ہی نہیں دی، تاج محی الدین یہ نہیں جانتے کہ وہ ملازمین بھی سیکھنے کے عمل سے گذر رہے ہیں اور انہیں بھی قتل کرنے کی کھلی چھوٹ ہے اور کسی نہ کسی دن ذبح کرنا سیکھ ہی جائینگے۔

جن حکام نے ان ملازمین کو تنخواہیں دیں۔ وہ بھی شاید سیکھنے کے عمل سے گذر رہے ہیں تب تک انہیں بھی قتل کرنے کی کھلی چھوٹ ہے۔ کسی نہ کسی دن قتل کرنا سیکھ ہی جائیں گے۔

گھر بیٹھے لوگوں کو تنخواہ دینے والے حکام کے خلاف جب تک تاج صاحب کارروائی نہیں کرتے تب تک سمجھا جائے گا کہ تاج صاحب کو بھی قتل کرنے کا لائیسنس ملا ہے، کسی نہ کسی دن ذبح کرنا سیکھ ہی جائیں گے۔

کھریو سیمنٹ فیکٹری کے حکام نے علاقہ میں ہائیر سیکنڈری سکول، دس بستروں والا ہسپتال اور لاکھوں پیڑ پودوں کی شجر کاری کرنے کا اعلان کر کے وزیر اعلیٰ کو گمراہ کیا ہے۔ باقی لوگوں کی طرح یہ حکام بھی سیکھنے کے عمل سے گذر رہے ہیں۔ کسی نہ کسی دن ذبح کرنا سیکھ ہی جائیں گے۔ BOSE حکام بھی بہرام اور گبر کی طرح طلباء سے مختلف بہانوں سے رقومات اینٹھنے میں مصروف ہیں۔ وہ بھی سیکھنے کے عمل سے گذر رہے ہیں اور کسی نہ کسی دن ذبح کرنا سیکھ ہی جائینگے۔

سیاست کار بھی روز اول سے ہی بے سر پیر کے بیانات داغ کر سیکھنے کے عمل سے گذر رہے ہیں اور کسی نہ کسی دن ذبح کرنا سیکھ ہی جائیں گے۔

ڈل جھیل کی شانِ رفتہ بحال کرنا بھی اب سیاست کاروں کا محبوب مشغلہ رہا ہے۔اور اکثر ڈل کے شان میں قصیدہ پڑھتے رہتے اور اربوں روپے مختص کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہر گذرتے دن کے ساتھ ڈل کی سکڑن بڑھتی ہی جارہی ہے۔شاید سیاست کار بھی سیکھنے کے عمل سے گذر رہے ہیں اور کسی نہ کسی دن ڈل کو ذبح کرنا سیکھ ہی جائینگے۔

PDP والے بھی اِدھر چلو اُدھر چلو کر کے شاید اقتدار حاصل کرنے کے سیکھنے کے عمل سے گذر رہے ہیں اور کسی نہ کسی دن عوام کے مفاد کو ذبح کر کے اقتدار حاصل کرنا سیکھ ہی جائینگے۔

عوام بھی تقلید کاری کے عمل میں منجھے ہوئے کھلاڑی ہیں۔تقلید کرتے ہوئے اپنے مفاد قتل کر رہے ہیں۔کسی نہ کسی دن اپنا مفاد ذبح کرنا سیکھ ہی جائیں گے۔

علم کی کوئی حد ہی نہیں ہے، کیونکہ

قبرِ وسنس تام چھ اِنسانس ہیٚچھن نوٚ ہیٚچھن

VIP

ممہ بازی گر بے کار ہو گیا تھا۔ کیونکہ جب ساری بستی ہی بازی گر ہو گئی تو وہ کس کو بازی تارتا۔ اس نے کوئی نیا پیشہ اپنانے کی ٹھان لی اور Sumo گاڑی چلانا سیکھ لی۔ اس کے پاس ابھی لائیسنس نہیں تھا۔ گرچہ اس نے RTO کے دفتر میں کب کے ضروری کاغذات داخل کر دئے تھے۔ لیکن لائیسنس ابھی تک نہیں آیا تھا۔ اسے بتایا گیا کہ وہاں اسی کو ٹرک چلانے کا لائیسنس مل جاتا ہے، جسے سائیکل تک نہیں چلانی آتی اور جسے ٹرک چلانے آتی ہے اس کو سکوٹر چلانے کا بھی لائیسنس نہیں ملتا۔ مومہ بازی گر نے جب دریافت کیا کہ اس دفتر سے لائیسنس حاصل کرنے کا اصل طریقہ کیا ہے؟ تو اُسے بتایا گیا کہ اصل میں حکمتِ عملی کی تبدیلی کے بعد پردے کے پیچھے 2- Track Diplomacy ہی ایک کارگر طریقہ ہے جس سے مسئلہ لائیسنس حل ہو سکتا ہے۔ مومہ بازی گر نے فوراً اس نسخہ پر عمل کیا اور شام تک اس کی جیب میں ہلکی گاڑیوں سے لیکر بھاری گاڑی تک ڈرائیو کرنے کا لائیسنس موجود تھا۔ وہ اپنی Tata Sumo لیکر سڑک پر نکل آیا۔ ابھی کچھ ہی میٹر چلا تھا کہ پیچھے سے پوں پوں گاڑی کے چیخنے کی آواز سنائی دی۔ مومہ بازی گر سمجھ نہیں پایا کہ یہ گاڑی ہسپتال کی ایمبولنس ہے یا کہ فائر بریگیڈ یا پھر VIP یا کہ پھر VVIP یا

کہ پھر VVVVVVIP کی گاڑی ہے۔ اچانک اس کے سامنے ایک سفید رنگ کی Gypsy آکر رُک گئی۔ اسمیں سے جدید اسلحہ سے لیس وردی پوش اتر آئے۔ اور مومہ بازی گر سے تکرار کرنے لگے تم نے سائیڈ کیوں نہیں دیا، دیکھتے نہیں VVIP گاڑی جارہی ہے۔ مومہ بازی گر نے پوچھا یہ کون VIP صاحب ہیں۔ کیا ان کے ہونے سے کشمیر کا:

(1) ایٹمی پروگرام رُک جائیگا۔

(2) ریاست خوراک میں خودکفیل ہوجائیگی۔

(3) امن وقانون کی حالت سدھر جائیگی۔

(4) کشمیر کا میزائیل پروگرام پایہ تکمیل کو پہنچ جائیگا۔

(5) کٹے جنگل پھر اُگ آئیں گے۔

(6) واٹر باڈیز کی حالت سدھر جائیگی۔

(7) صنعت وحرفت ترقی پائیں گے۔

(8) میوہ انڈسٹری میں انقلاب آئیگا۔

(9) بوسیدہ تعلیمی نظام جدید خطوط پر استوار ہوگا۔

(10) شہدا پھر زندہ ہوجائیں گے۔

(11) کشمیری پنڈت مہاجرین واپس اپنے گھر کو لوٹ پائیں گے۔

(12) انتظامیہ کی لڑکھڑاتی ناؤ منجدھار سے واپس نکل آئے گی۔

(13) رشید بلہ کی گردن کس دی جائے گی۔

(14) سیاحت کی انڈسٹری پر لگا نحوست کا گرہن ہٹ جائیگا۔

(15) عوام کی ہڈی پسلی ایک ہونا بند ہوگی۔

(16) سانحہ شوپیان کے مجرم پکڑے جائیں گے۔

(17) تابندہ غنی کے مجرموں کو پھانسی ہو جائے گی۔

(18) جلیل اندرابی کے قاتلوں کو سزا ہو جائے گی۔

(19) ٹریفک جام کا سلسلہ بند ہوگا۔

(20) بے روزگاروں کو روزگار مل جائے گا۔

(21) عصمتیں لٹنا اور قتل کی وارداتیں ہونا بند ہونگی۔

(22) BOSE کا محاسبہ ممکن ہوگا۔

(23) Vigilance محکمہ میں زیر التوا کیسوں کے مجرم پابند سلاسل ہونگے۔

(24) ٹاس فورس پر کوئی ٹاس آئے گا۔

(25) نقلی ادویات کا کاروبار بند ہوگا۔

(26) Disappeared جوان لوٹ آئینگے۔

ممہ بازی گار سوال پر سوال کرتا جارہا تھا۔

حفاظتی عملہ گھبرا کے بولا نہیں ان میں سے کچھ بھی نہیں ہوگا۔

ممہ بازی گر نے پوچھا پھر کیوں یہ پوں پوں بجا کر Noise Pollution کر رہا ہے؟ اس کو کہاں جانے کی اتنی جلدی ہے؟

اس کو جلد گھر پہنچ کر Tata Sky اور Airtel کے Dish TV پر فلم ''ہم پیٹ بھر چکے صنم'' دیکھنے کی جلدی ہے۔ محافظیں یہ کہکر مومہ بازی گر پر پل پڑے۔ اس کی ہڈی پسلی ایک کر ڈالی اور اس کی Textiles کو چیتھڑوں میں تبدیل کر کے بھاگ گئے۔ ممہ بازی گر اپنے چیتھڑے سمیٹ ہی رہا تھا کہ ایک اور VIP پوں پوں گاڑی نازل ہوگئی۔ مومہ بازی گر Tata Sumo ادھر ہی چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اور نئے VIP کے محافظیں شکار ہاتھ سے جاتا دیکھ کر کفِ افسوس ملتے رہ گئے۔

وادی

ابن بطوطہ اور رابنسن کروسو نے فیصلہ کیا کہ وہ سمندروں اور صحراؤں کی خاک چھاننے کے بجائے اب اپنی توجہ پہاڑوں کے سلسلوں کی طرف مبذول کرینگے۔ ان سلسلوں میں کیا عجب کہ ایسی مخلوق ملے جو للّی پٹ کے Opposite دراز قد ہو۔ یا پھر انسانوں کے بھیس میں حیوان اور چرندوں کے بھیس میں درندے رہتے ہوں۔ وہ اسی خیال میں آگے بڑھتے رہے۔ ایک تنگ سی وادی کے دہانے پر وہ رُک گئے۔ اپنے اپنے Tiffin کھولے اور کھانا کھایا۔ دہانے پر ہی موجود ایک چھلکتے چشمہ سے انہوں نے پانی پیا اور اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ چلتے چلتے اچانک وہ مبہوت سے ہو کر رہ گئے۔ منظر ہی دلکش تھا۔ ڈوبتے سورج کی سنہری روشنی میں ان کے سامنے ایک شاداب، معطر، منور اور سرسبز وادی تھی۔ وادی کا حسن دیکھ کر انہیں لگا کہ شاید جنت کا کوئی ٹکڑا زمین پر اتر آیا ہے۔ بل کھاتی ندیاں، سکوت پر فدا ہونے والی خاموش جھیلیں، جھلملاتے اور رم جھم کرتے چشمے، جنت کے پیڑ طوبیٰ جیسے دیودار، صنوبر، کائیل اور دیگر اقسام کے درخت، جنت کے طیور پوشہ نول، کوئیل، ہدہد، بلبل ہزار داستان، کستورو غیرہ کی وجدانی چہک سے راگ ملہار اور دیپک راگ کے ترانے بکھیرتے ہوئے۔ سیب، آڑو، گلاس، ناشپاتی، ناکھ اور دیگر رس بھرے پھلوں سے اٹے درخت۔

قدرت کی فیاضی اور فضل سے مالامال اس سنہری وادی کو دیکھ کر ابن بطوطہ اور رابنسن کروسو دونوں اچھنبے میں پڑ گئے۔ یہ وادی ابن بطوطہ کے شنگرِ یلا اور رابنسن کروسو

کے للّی پت سے زیادہ پراسرار تھی۔ وادی کی فضاؤں میں چاروں طرف مینار اور شوالوں سے مقدس اسمِ خاص، بانسری، شنکھ اور گھنٹی کی صدائیں گونج رہی تھی۔ یہ روحانی فضا دیکھ کر دونوں ٹراولر مخمور ہوگئے اچانک ان کا سامنا اس بستی کے پہلے باشندہ سے ہوا۔ ہٹا کٹا آدمی تھا اچھے کپڑے زیب تن کرر کھے تھے۔ بار بار وہ مقدس نام لے رہا تھا۔ اور نام لیکر عقیدت سے اپنا ہاتھ اپنی چھاتی کے بائیں طرف عین دل کے مقام پر رکھتا تھا۔ اس نے انتہائی ادب سے ان دونوں کو سلام کیا اور ان کا حال چال پوچھنے لگا۔ وہ اخلاقیات کا سر بسر ایک پیکر جاودانی نظر آرہا تھا۔ اسکی اخلاقیات سے دونوں ٹراولر متاثر ہوئے اور اسے اپنا گائیڈ بنانے کا فیصلہ کرلیا۔ دونوں خوش تھے کہ روحانیت سے لبریز اس بستی میں انہیں ایک خداترس بزرگ ملا تھا۔ جواب انکا رہبر یعنی گائیڈ ہونے جارہا تھا۔ انہوں نے اپنا ایک بیگ اس بزرگ کے حوالہ کیا اور ساتھ ساتھ آگے بڑھتے گئے۔ انہوں نے بزرگ سے اسکا نام پوچھا تو اس نے کہا کہ اسکا نام کرامت بابا پیر عرف ووستہ مومہ بأزی گر ہے۔ وہ دونوں اس نام کو سمجھ نہیں سکے۔ لیکن اعتماد کامل میں بس آگے بڑھتے ہی گئے۔ ایک موڑ مڑتے ہوئے انہیں احساس ہوا کہ جیسے کرامت بابا پیر عرف ووستہ ممہ بأزی گر ان کے پیچھے نہیں آرہا ہے! ابھی وہ چونکنے والے ہی تھے کہ ایک اور باریش بزرگ سامنے آگئے۔ اس نے دونوں کے ساتھ مصافحہ کیا۔ بغلگیر ہوگیا۔ دونوں ٹراولرز نے اس بزرگ سے کرامت بابا پیر عرف ووستہ ممہ بأزی گر کے بارے میں پوچھا تو بزرگ نے جواب دیا کہ اس خوبصورت وادی میں لگ بھگ 99 فیصد لوگ ہر صورت، ہر رنگ، ہر جسامت میں کرامت بابا پیر عرف ووستہ ممہ بأزی گر ہی ہیں؟ کیا سیاسی آوارہ گرد تو کیا مذہبی ریاکار، کیا خاتونِ لاپرواہ تو کیا مستور بے حجاب، کیا ساسو جان تو کیا سسر جی، کیا یور جی تو کیا ہم زلف کیا بھابی تو کیا بھیا جی، کیا مفتی صاحب تو کیا واعظ بے عمل، کیا ناصح تو کیا زاہد خشک، کیا سرخ رنگ والے دلگیر کے جھنڈے تو کیا تاروں والے بے تار کے رنگے سیار! اس وادی کے لوگ عورتوں کے مطیع ہو چکے ہیں اور ان سے احکامات وصول کرتے ہیں۔

یہاں کی خلقت کیا عالم کیا جاہل، کیا سیاستکار تو کیا کاشتکار، کیا عورت تو کیا مرد، سب ماضی میں رہتے ہیں؟ ماضی کو ہی اوڑھنا اور ماضی کو ہی بچھونا بنا رکھا ہے اور ماضی پر ہی گفت وشنید کرتے رہتے ہیں۔ حال کا مذاق اُڑاتے اور مستقبل کا کوئی ادراک نہیں۔ بلکہ ہر شیطانی خصلت، تکبّر، خیانت، بحث وتکرار، بخیلی، بے شرمی، بے غیرتی، رشوت خوری، دھوکہ دہی، چارسوبیسی، چغل خوری، عیب جوئی، غیبت کاہلی، حرص ولالچ، مکروفریب، حیلہ بہانہ، بہتان، تہمت وغیرہ کو حد سے ایڈوانس ہونے کی علامت سمجھتے ہیں۔

یہاں عالمان بے عمل، سیاسی آوارہ گردوں اور Dominating Women اور folk نے وقت کو پلٹ کر رکھ دیا ہے اور پیٹھ پیچھے غیبت نے وقت کے دھارے کو بھی پشت کی طرف موڑ دیا ہے۔ کسی کو کسی بات پر استقامت نہیں۔ استحصال نے پوری خلقت کو بے حال کر دیا ہے۔ لیکن مجال ہے کہ کوئی مائی کا لال شور مچائے۔

بزرگ نے کہا کہ اس خوبصورت وادی کے لوگ مفت خوری، ذخیرہ اندوزی اور گراں فروشی کے عادی ہیں۔ مسلسل بے غیرتی نے ان سے عقل وخرد چھین لی ہے۔ ایک گلی سے جنازے اٹھتے ہیں اور عین اسی وقت دوسری گلی میں امریکہ کے ڈیزی کٹر بموں سے بھی زیادہ شدت کے دھماکے کرنے والے پٹاخے سر کیئے جاتے ہیں۔ اس بستی کی بیشتر آبادی کو موبائیل فون نے بے کار کر کے رکھدیا ہے۔ ان کی زرعی، صنعتی، تجارتی حتیٰ کہ گھریلو کام کاج کرنے کیلیئے ان علاقوں سے ہنرمند آتے ہیں، جن علاقوں کی غلامی سے یہ لوگ آزادی چاہتے ہیں۔ انہی لوگوں کے بنائے کپڑے پہنتے، پیدا کی ہوئی اشیاء خوردونوش استعمال کرتے، حتیٰ کہ سوئی سے لیکر دوائی کی ٹکیہ تک کیلیئے ان پر منحصر ہیں۔ ہر کسی کی تقریر سننے جاتے ہیں۔ ہڑتال بھی کرتے ہیں اور بائیکاٹ بھی! رحمان کے ساتھ بھی ہیں ابلیس کے ساتھ بھی! نہ ہی ابلیس کے ساتھ ہیں اور نہ ہی رحمان کے ساتھ!

ابن بطوطہ اور رابنسن کروسو یہ حال سنکر گھبرا گیئے اور پوچھنے لگے کہ پھر یہ لوگ کس کے ساتھ ہیں؟ بزرگ نے جواب دیا کہ یہ لوگ انفرادی فائیدہ کے ساتھ ہیں۔ چاہئے گائے سے پورا

ہو یا خنزیر سے مدعا نکل آئے۔ اور گذشتہ چھ سو برسوں سے اسی حال میں ہیں۔ اب ظلمات کو ہی نور، گناہ کو ثواب، حرام کو ہی حلال اور ناجائز کو جائز سمجھنے لگے ہیں۔ یعنی زمانہ الٹی چال چل رہا ہے۔

اس بستی میں علم وعرفان کی جگہ شکم پروری نے لے لی ہے۔ بازاروں میں کتابوں کی دوکانیں نہ ہونے کے برابر ہیں جبکہ قصاب، شیر گجری، ماہی فروش، فاسٹ فوڈ کی دکانیں جابجا سجی نظر آرہی ہیں۔ اس بستی کے لوگ مذہب سننا اور کہنا بہت پسند کرتے ہیں۔ لیکن مذہبی ضابطوں پر عمل پیرا ہونے کو بے وقوفی سمجھتے ہیں۔

ہر بات پر جھگڑا اور بحث مول لیتے ہیں۔ بحث وتکرار ان کے خون کا ایک جز بن گیا ہے۔ جبکہ حلیمی، بردباری اور صبر وبرداشت سے اس بستی کے سکان کب کے ہاتھ دھو چکے ہیں۔ رشوت اور سفارشی کلچر نے پورے سماج کو اخلاقی طور پر دیوالیہ اور سوشل سسٹم کو فیل کر کے رکھ دیا ہے۔ راشی ڈھٹائی سے حرام کی کمائی کی نمائش کر کے پورے سماج کیلئے خود کو رول ماڈل بناتے ہیں اور سماج بھی انہیں خوشی خوشی رول ماڈل تسلیم کر کے دوسروں کے لئے بھی راہیں کھول دیتا ہے۔

حضرت علامہ کا ایک شعر ایک بار اس بستی میں گونجا تھا۔

دل کی آزادی شہنشاہی شکم سامان موت   فیصلہ تیرے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم

اور یہ طے ہے کہ اس بستی کے لوگوں نے شکم کے حق میں ووٹ دیا ہے۔ شکم کرب وبلا میں مبتلا کرتا ہے۔ اور اس وقت یہ پوری وادی کرب وبلا میں مبتلا ہے۔ لیکن شکم پروری کی وجہ سے یہ لوگ سمجھ نہیں پاتے کہ اللہ کے عذاب نے ان کو پکڑ لیا ہے!

یہ سن کر رابنسن کروسو اور ابن بطوطہ اپنا بچا کچھا سامان وہیں چھوڑ کر اسی دہانے کی طرف واپس بھاگے جہاں سے وہ وادی میں داخل ہو گئے تھے۔ پیچھے سے بزرگ آواز دے رہا تھا۔

ارے بھائیو کہاں جا رہے ہو اپنا کچھا اور موزہ بھی تو پھینکتے جاؤ۔

بہو بیگم

یہ ایک ایسی ہستی ہے جو سسرال آتے آتے ہی کئی القاب کی مالک بن بیٹھتی ہے۔ بیگم صاحبہ، بہورانی، بھابھی جان، ممانی جان، چاچی جان......اور اللہ نے فراعت کی تو اگلے برس ممی کے لقب سے بھی نوازی جاتی ہے۔

اثرات کے لحاظ سے بہورانی کی دو قسمیں ہیں: (۱)......باسعادت (۲)......بانحوست

اول نمبر کی بہورانیاں تو اب ناپید Extinct ہیں جبکہ بانحوست بہورانیوں کی تعداد میں دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی ہو رہی ہے۔ سسرال کیا آئیں کہ سویت یونین کی طرح سسرال ٹکڑوں میں بٹ گیا اور اپنے حصے کا بنگلہ دیش بنا کر یہ خود اس کی سلطان بن بیٹھی۔

تعلیم کے لحاظ سے بھی بہو بیگم کی کئی اقسام ہیں: تعلیم یافتہ، انپڑھ، انپڑھ تعلیم یافتہ اور تعلیم یافتہ انپڑھ بہو بیگم۔ تعلیم یافتہ بہو بیگم تو باسعادت بہو بیگم ہی کی طرح نایاب ہے البتہ دو فیصد بہورانیاں ان پڑھ بھی ہوتی ہیں۔ انپڑھ تعلیم یافتہ بہورانیاں بھی سماج کے ان طبقوں میں پائی جاتی ہیں جنہیں سماج کے ٹھیکہ داروں نے نچلا طبقہ قرار دیا ہے۔ البتہ تعلیم یافتہ انپڑھ بہورانیوں کی تعداد میں زبردست اضافہ ہوا ہے اور ان کی زیادہ تر تعداد سماج کے درمیانہ اور اونچے طبقے میں پائی جاتی ہے۔

زمانہ کے لحاظ سے بھی بہو بیگمات کی قسمیں ہیں: شہنشاہ دقیانوس زمانہ کی بہورانی، مہاراجہ ہری سنگھ کے وقت کی بہورانی جدید وقت کی بہورانی اور آخری قسم بہورانی کی وہ ہے جسے قہر خدا جدید بہورانی یعنی الٹرا ماڈرن بہورانی کہا جاتا ہے۔ اس بہورانی کے قدم زمین پر نہیں پڑتے اور یہ مستقبل کے خوابوں میں ہی بیشتر وقت گذارتی ہے۔ اس کے پاؤں میں ہر وقت مہندی لگی رہتی ہے جس کی وجہ سے آنے جانے کے قابل نہیں ہوتی۔ Transaction کے لحاظ سے بھی بہو بیگمات پائی جاتی ہیں۔

گبر سنگھ بہورانی: یہ شوہر کی جیب سے ایسے روپے نکالتی ہے جس طرح عید کے موقعہ پر جموں و کشمیر بینک کے ATM سے دھڑا دھڑ کرنسی نوٹ نکالے جاتے ہیں۔

قارونی بہورانی: یہ اتنی بخیل ہوتی ہے کہ نہ تو اپنے پیسے خرچ کرتی ہے اور نا ہی شوہر کو پیسہ خرچنے کی فرصت دیتی ہے۔

Employment کے لحاظ سے بھی بہو بیگمات کی کئی اقسام ہیں: خود کمانے والی Self reliant بہورانی۔ یہ کسی کو بھی خاطر میں نہیں لاتی اور اس کی آمد سے پورے سسرال قبیلہ کی ایسی حالت ہو جاتی ہے جیسی کہ افغان مجاہدین نے روسی فوج کی کی تھی۔

گھریلو بہورانی: یہ بہورانی دن بھر بے کار پڑی رہتی ہے۔ ٹنکی میں پانی موٹر سے بھرتی ہے۔ چٹنی اگر کبھی بنائی تو مکسی سے بناتی ہے۔ جھاڑو Vaccum کلینر سے لگاتی ہے۔ اور خود اپنا وقت لینڈ لائن فون پر سکھیوں مکھیوں سے بات چیت کرنے میں گزارتی ہے۔ موٹا بل دیکھ کر جب صاحب کا موڈ آف ہو جاتا ہے تو نوکر پر الزام لگا کر خود صاف بچ نکلتی ہے۔

صفات کے لحاظ سے بھی بہو بیگم کی کئی قسمیں ہیں:۔

باصفت بہو بیگم: اس طرح کی بیگمات 'ہانگل' کی طرح ہی ناپید ہونے کے قریب ہیں۔

بے صفت بہو بیگم: اسی فیصد بہو بیگمات اسی طبقہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ روشنی کم اور گرمی

زیادہ دیتی ہے۔دال کا بھگارا سے آیا نہیں البتہ بات بگھارنے میں یہ بہت ماہر ہے۔

لقمان بہوبیگم: یہ بہورانی ہر طرف نصیحت کرتی پھرتی ہے۔لیکن خود میاں فصیحت ہوتی ہے۔

خالصہ سرکار بہوبیگم: یہ بہوبیگم نہ سسرال میں ہوتی ہے اور نہ مائیکہ میں اور زیادہ تر اپنے اڑوس پڑوس والوں کے کام کاج میں مشغول ہوتی ہے تاکہ سماج میں عزت وآبرو کا مقام حاصل کرسکے۔اس پر اصل حق کس کا ہے۔اس کا فیصلہ آج تک نہیں ہوسکا۔لہٰذا حکماء نے اسے فی الحال خالصہ سرکار کے زمرے میں ڈالدیا ہے۔

لباس کے اعتبار سے بھی بہوبیگمات کی کئی اقسام ہیں:۔

(۱) کورابہ دارفرن اور شلوار بہوبیگم، (۲) فراک ایزار بہوبیگم، (۳) پاکیزہ سوٹ بہوبیگم، (۴) سلمٰی ستارہ دوپٹہ دار بہوبیگم، (۵) کانِ شال بہوبیگم وغیرہ وغیرہ۔

بہوبیگم کے Jewellerybox میں طرح طرح کے زیور موجود ہوتے ہیں۔کچھ Tata کے، کچھ Tanishq کچھ تاراسنگھ صراف کے ڈیزائن کے زیور لیکن آج تک کسی نے کسی بہوبیگم کے زیوربکس میں حیا کا زیور نہیں دیکھا۔

میک اپ کے لحاظ سے بھی بہوبیگمات کی درجہ بندی ہوئی ہے۔(۱) لپ اسٹک بہوبیگم، (۲) سرمہ کاجل بہوبیگم، (۳) سرخی وغازہ بہوبیگم (۴) اور رنگارنگ قسم کی پوڈر وکریم۔لیکن رنگ وفا کی کریم کسی بھی بہوبیگم کے سنگھار بکس میں نہیں۔

جسمانی لحاظ سے بھی بہورانیوں کی تقسیم ہوتی ہے:۔ جیسے کہ (۱) انز گردن بہوبیگم (۲) ہرنہ چشمہ بہوبیگم، (۳) سروقد بہوبیگم (۴) فرستہ قامت بہوبیگم، (۵) ابکھ چھان بہوبیگم، (۶) حبہ خاتون بہوبیگم (۷) اللہ دید بہوبیگم۔

لیکن ایسی بہوبیگم کشمیر میں آج تک پیدا نہ ہوئی جسکی یاد میں تاج محل بنایا جاسکے۔

چہرے کے تاثرات کے لحاظ سے بھی بہوبیگمات کی تعداد اچھی خاصی ہے: (۱) اداس

بہو بیگم: اسکے چہرے سے دن رات دیوداس کی طرح مایوس برستی رہتی ہے، (۲) ہنس مکھ بہو بیگم: اسکے چہرے پر چاروں پہر بغیر وجہ کے مسکراہٹ بکھرتی رہتی ہے اور دن بھر قہقہے لگا کر اپنی بتیسی دکھاتی رہتی ہے۔ (۳) Suspense یعنی مونالیزا بہو بیگم: اس ٹائپ کی بہو بیگم کے چہرے کے تاثرات بھانپنا بڑا ہی کٹھن مرحلہ ہے۔

پکوان پکانے کی ماہر بہورانی: چونکہ پکوان اب پریشر کوکر میں ہی پکتے ہیں۔ جس کے ساتھ پکوان بنانے کی ترکیب کا کتابچہ بھی ساتھ رہتا ہے۔ لہٰذا بڑے بڑے سراغ رسانوں کو بھی یہ اندازہ نہیں ہوتا ہے کہ بہورانی کا تیار کیا ہوا پکوان Original ہے کہ Duplicate، البتہ یہ بات طے ہے کہ یا تو نمک کم یا زیادہ یا پھر تیل کا کچاپن ضرور موجود ہوگا۔ Behaviour کے لحاظ سے تمام کی تمام بہورانیاں غیر تربیت یافتہ ہیں۔ اور اس معاملہ میں ان کی قدریں مشترکہ ہیں۔ کچھ فرق نہیں نام تیرا رضیہ ہو یا رادھا بہو بیگم ساس اور نند کی ازلی دشمن ہوتی ہے۔

ساس اور نند بہو بیگم کے قدرتی دشمن ہوتے ہیں۔ بہورانی کی اہم دوست پڑوسی کی بہورانی ہوتی ہے۔ یا پھر مائیکہ میں موجود بہورانی کی اصل ماں، مجال ہے کہ بہورانی مائیکہ میں موجود ماں المعروف آپہ ٹاٹھ کی ہدایت کے بغیر ایک سانس بھی لے لے۔ بہو بیگم نامی فلم کی پروڈیوسر ڈائریکٹر اصل میں اس کی ماں ہوتی ہے۔ لیکن Stunt اور مار دھاڑ کے مناظر سسرال والوں کو دیکھنے پڑتے ہیں۔ بہورانی یعنی ''نوش'' نے اپنے نقوش فرہنگ پر بھی ثبت کیئے ہیں۔ اور محاورے میں لائے ہیں۔

(۱) نوش آیہ رئیت زَن آس یتی (۲) نوش لِوہ نہ ہار کھورن تل ماری توس ہونڈ (۳) نوشہ ہندی تہ دوہ جوراہ تہ ہشہ ہندی تہ دوہ جوراہ۔ وغیرہ وغیرہ

بہورانی اگر خوف خدا سے کام لے اور دل میں اپنے فرائض کی دن رات یاد دہانی کرتی رہے تو سماج کا جنت بننا مشکل نہیں۔

سیمینار

یونیورسٹی میں اقبالیات پر ایک شاندار سیمینار ہو رہا تھا۔ اقبالیات کے ماہر کلام اقبالؔ پر زوردار مقالے پڑھ رہے تھے اور سامعین کی تالیوں سے ہال بار بار گرج رہا تھا۔ شعر پر شعر پیش ہو رہے تھے۔

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے

جو ڈالتے ہیں ستاروں پر کمند

شعر سنکر زبرون پہاڑی کی چوٹی مسکراتی جا رہی تھی۔ کہ سامعین میری چوٹی پر کمند نہیں ڈال سکے، ستاروں پر کیا کمند ڈالیں گے؟

کسی مقرر نے دوسرا شعر پیش کیا۔

رہے گا وادیٔ نیل وفرات میں کب تک

تیرا سفینہ کہ ہے بحرِ بیکراں کیلئے

یہ شعر سنکر اب جھیل ڈل مسکرایا، مسکراہٹ ہتک آمیز بھی تھی اور حسرتناک بھی۔ آہ بھرتے ہوئے سوچ بیٹھا، ان سامعین کا سفینہ بحرِ بیکراں تو کجا۔ میری محدود وسعتوں میں بھی

نہیں، اور دجلہ وفرات بھی اگر ان کی زد میں ہوتے تو میری ہی طرح Septic Tank بن گئے ہوتے۔

ایک اور مقرر نے ایک برجستہ شعر سنا کر ہال میں سامعین کو مسحور کر دیا۔

دل کی آزادی شہنشاہی شکم سامان موت

فیصلہ تیرے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم

بازار یہ سنکر مسکرا اٹھا اور سوچ بیٹھا کہ مجھ میں علم وحکمت اور دل کی آزادی کی دوکانیں ندارد اور سامانِ شکم کی دوکانیں لاتعداد۔ اس کا مطلب ہے کہ سامعین نے دل کے حق میں نہیں بلکہ شکم کے حق میں فیصلہ صادر کیا ہے۔

یہ دیکھ کر سیمینار بیچارہ بھی تھرتھرا اُٹھا کہ یہ مقررین اور سامعین آخر مجھے جگاتے کیوں ہیں؟

ہم بھی پڑھے لکھے ہیں کی رسم زمانہ نبھانے......!

غیب سے ندا آئی!!!!

بانکی مون

بالآخر اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل بانکی مون صاحب کی کاوشیں ثمر بار ہوئیں اور کشمیر مسئلہ کے اندرونی فریق ایک ہی میز پر بیٹھ کر مسئلہ کا متفقہ حل تلاش کرنے پر آمادہ ہوگئے۔

ہڑتال کرو کانفرنس کے اُسی گیۓ ناہ لسی ڈار نے حد درجہ ایثار کا مظاہرہ کرتے ہوئے کانفرنس کی صدارت کرنا مان لی۔

پوری دنیا حیران تھی کہ متضاد خیال رکھنے والے، خیال پر خیال بدلنے والے، مسئلہ کشمیر کو چوں چوں کا مربہ بنا کر رکھ دینے والے یہ مقتدر رہنما کیونکر ایک ہی میز پر بیٹھنے پر آمادہ ہوگئے۔

Home Land کانفرنس کے صدر پروفیسر معتبر طوطہ رام کا دعویٰ تھا کہ یگیہ وہون رچا کر اور موہنی منتر کا جاپ کر کر کے انہوں نے ہی اصل میں ان زعماؤں کے دلوں میں ایک دوسرے کیلئے شفقت پیدا کر لی ہے اور انہی کوششوں کا اعجاز ہے کہ یہ لوگ ایک ہی جگہ بیٹھنے پر آمادہ ہوگئے۔ جبکہ واہ واہ کانفرنس کے مفتی خضر آنکار نے اعلان کیا کہ انہوں نے قمرواری میں رہنے والے ایک جنہ پیر سے تعویذِ آسیب حاصل کر کے اسکی دھونی دی۔ جس سے یہ رنگارنگ عمائدین ایک ہی رنگ میں رنگ گئے۔

ادھر ہڑتال کرو کانفرنس کے مولانا اُسی گیہ ناسی ڈار نے انکشاف کیا کہ انہی کی

اپیل پر یہ لوگ ایک ہی قالین پر بیٹھنے پر آمادہ ہو گئے۔ جس طرح عوام انکی اپیل پر مجبوراً ہڑتال کرتے ہیں۔

ادھر آوارہ کانفرنس کے ماسٹر اسمال پیٹھ خرچ نے سرگوشیوں میں یہ راز کھولدیا کہ انہوں نے ہی فتح کدل کے کوزگر گھرانے سے کوزگر آب حاصل کر کے اسکا چھڑکاؤ کیا۔ جس کی وجہ سے ان رہبران قوم کے جگر سے حسد اور نفرت کی یرقان کو شفاء ہوگئی اور یہی وجہ ہے کہ یہ صحت یاب ہو کر ایک دوسرے کے گلے ملنے پر آمادہ ہو گئے۔

انجمن مفت خوران کے سرپرست خواجہ سائ دمکار نے اس عجوبہ کا کریڈٹ لیتے ہوئے اعلان کیا کہ انہوں نے ہی مشہور مصنف کلدیپ نائیر اور NDTV کی برکھادت کے ساتھ ملکر Backdoor ڈپلومیسی کی اور ان سب لیڈروں کو ایک ہی مالا میں پرونے میں کامیاب ہو گئے۔ غرض جتنے منہ اتنی باتیں تھیں۔ لیکن دنیا اس حیرت ناک عجوبے پر حیران بھی تھی اور خوش بھی۔ ماسکو میں عوام Vodka پیرس میں Champagne لندن میں وھسکی اسلام آباد میں بم اور گولیاں دلی میں لڈو اور سویڈن میں XXX فلموں کی CD غرضیکہ مقامی پسند کی اشیاء مفت تقسیم کی جارہی تھیں۔ ٹیلی ویژن، ریڈیو اور اخبارات خصوصی پروگرام نشر اور ضمیمے شائع کررہے تھے۔ سربراہاں مملکت ایک دوسرے کو مبارکباد کے sms روانہ کررہے تھے۔

بالآخر وہ ساعت حسین یعنی شبھ گھڑی آہی گئی جب اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل بانکی مون نے کانفرنس کو open کیا۔ درج ذیل ہستیوں نے اس میں شرکت کی۔

(۱) حلقہ بند خواتین کانفرنس کی صدر آپا فاتہ چھائی۔

(۲) ادارہ احمقان کے رہنما جناب لڈی شاہ۔

(۳) بے خبر کانفرنس کے چیئرمین ڈاکٹر کریم ننہ وور

(۴) سیاسی بازی گران پارٹی کے ووستہ مومہ بازی گر۔

(۵) Home Land کانفرنس کے صدر پروفیسر معتبر طوطہ رام۔

(۶) پتھراؤ کراؤ پارٹی کے سرپرست موقدم کاکُن ہاپت۔

(۷) واہ واہ پارٹی کے صدر واہ واہ شوہُن گوردول۔

(۸) پمپوش پارٹی کے پنڈت لبہ کول۔

اسکے علاوہ انفرادی مبصروں کی حیثیت میں مندرجہ ذیل اصحاب نے شرکت کی۔

(۱) مچامہ، (۲) رحمان ڈڈہ، (۳) سُلہ گوٹہ، (۴) کریم بیالوجی، (۵) نبر ہسٹری، (۶) رحمان کمپیوٹر، (۷) بشیر کمسٹری، (۸) رزاق Math، (۹) کلچہ خان، (۱۰) اکرام The worst افتتاحی تقریر کرنے کے بعد جب جناب بانکی مون نے فریقین سے مسئلہ پر تبادلہ کیا، تو ان کے پسینے چھوٹنے لگے، نبض کی رفتار تیز ہوگئی۔ بلڈ پریشیر up ہو گیا، بخار ایک سودس ڈگری اور حلق خشک ہو گیا اور اسکے ساتھ ہی وہ دھڑام سے فرش پر گر گئے۔ انہیں فوراً SMHS ہسپتال لے جایا گیا۔ لیکن حسب معمول وہاں کوئی ڈاکٹر موجود نہیں تھا۔ وہ Private پریکٹس کرنے اپنی Clinic گئے تھے۔ لہٰذا انہیں صورہ کے میڈیکل انسٹی ٹیوٹ لے جایا گیا۔ جہاں انہیں گلکوز (Glucose) چڑھایا گیا۔ Pace maker نصب اور اعصاب کو سکون دینے والی داوئی دی گئی۔ گھنٹہ دو گھنٹہ بعد ان کی طبیعت سنبھل گئی۔ اب Media کے لوگوں کو بھی ان سے بات کرنے کی اجازت ملی۔

BBC کے نمائندے نے سوال کیا۔

جناب آپ کی طبیعت کیوں اچانک بگڑ گئی۔

جناب بانکی مون نے جواب دیا کہ شرکاء سے بات کرنے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ یہ دنیا کا ہی اہم اور پیچیدہ مسئلہ نہیں بلکہ یہ کائناتی مسئلہ شدید ہے۔ شرکاء نے اتنے متضاد خیالات کا اظہار اور درجنوں حل تجویز کئے کہ اگر انکے تجویز شدہ حلات پر عمل کیا جائے تو نہ صرف تیسری بلکہ چوتھی اور پانچویں عالمگیر جنگ بھی چھڑ جائیگی۔ یہ تو گلوبل وارمنگ

کائناتی Black hole اور سیارہ زمین کے ساتھ مستقبل میں خلاء سے ٹکرانے والے Asteroids کے مسئلہ سے بھی شدید ترین ہے اگر سقراط بقراط ارسطو افلاطون، سعدی شیرازی، مارکوپولو، ابنِ بطوط، جالینوس، لقمان، فیثاغورث، مارکونی، آئینسٹائن بلکہ برہما ویشنو اور مہیش سبھی سر جوڑ کر بیٹھیں تو بھی تا ابد مسئلہ حل نہیں کرسکیں گے۔ لیکن حیرت اس بات پر ہے کہ اتنے متضاد اور مخالف خیالات رکھنے کے باوجود بھی یہ لوگ کس طرح ایک ہی میز پر بیٹھنے پر آمادہ ہوگئے۔ قریب ہی ''کوووک'' بھی بیٹھا تھا۔ اس نے معصومانہ انداز میں انکشاف کیا کہ جناب اصل بات یہ ہے کہ

نہ تو کوزگر آب سے نہ ہی جنہ پیر کے تعویذ گنڈے سے نہ ہی موہنی منتر سے اور نہ ہی Back door ڈپلومیسی سے یہ رہبرانِ فردوس برروئے زمین ایک ہی ٹھکانے پر ڈھیرا ڈالنے پر آمادہ ہوگئے!

بانکی مون نے حیرت سے پوچھا۔

پھر کیسے؟

''کوووک'' نے جواب دیا۔

حضرت اصل بات یہ ہے کہ کسی طرح سے یہ قومی راز Leak ہوگیا تھا کہ کانفرنس کے بعد حاضرین کی تواضع Wazwaan سے کی جائیگی اور ان کے فوٹو اخباروں میں شائع کیے جائینگے؟

بان کی مون یہ سنکر اچھل پڑے اور بولے

What is Wazwaan...? یہ تو مسئلہ طالبان، مسئلہ اسامہ بن لادن اور Aliens Mystery حل کرنے میں اہم وسیلہ ہوسکتا ہے۔

یہ کہہ کر پون ہنس ہیلی کاپٹر میں بیٹھ کر یہ جاوہ جا نیویارک 9+2 ہوگئے۔

کوئیل کا گوشت

الیکشن دور جدید کا سوئمبر ہے۔ اگلے وقتوں میں شہزادیاں ہاتھوں میں ورمالا لیکر قطار میں کھڑے شہزادوں میں کسی کو پسند کرتی اور گلے میں ورمالا ڈالتی۔ اب یہ کام Electronic مشین نے سنبھالا ہے اور وہ دوسرے کے پسند کئے ہوئے شہزادے کے گلے میں اقتدار کی ورمالا ڈالتی ہے۔ الہ شہر میں بھی ایسا ہی سوئمبر ہوا۔ اور اقتدار کی مالا ایک نابالغ کے گلے میں ڈالدی گئی۔ یوں طفلہ شود خانہ دار بھی ہوا اور خانہ شود برباد بھی۔ CNN انٹرنیشنل TV چینل کی ٹیم خانہ دار کے نوکر بکرم سنگھ کا انٹرویو لینے آئی۔ بکرم سنگھ گھر سے گھاٹ کی طرف جارہا تھا کہ CNN کی ٹیم اس کا راستہ روک کر کھڑے ہوگئی۔ اور اس کو اپنا مطلب ومدعا بیان کیا۔ بکرم سنگھ خوش ہوا کہ اس کا انٹرویو ساری دنیا کے TV سکرینوں پر آئیگا۔

CNN کے نمائندے نے سوال کیا۔

صاحب کتنے بجے جاگتے ہیں؟

جی سردیوں میں صبح 9 بجے اور گرمیوں میں 6 بجے۔

بکرم سنگھ نے جواب دیا۔

CNN : صاحب سب سے پہلے کیا کرتے ہیں؟

جی پہلے خفیہ محکمہ کے کوتوال کو فون کر کے پوچھتے ہیں کہ کیا ان کی پنچائیت کے ممبران ابھی تک انہی کے ساتھ ہیں یا پھر Bye pass پورہ کے موقدم کے ساتھ جا ملے ہیں۔

CNN : اور اسکے بعد؟

بکرم سنگھ : اس کے بعد صاحب ناشتہ کی میز پر بیٹھ جاتے ہیں۔

CNN : ناشتہ میں کیا کھاتے ہیں؟

بکرم سنگھ : Roasted دیسی مرغ یا تیتر م، دو انڈے کبوتر کے، ایک گلاس شہد ملا دودھ چار چپاتیاں Amul Butter لگائی ہوئیں۔

CNN : کبوتر کے انڈے کیوں؟

بکرم : جی کسی دیوان جرمنی داس صاحب نے اپنی کتاب ''مہاراجہ'' میں لکھا ہے کہ اگلے وقتوں کے راجہ مہاراجہ کبوتر کے انڈے کھا کر Passions کو Trim رکھتے تھے۔

CNN : بیگم صاحب بھی ساتھ ہوتی ہیں؟

بکرم سنگھ : جی نہیں وہ اس وقت سکھیوں مکھیوں کے ساتھ فون پر بات کر رہی ہوتی ہیں۔

CNN : فون کا بل صاحب بھرتے ہیں کہ بیگم صاحبہ؟

بکرم : جی کوئی نہیں بلکہ خزانہ محکمے والے بھرتے ہیں۔

CNN : صاحب کے کپڑے کون Press کرتا ہے؟

بکرم : جی صاحب خود کرتے ہیں۔ اور بیگم صاحبہ کے کپڑے بھی وہی Press کرتے ہیں۔

CNN : صاحب Lunch میں کیا کھاتے ہیں؟

بکرم : صرف پنجابی کھانے......

سرسوں دا ساگ مکا دی روٹی تے نالے لسی دا گلاس تو خوب پیتے ہیں۔

CNN : صاحب سے کوئی ملنے آتا ہے؟

بکرم : دن میں تو ٹھیکہ دار، انجینئر، سرکاری حاکم اور جماعت کے لوگ آتے ہیں۔

لیکن شام ڈھلے مخالف پارٹیوں کے عہدیدار چھپتے چھپاتے آتے ہیں۔

CNN : چھپتے چھپاتے کا کیا مطلب ہے؟

بکرم : جو لیڈر عام طور پر شیروانی پہنتا ہے وہ فرن ڈالکر آتا ہے۔

فرن ڈالنے والا کمبل اوڑھ کر آتا ہے۔

سوٹ ٹائی پہننے والا لداخی چوغہ پہن کر اور قراقلی پہننے والا صاحب ٹوپی ڈالکر آتا ہے اور سلمان خان کے ''تیرے نام'' والے Hair Style والا مست ملنگ کی Wig پہن کر آتا ہے۔

توبہ توبہ سی این این کا نمائندہ گھبرا گیا۔ لیکن پھر گلا صاف کر کے بولا:

اچھا یہ بتاؤ صاحب کو تحفے آتے ہیں۔

بکرم : جی صاحب وہ بھی چھپتے چھپاتے۔

CNN : مطلب؟

بکرم : مطلب یہ کہ مٹھائی کے ڈبہ میں کرنسی نوٹ اور رواز وان کی دیگچی میں اشرفیاں ہوتی ہیں۔ Thermo flask میں گولکنڈہ Wine اور Lunch box میں لڈو پیڑے آتے ہیں۔

CNN : صاحب کوئی فون کرتا ہے؟

بکرم : جی بہت فون آتے ہیں۔

CNN : کوئی ایک دو نام بتاؤ۔

بکرم : حسینہ، قرینہ، خزینہ وغیرہ وغیرہ۔

CNN : فون کے بعد صاحب کیا کرتے ہیں؟

بکرم : جی وہ سیکورٹی والوں کی نظر بچا کر پچھلی دیوار پھلانگ کر کہیں چلے جاتے ہیں اور دو چار گھنٹوں کے بعد ہی واپس آتے ہیں۔

CNN : بیگم صاحبہ نہیں پوچھتی کہ وہ کہاں جاتے ہیں؟

بکرم : جی پوچھتی تو ہیں۔ لیکن صاحب اسے National Security کا گہرا Secret کہہ کر انکو خاموش کرتے ہیں۔

CNN : بیگم صاحبہ بھی کبھی فون کرتی ہے؟

بکرم : جی ہاں وہ آج ہی وزیر وزارت کو فون کر رہی تھیں کہ جدھر جدھر صاحب کے رشتہ دار رہتے ہیں ان علاقوں میں کرفیو لگا دو۔ اور جدھر جدھر میرے رشتہ دار رہتے ہیں ادھر نشاط اور شالیمار باغ لگوا دو۔

CNN : اچھا یہ بتاؤ بیگم صاحبہ کیا کھاتی ہیں۔

بکرم : شہد اور شبنم ملا کر پیتی ہیں۔ کوئیل اور بلبل کا گوشت کھاتی اور ہرن کا دودھ پیتی ہیں۔

CNN : کوئی کام بھی کرتی ہیں؟

بکرم : ایک تو فون پر بات کرتی ہیں اور ریشمی بستر پر آرام کرتی ہیں۔

CNN : صاحب کتنا کھاتے ہیں؟

بکرم : جب تقریر کرنے جانا ہوتو بہت Heavy lunch کر کے جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آج سیدھے سادھے لوگوں کے پاس لفظوں کی گولہ باری کرنی ہے۔ لہٰذا تو انا جسم اور آسمانی Stemina چاہیئے اور جب CNN BBC کو انٹرویو دینا ہوتو ہلکا Break Fast کرتے ہیں۔

CNN : ایسا کیوں؟

بکرم : صاحب کہتے ہیں کہ آج تو Ghost writer کی لکھی تقریر بھی نہیں چلے گی۔ کیمرہ جو لگا ہوا ہے اگر معدہ بھرا ہونے سے کوئی thick بات نکل گئی تو ساری دنیا میں خجل ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔

CNN : کوئی خاص آدمی صاحب کو فون کرتا ہے؟

بکرم : جی ہاں کوئی صاحب ہیں کوئی ٹیڑھا میڑھا سا نام ہے۔ ہاں ہاں یاد آیا ان صاحب کا نام مسئلہ کشمیر ہے۔ وہ ایک دن صاحب سے بات کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے گبر سنگھ تمہارے سارے عیش میری وجہ سے ہیں۔ میرا کچھ خیال رکھتے ہو۔

CNN : تو صاحب نے کیا جواب دیا۔

بکرم : صاحب نے کہا ٹھا کر میں نے تو تیرے دونوں بازو پہلے ہی کاٹ کر رکھ دیئے ہیں۔ تو کیا کرے گا...... پھر بھی تیرا زندہ رہنا میرے لئے بہت ضروری ہے۔ لہٰذا تیرے لئے دعا کرتا ہوں۔

CNN : کونسی دعا دی

بکرم : تم جیو ہزار برس
ہر برس کے دن ہوں پچاس ہزار۔

تماشہ

ادھر چلو، اُدھر چلو، شمال چلو، جنوب چلو، لار چلو دار چلو، فائرنگ کریک ڈاؤن، آپریشن Catch & Kill آپریشن ترشول، بائیکاٹ کرو، ووٹ ڈالو، رگڑ ارگڑ او غیرہ وغیرہ ہیجان انگیز حالات میں سستی تفریح کے چند لمحے شداد کی جنت میں پہنچا دیتے ہیں۔

ایسے ہی چند لمحات تماشہ گیران کشمیر کو اس وقت میسر آئے جب نمائش گاہ میں ایک مداری نے اپنی گٹھڑی کھولدی۔ بانس کی ٹوکری میں ایک سانپ اور ایک لڑکے کو چہرہ بہ آسمان کر کے اس کی اوپر ایک سیاہ Sheet ڈال دی تھی۔

دائیں ہاتھ میں ڈفلی اور بائیں ہاتھ سے بانسری بجانے لگا۔ عجب سی Combination تھی۔ ڈفلی پر ''جھنک جھنک پایل باجے'' اور بانسری پر Slum Dog کے گیت کی Tune بج رہی تھی۔ ڈفلی اور بانسری کی یہ Tune سنکر تماشہ بازانِ کشمیر ایک دم اپنی اپنی Work Place سے اٹھ کر جوق در جوق مداری کے گرد ایک حلقہ بنا کر کھڑے ہو گئے۔ مداری بھیڑ جمع ہوتے دیکھ کر بہت خوش ہوا اور ڈفلی زیادہ زور سے بجانے لگا۔ ڈھک...... ترڈاترڈ......ڈھگ ......ترڈاترڈ......ڈھک

اچانک بانسری اور ڈفلی بجانا بند کر کے وہ سیاہ چادر میں لپٹے لڑکے سے بات

کرنے لگا۔

جمورے

آواز آئی ''ہاں''

میں کون؟

''عامل''، جمورے نے جواب دیا۔

تو کون؟

''معمل''

جو پوچھونگا بتلاؤ گے؟

بتلاؤں گا......

جمورے کا جواب تھا۔

اچانک مداری بھیڑ کی جانب مڑا اور ایک شخص کی طرف اپنی بانسری سے اشارہ کیا......

یہ کون ہے؟

یہ حلقہ پریزیڈنٹ ہے۔

جمورے نے جواب دیا......

کونسی پارٹی کا؟

مداری نے پوچھا

یہ اتنی بار پارٹی تبدیل کر چکا ہے کہ اب کہنا مشکل ہے کہ کونسی پارٹی کا ہے۔

جمورے نے جواب دیا۔

اپنے بارے میں مزید انکشاف سُننے سے پہلے ہی وہ آدمی بھیڑ میں سے نکل کر کھسک گیا۔

اس کے بعد مداری نے ایک اور آدمی کی چھاتی پر اپنی بانسری رکھ دی اور جمہورے سے پوچھا۔

یہ کون؟

حاجی صاحب۔

کتنے حج کیۓ؟

تین (3)

اس کی جیب میں کیا ہے؟

مداری نے پوچھا۔

جھمکے اور لپ اسٹک۔ جمورے نے جواب دیا۔

گھروالی کے لئے، مداری نے پوچھا؟

نہیں باہر والی کے لئے۔ جمورے نے جواب دیا۔

اتنا سنتے ہی وہ باریش ولباس آدمی بھی کھسک کر رفو چکر ہو گیا۔

اس کے بعد مداری نے سوٹ میں ملبوس ایک شخص کی چھاتی پر اپنی بانسری رکھ دی اور پوچھا۔

یہ کون ہے؟

یہ ڈاکٹر ہے

کہاں کام کرتا ہے۔ مداری نے پوچھا؟

یہ مہاراجہ آفتاب سنگھ ہسپتال میں کام کرتا ہے۔

جمورے نے جواب دیا۔

یہ ڈیوٹی کے اوقات کے دوران یہاں کیا کر رہا ہے؟

مداری نے پوچھا۔

یہ پرائیویٹ پریکٹس کرنے جا رہا ہے۔

جمورے نے جواب دیا۔

اسے حاکم ڈیوٹی غیر حاضر رہنے پر نہیں پکڑتا؟

مداری نے پوچھا۔

اس نے حاکم کو ہی پکڑ رکھا ہے۔

جمورے نے جواب دیا۔

اسکے ساتھ کون کھڑا ہے؟

مداری نے پوچھا۔

نقلی دوائیاں بیچنے والا۔

جمورے نے جواب دیا۔

اس کو ڈرگ کنٹرول والے نہیں پکڑتے؟

مداری نے پوچھا۔

اس نے Drug Control والوں کو ہی پکڑ کر رکھا ہے۔

جمورے نے اطلاع کر دی۔

"یہ کون ہے"

مداری نے ایک اور شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

یہ کلینکل لیبارٹری اور ECG کرنے والے ہیں۔

یہ یہاں کیا کر رہے ہیں؟

یہ ڈاکٹر صاحب کے ساتھی ہیں۔ اور دال روٹی ڈاکٹر صاحب کی مہربانی سے کما رہے ہیں۔

جمورے نے Inform کیا۔

وہ کیسے! مداری نے حیران ہو کر پوچھا؟

ڈاکٹر صاحب نزلہ زکام کے مریض کو بھی ان سے Test اور ECG کرانے کو کہتا ہے۔

اچھا جمورے اب آخری سوال۔

یہ ہڈیوں کا ڈھانچہ Skelton کس Dead Body کا ہے؟

بھیڑ میں کھڑے ایک انتہائی لاگر انسان کی طرف مداری نے اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

یہ Skelton مردے کا نہیں زندے کا ہے۔

جمورے نے مداری کو پریشان کر دیا۔

مداری نے حیرت سے اس نحیف آدمی کی چھاتی کے ساتھ اپنا کان لگایا۔ وہ سانسوں کے چلنے کی دھیمی سرسراہٹ اور دل دھڑکنے کی مدھم آواز سن رہا تھا۔

کمال ہے مداری سوچنے لگا کہ اس بستی میں لاشیں بھی سانس لیتی ہیں۔

اس نے جمورے سے پوچھا۔

اچھا یہ سانس لیتا ہوا آدمی کب دھڑام سے گر کر قبر میں چلا جائے گا۔

جس دن ڈاکٹر صاحب کا علاج مکمل اور نقلی دوائیوں کا بل آ جائے گا۔

مقابلہ

شرایط

(۱) اس انعامی مقابلہ میں صرف سیاست کار حصہ لے سکتے ہیں۔

(۲) صرف وہی سیاست کار حصہ لے سکتا ہے۔ جس نے سیاست کی تجارت شروع کرنے کے بعد سے پارٹی اور نہ ہی کبھی اپنا موقف بدلا ہو۔

(۳) صرف اسی پارٹی کا سیاست کار حصہ لے سکتا ہے۔ جس پارٹی کا نام کبھی بدلا نہ ہو۔

(۴) اس پارٹی کا سیاست کار بھی اس مقابلہ میں حصہ نہیں لے سکتا جو اقتدار کے حصول کے لئے مرکز یا ریاست میں متضاد نظریات رکھنے والی سیاسی پارٹیوں کے ساتھ آئے دن لچہ و آٹھ کرتی آئی ہو۔

(۵) وہی سیاست کار حصہ لے سکتا ہے جو طبعی کے علاوہ سیاسی اعتبار سے بھی بالغ ہو۔

(۶) ہر سوال کے نیچے مختلف جواب دیئے گئے ہیں۔ صحیح جواب پر نشان لگا دیں۔ نشان پنسل سے نہیں بلکہ Ink Pen سے لگائیں۔ کیونکہ سیاست کار بار بار ربڑ کا استعمال کر کے جواب بدلتے رہتے ہیں۔ جس سے پرچے جانچ کرنے والا Confuse ہو جاتا ہے۔

(۷) آخری سوال حل کرنا لازمی ہے۔

وقت تین گھنٹے۔

سوال (1) : کیا کشمیر کا الحاق ہو چکا ہے۔ اگر ہوا ہے تو کس کے ساتھ؟

(1) بھارت (2) پاکستان (3) آزادی (4) سیاست کار اور اس کے گھر والے (5) سی، آر، پی، ایف (6) بی، ایس، ایف۔

سوال (2) : ۲۹/۱۵ کونسی مخلوق کا Code Name ہے اور کس زمانہ میں کشمیر میں پائی جاتی تھی۔

1955 1965 1975 1985 1995

سوال (3) : اس مخلوق کا عام فہم کیا نام تھا؟

سری والی کٹشر خوفتن فقیر گوگہ

سوال (4) : کشمیری گھرانوں میں چاول کون چنتا ہے؟

(۱) آپہ ٹائٹھ (۲) نوش (۳) ٹوٹھ (۴) بہاری مزدور (۵) ہمسایہ کی بہو

سوال (5) : کشمیری سبزی ''ہاکھ'' وافر مقدار میں کہاں پیدا ہوتا ہے؟

کپواڑہ خانیار رام بن اُدھمپور جموں بھدرواہ

سوال (6) : کشمیری بازاروں میں دستیاب مچھلی کس دریا یا جھیل سے آتی ہے؟

جہلم راوی جھیل ڈل بھاکڑہ ننگل ڈیم شیو ساگر ڈیم

سوال (7) : شیش ناگ اور کوکرناگ کے قریب رہنے والے استقبال بارات میں کہاں کا پانی مہمانوں کو نوش کرنے کے لئے دیتے ہیں؟

کوثر ناگ پٹیالہ جالندھر پونا دریائے لدر

سوال (8) : کس ریاست کے پولیس افسر نے ایک ہی رائیفل گیارہ گھرانوں سے برآمد کر کے بہادری کا میڈل حاصل کیا؟

جھارکھنڈ چھتیس گڑھ تری پورہ منی پور جموں وکشمیر

سوال (9) : 370 کی اصل تعداد کیا ہے؟

30 کم 400 300 اور سات دہئی

سوال (10) : دی گئی اشیاء میں کونسی شے پہلی اولا دیعنی آدنک گوبُر کو دینے کی وصیت کی گئی تھی۔

(ا) غیر منقولہ: مثلاً عمارات وقطعہ اراضی وباغات (۲) منقولہ: مثلاً سونا چاندی شال دوشالے (۳) بھیڑ بکریاں، مویشی ودیگر چوپائے

سوال (11) : سیاست کار نے اپنی میت کس ذخیرہ آب کے حوالہ کرنے کی وصیت کی تھی؟

خلیج بنگال بحیرہ مردار بحیرہ عرب جھیل وُلر بحرِ اوقیانوس

سوال (12) : کونسا پہناوا سیاسی آپہ ٹا ٹھا اپنے گلے سے کبھی نہیں اُتارتی؟

شال سکارف دوپٹہ چادر گلوبند

سوال (13) : کونسے ملک میں جنگ آزادی لڑتے لڑتے بھگت سنگھ اور لیبیا کے عمر مختار کی طرح سولی پر لٹکنے کے بجائے شاندار شاپنگ مال اور Plaza کے مالک بن جاتے ہیں؟

چین روس بھارت نیپال سری لنکا

سوال (14) : کس ریاست میں ایک سیاست کار نے سیاست سے تین بار سنیاس

لینے کا اعلان کیا۔ لیکن اس کے بعد پانچ بار الیکشن لڑ بیٹھا؟

میگھالیہ کیرالہ تامل ناڈو مہاراشٹر جموں وکشمیر

سوال (15) : کونسی ریاست ہے جہاں سب سے زیادہ زرعی اور صنعتی پیداوار ہوتی ہے۔ لیکن ہڑتال ایک بھی نہیں؟

اُڑیسہ پنجاب ہریانہ راجستھان جموں وکشمیر

سوال (16) : کونسی ریاست ہے جہاں معمولی زرعی پیداوار اور No صنعتی پیداوار ہوتی ہے۔ لیکن ہڑتالیں حاتم طے کی سخاوت سے ہوتی ہیں؟

پنجاب اُترپردیش آندھراپردیش کیرالہ جموں کشمیر

نوٹ :- ہر صحیح نشان پر 5 مارکس ملیں گے۔

مارکس کی درجہ بندی یوں ہے۔

50 سے کم نابکار

50 سے زیادہ لیکن 55 سے کم اوسطہ

55 سے زیادہ لیکن 65 سے کم بہتر

65 سے زیادہ لیکن 75 سے کم بہترین

75 سے زیادہ افضل ترین

افضل ترین Position حاصل کرنے والے کو گوسفند کشمیر کا خطاب دیا جائے گا۔ کیونکہ ایک عرصہ سے اس قوم نے کسی سیاست کار کو خطاب نہیں دیا ہے، جسے سننے کے لئے قوم کے کان ترس رہے ہیں۔

دِل شکن

لوہار ہتھوڑے پھینک سیایہ میں جا کر بیٹھ گئے۔ توبہ توبہ ایسا سخت دل آج تک نہیں دیکھا۔ ہم نے آج تک فولادی دیواریں، پرانے فوجی ٹینک، ٹرک توپیں ان ہتھوڑوں سے چکنا چُور کر ڈالے۔ لیکن یہ دل ہے کہ راجہ اندر کے محل کے کواڑ کی طرح ٹوٹنے کا نام ہی نہیں لیتا۔ ستم ظریف بھی ساتھ ہی کھڑا تھا وہ نزدیک گیا اور دیکھنے لگا کہ وہ کونسی چیز ہے جسے لوہار کے بھاری بھر کم ہتھوڑے بھی نہیں توڑ سکے۔

اتنی دیر میں ان کا ووستا بھی آیا۔ وہ بھی یہ دیکھ کر مایوس ہو گیا کہ ابھی تک وہ اس چیز کو توڑنے میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔ وہ دل کی شکل کا ایک معدنی ٹکڑا تھا۔ جسے توڑنے کی کوششیں ہو رہی تھیں۔

ستم ظریف نے ان سے پوچھا کہ یہ کس کا دل ہے جسے وہ توڑنے کی کوشش کر رہے ہیں؟ اور کیوں دل کو توڑنا چاہتے ہیں؟ ووستا نے جواب میں کہا کہ جناب یہ کشمیری کا دل ہے صدیوں سے سیاسی انتظامی، ثقافتی تعلیمی، روحانی اخلاقی، معاشی استحصال کا شکار ہے اور گذشتہ بیس برسوں سے اس کی ابتر حالت اور دگرگوں ہو چلی ہے۔ مار دھاڑ، کرفیو، محاصروں، توڑ پھوڑ، اخلاقی بے راہ روی سماجی پسماندگی، بے روزگار و بے کاری، فحاشی

وعریانت رشوت ستانی وغیرہ نے اس کو بدحال کرر کھا ہے۔کوئی حکیم یا ڈاکٹر نہیں جو اسے اس ابتر حالت سے نجات دلا سکے۔اب جناب حکیم لقمان صاحب کسی بزرگ کے خواب میں آئے تھے انہوں نے تشخیص کی ہے کہ اگر اس کا دل ٹوٹ جائے تو اسی میں اس کے مسائل کا فارمولہ پوشیدہ ہے۔لہٰذا جناب وہ فارمولہ حاصل کرنے کے لئے اس دل کو توڑنے کی کوشش کرر ہے ہیں۔

ووستہ نے اپنے ژاٹھوں کو ہدایت دی کہ وہ اس دل کو پانی میں بھگو کر دیکھیں۔ کیا خبر کہ نرم ہو کر ٹوٹ جائے۔ووستا ہم نے اسکو شہداء کے وارثوں کے آنسوؤں کے پانی میں بھگویا شہیدوں کے خون میں رات بھر بھگو کر رکھا۔لیکن یہ ٹوٹتا نہیں ہے۔ تیزاب، پٹرول ڈیزل سبھی آزمائے لیکن بے کار۔ووستا ہم نے اسے مٹی کے تیل ڈیزل پٹرول روغن بادام وزیتون دیسی گھی ڈالڈا گھی خمیر بنفشہ حتیٰ کہ تیزاب کی طرح کے Liquids میں ڈالکر دیکھا لیکن یہ نرم پڑنے کا نام ہی نہیں لیتا۔اب میں بھی سخت حیران ہوا کہ ککڑی کے وانٹھ جیسا چھوٹا دل اور اتنا سخت......شاید اسے توڑنے کے لئے بارودی سرنگ کا دھماکہ کرنا پڑے۔ بارودی سرنگ کا دھماکہ بھی کر دیکھا لیکن دل وہی اندر کے کواڑوں کی طرح بند ہی رہا۔ذرا آگ میں ڈالکر دیکھو......سنا ہے لوہا آگ میں نرم پڑ جاتا ہے۔میں نے تجویز پیش کی۔

جناب ہم اسے ۶ ہزار ڈگری جو کہ سورج کل گرمی کے برابر ہے میں بھی ڈالکر دیکھ چکے ہیں، لیکن یہ دل پگھلتا نہیں ہے۔کیا یہ پتھر کا ہے میں نے پوچھا۔

نہیں جناب یہ کسی ایسی Metal کا ہے......جو علم آہنگری کے مطابق سیارہ زمین پر پائی نہیں جاتی۔شاید Planet of Apes یا پھر Planet of ghost پر اس قسم کی معدنیات پائی جاتی ہو۔کیوں نہ پھر اس دل کو امریکی خلائی ادارہ NASA روانہ

کریں تاکہ وہ اپنی لیبارٹری میں اسکا تجربہ کرکے بتاسکیں کہ یہ معدنیات کس Planet پر پائی جاتی ہے۔

اتنے میں **ووستہ کھار** کا بیٹا دوڑتا ہوا آیا اور بولا سنا ہے کہ صدمات سے انسان کا جگر خون ہو جاتا ہے اور اسکے بعد ہی اسکا دل ٹوٹ جاتا ہے۔

جس طرح ہمارے سکول کی کتاب میں Home they brought her warrior dead میں صدمہ بیان کرکے Warrior کی بیوہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی ندیاں بہی تھیں۔ تجویز پسند آئی اور صدمات کا ذکر کیا جانے لگا۔

تیرے لاکھوں فرزند بھائی بند شہید اور زخمی ہو چکے ہیں۔ ہزاروں لاپتہ، جیلوں اور انٹروگیشن سنٹروں میں بند ہیں۔ ہزاروں عصمتیں لٹ چکی ہیں، بستیاں اجڑ گئی ہیں۔ تیرے کھیت کھلیان ویران ہیں۔

تیری Micro Economy پر غیر مقامی لوگوں کا قبضہ ہے اور وہ دن دھاڑے تیری جیب کُتر رہے ہیں۔

ہم سب ملکر دل کے پگھلنے کا انتظار کرنے لگے۔ لیکن ذرا بھی اثر نہیں ہوا۔

آخری کوشش کیلئے نوحہ دار خبر سنانی شروع کی۔ تیرے بچوں کو نشیلی ادویات کے بعد اب HIV AIDS نے نگلنا شروع کیا ہے اور گذشتہ دنوں ہی پانچ ایسے بچوں کی نشاندہی ہوئی ہے۔ جو کہ Ice Berg کا صرف TIP ہے۔

میں سوچ رہا تھا کہ یہ دل نازک سنگین دل کیسے بنا۔ تو نزدیک ہی ایک Pseudo تاریخ دان نے فلسفیانہ انداز میں کہا کہ تو اریخ کا مارا ہوا دل ہے۔ مغل سکھ پٹھان ڈوگرہ ظلم نے اس دل کو دلِ سنگین بنا دیا۔

میں سوچ میں پڑ گیا...... افریقہ اور دیگر دل بھی ہیں جن پر ظلم ہوئے یا تو مٹ کر جزائے ایمان ہوگئے یا پھر غازی بنکر سرخرو ہوئے یہ دل کب تک یادِ ماضی عذاب کی رٹ رٹتا رہے گا؟ میں گھبرا کر سیاسی لیڈر کے پاس گیا اور اسے شہداء کے خون کا واسطہ دیکر دلِ سنگین کو ملائم کروانے کی گذارش کی سیاسی لیڈر نے موگامبو سٹائیل پر قہقہہ لگایا۔ اسکے زنگ آلودہ جبڑے صاف نظر آرہے تھے۔

اس نے شعر عرض کیا۔

شہید کی جو موت ہے وہ میری حیات ہے
شہید کا جو خون ہے وہ میری اولاد کی زکواۃ ہے

میں واپس لوٹ کر آہنگر کے پاس آیا۔ وہ غور اور دلچسپی سے دل کی جانب دیکھ رہے تھے۔ دل کی ایک جانب سوئی کے سوراخ کے برابر ایک سوراخ نمودار ہوا۔ اس میں سے آواز آئی۔ اے خدا کے نیک بندو مجھے محض اللہ کے واسطے بتاؤ میں کب عالی شان کوٹھی تعمیر اور بیٹے کی شادی پر عظیم وازہ وان کی مجلس آراستہ کروں گا اور ہاں لِللہ مجھے یہ خوشخبری بھی سناؤ کہ اگلی ہڑتال کب ہونے والی ہے؟

یہ کہتے ہوئے دل نے قہقہہ لگایا اور وہ سوراخ بھی بند ہو گیا کبھی نہ کھلنے کیلئے۔

نرگسیت

سیاست کار کی صحت خراب ہوگئی تھی۔ معجون شباب اور شربت عہد جوانی نے اب اثر دکھانا کم کیا تھا۔ نہ ہی 70+ کی انرجی کیپسول کوئی چمکتار دکھا رہے تھے۔ حکیم اجمل خان کا کشتہ فولادی بھی اب بے اثر ہوکر رہ گیا تھا۔ سیاست کار مایوس ہورہا تھا۔ گھبرا رہا تھا۔ اب اپنا استقبال کیسے ہوتے دیکھے گا؟ اپنی جے جے کار کے دلفریب نعرے کیسے سُن پائے گا۔ بیان کیسے جاری اور کیونکر اخباروں میں اپنی فوٹو دیکھ سکے گا۔ کیا جتن کرے گا اپنی اولاد کو Settle کرنے کے لئے غیر ملکی دورہ کیسے کریگا؟ اپنی جوانی Regain کرنے کے لئے اس نے فیصلہ کیا کہ سر سے پیر تک اپنا علاج کروائے گا۔ پہلے نمبر پر اسکا سر ہی آتا ہے۔ زندگی بھر کی سیاست گری نے اس کو یہ تجربہ کرایا تھا کہ Relevent رہنے کے لئے ضروری ہے کہ سر سلامت رہے کیونکہ اس نے یہ بات بھی نوٹ کی تھی کہ اخباروں میں اس کے صرف سر کے ہی فوٹو چھپتے ہیں۔ لہٰذا وہ سر کے مجموعی ڈاکٹر یعنی Nose-Ear Tongue اور Eye سرجن کے پاس گیا۔ اسکے ساتھ اسکی سیکورٹی دیکھ کر سرجن اندازہ نہیں لگا سکا کہ یہ سیاست کار تحریک نواز ہے کہ تحریک مخالف کیونکہ سیکورٹی سرکار کی دونوں کو ملی ہوئی ہے۔

ڈاکٹر نے سیاستگر کو مریض کی کرسی پر بٹھا دیا۔ سیاستگر نے ڈاکٹر سے کہا جناب آنکھ کان زبان اور ناک کا معائینہ کروانا ہے۔ کیونکہ دیکھنے سننے بولنے اور سونگنے کی قوت

میں کمزوری آئی ہے۔ڈاکٹر نے کہا ٹھیک ہے پہلے آپکی آنکھوں کا معائینہ کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی عینک کا فولادی ڈھانچہ اس کی آنکھوں پر چڑھا دیا اور دونوں طرف کی آنکھوں میں Lenses ڈال دیئے اور سامنے دیوار پر لگے ہوئے بورڈ کی طرف دیکھنے کی ہدایت دی۔دیکھئے سامنے بورڈ پر چار تصویریں لگی ہیں۔انہیں پہنچانیے کہ کون تصویر کس کی ہے؟

(۱) ایک نمبر پر سیاست کار کے حریف کی تصویر تھی

(۲) دوسرے نمبر پر خود سیاست کار کی فوٹو تھی۔

(۳) تیسرے نمبر پر شہید کی تصویر تھی۔

(۴) اور چوتھے نمبر پر جیل میں بند ایک نوجوان تھا۔

سیاست گر نے غور سے بورڈ کی طرف دیکھا پھر بولا، ڈاکٹر مجھے دو نمبر کی تصویر نہایت صاف نظر آرہی ہے۔باقی تین بالکل نظر نہیں آتی۔ڈاکٹر نے بورڈ کا منظر نامہ بدل دیا۔اب اس پر ایک ہی ساخت، شے اور جسامت کے برتن نظر آ رہے تھے۔

(۱) پہلے برتن میں پانی تھا۔

(۲) دوسرے میں شہید کا خون

(۳) تیسرے میں وازہ وان

(۴) اور چوتھے میں مساکین کے آنسو تھے۔

ڈاکٹر نے سیاستگر کی طرف دیکھا اور عینک کے Lenses تبدیل کر دیئے۔ان برتنوں میں آپ کو بتانا ہے کہ کس میں کونسی شے ہے۔سیاست کار غور سے برتنوں کی طرف دیکھنے لگا پھر اچھل کر بولا جناب تیسرے نمبر میں وازہ وان ہے۔وہ بالکل صاف نظر آرہا ہے۔باقی برتنوں میں کیا ہے مجھے کچھ نظر نہیں آیا۔

ڈاکٹر نے پھر بورڈ کا منظر نامہ تبدیل کر دیا، اب اس پر چار قمیضیں لٹک رہی تھی۔

(۱) پہلی قمیص سیاست گر کے بیٹے کی ہے۔

(۲) دوسری قمیص عام آدمی کے بیٹے کی۔

(۳) تیسری قمیص شہید کی۔

(۴) اور چوتھی قمیص Disappeared Person کی تھی۔

ڈاکٹر نے کہا پہنچانیے قمیص کو؟

سیاستگر نے جواب دیا کہ صاحب پہلی قمیص تو پہنچان گیا۔ لیکن دوسری قمیصیں نہیں پہچانتا ہوں ٹھیک ہے اب آپ کا Audio یعنی سماعت کا Test کرینگے۔ میں آپ کو کچھ آوازوں کے Sound clips سناتا ہوں۔ آپ کو پہچاننا ہے کہ کونسی آواز کس کی ہے۔

(۱) پہلے نمبر پر شہید کی آخری چیخ تھی۔

(۲) دوسرے نمبر پر شہید اور Disappeared افراد کے لواحقین کی گریہ زاری تھی۔

(۳) تیسرے نمبر پر آئے دن کی ہڑتال پر صدائے احتجاج تھی۔

(۴) چوتھے پر سیاستگر زندہ آباد کے نعرے کی آواز تھی۔

سیاستگر نے کہا جناب میں چوتھے نمبر کی آواز صاف سن سکتا ہوں۔ لیکن باقی آوازیں سنائی نہیں دیں۔

اچھا اب میں چار اور مختلف Tape سناتا ہوں۔ پھر آواز پہنچانیے۔

(۱) پہلے نمبر پر غریبوں کی سنو وہ تمہاری سنے گا۔ تم ایک پیسہ دو گے وہ دس لاکھ دے گا۔

(۲) دینے والے کسی کو غریبی نہ دے موت دیدے مگر بدنصیبی نہ دے۔

(۳) بے شک مندر مسجد ڈھادے بھلے شاہ یہ کہندا۔ پر پیار بھرا دل کبھی نہ توڑو اس دل میں دلبر رہندا۔

(۴) سیاست کار بن خوداہ چھوئی راضی پا کستا نک غاضی آؤ۔

غور سے سننے کے بعد سیاستگر نے کہا جناب مجھے ۴ نمبر کی آواز صاف سنائی دے رہی ہے۔ باقی تین بالکل سن نہیں پایا۔

اچھا اب آپکی سونگھنے کی قوت Smell کا ٹیسٹ کرینگے۔ سامنے چار جار رکھے ہیں۔ بتایئے کس جار میں کیا رکھا ہے؟

(۱) پہلے نمبر میں محنت کشوں کا پسینہ تھا۔

(۲) دوسرے میں ووٹر کے اس انتظار کا پسینہ تھا، جو وہ الیکشن کے موقعہ پر کیئے گئے وعدوں کے پورا ہونے میں کر رہا تھا۔

(۳) سیاست کار کا اپنا پسینہ۔

(۴) سیاست کار کا استقبال کرنے والوں کا پسینہ۔

ڈاکٹر صاحب نے سیاستگر سے سونگھ کر بتانے کی ہدایت کی کہ بتاۓ کس جار میں کس کا پسینہ ہے۔

(۵) ڈاکٹر صاحب میں ۳ نمبر کے جار کا پسینہ سونگھ سکتا ہوں۔ باقی کی سونگھ نہیں ہے۔

اب آپ کی بات کرنے کی قوت کا Test کرتے ہیں۔ کوئی اچھی سی بات، شعر لطیفہ، رباعی جو بھی یاد ہو سنائیں؟ مگر سیاست کے بغیر کوئی بات

سیاستگر بولنے لگا کہ

(۱) مسئلہ کشمیر پارلیمنٹ میں لے جاؤ گا۔

ڈاکٹر نے ٹوکتے ہوئے کہا کہ جناب میں نے عرض کیا کہ سیاست کے بغیر کوئی بات کریں۔

سیاستگر نے پھر کوشش کی۔

مسئلہ کشمیر کو میز پر لے جاؤنگا۔

ڈاکٹر نے پھر ٹوکا جناب سیاست کے بغیر کوئی بات۔

سیاست گر اب گھبرا گیا اور زور سے کچھ یاد کر کے بولنے کی کوشش کرنے لگا۔

لوگ دنیا کو دکھائیں کہ انہیں انتخابات سے کوئی دلچسپی نہیں۔لہٰذا اس روز ہڑتال کریں۔

لوگ گمراہ نہ ہوں جوق در جوق انتخابات میں حصہ لیکر مجھے میرے بیٹے، میرے بھائی، میرے دوست، اس کے بیٹے، میرے رشتہ دار اور اس کی بیٹی کے حق میں اپنے ووٹ کا استعمال کریں۔

ڈاکٹر نے پھر یاد دلایا جناب مہربانی کر کے سیاست کے بغیر بات کریں۔

اچھا اچھا کہکر سیاستگر نے پھر کوشش کی۔جی ہیلنگ ٹچ، سیلف رول، اٹانومی، الحاق، آزادی۔اب ڈاکٹر کو شدید غصہ آیا۔اور اس نے Test Report لکھ دی کہ سیاستگر بالکل ہٹا کٹا ہے۔ابھی سو سال تک کشمیری کی جیب کتر لے گا۔یہ خودغرضی، خودنمائی، خودسرائی، خودآرائی اور نرگسیت کا شکار ہے۔اس کو چاروں طرف اپنے اور اپنے حواریوں کے مفاد نظر آتے ہیں۔ اگر اسے Isolate کر کے فوراً Irrelevent نہیں کیا گیا تو یہ پوری قوم کو دنیا سے Isolate کر کے Irrelevent کر دیگا۔

لائین

عظیم شخصیات کا انٹرویو لیتے لیتے ستم ظریف تھک ہار کر Bore ہو چکا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ گذشتہ اسّی برس سے عظیم شخصیات کی کرامات سے اس زرخیز مٹی کی ذراسی نمی بھی سوکھ چکی تھی اور اب یہ دھرتی بنجر ہو کر ایران صغیر سے راجستھان عظیم بن چکی ہے۔

"باز آئے ہم سیاست سے اٹھالو پاندان اپنا" کہہ کر ستم ظریف Metadore کے کنڈیکٹر کے پاس انٹرویو لینے گیا۔ وہ لاری کے دروازے پر کھڑا چیخ چیخ کر اعلان کر رہا تھا۔ ''ہے حیدر پور...... چھانہ پور...... کرالہ پور...... گوپال پورہ...... ژوڈُر'' ستم ظریف نے اسے انٹرویو کی بات کی فوراً تیار ہو گیا۔

اسکی ٹھساٹھس بھری ہوئی لاری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ستم ظریف نے اسے کہا شرم نہیں آتی Overloading کرتے ہوئے۔

میں نے کیا جرم کیا سب ہی اوورلوڈنگ کرتے ہیں۔

ستم ظریف نے پوچھا کس کی بات کر رہے ہو۔

جناب اقتداری سیاست دان کیا overloading نہیں کرتے۔ چھوٹی سی اسمبلی میں خود بھی چڑھ جاتے ہیں بھائی اور بیٹے کو بھی سوار کرتے ہیں۔ پارٹی میں خود بھی سوار ہو جاتے ہیں اور بہو بیٹی بیگم اور ان کی سہیلیوں کو بھی سوار کراتے ہیں۔ باپ کو

میں تو بیٹے کو بلدیہ کا سردار بناتے ہیں۔ پہلے ان سے پوچھئے کہ وہ کیوں اتنی Cabinet Overloading کرتے ہیں پھر مجھے طعنہ دیدیں۔

اتنی دیر میں ایک اور لاری آئی...... کنڈیکٹر نے ڈرائیور کو اشارہ کیا اور ڈرائیور B-52 جنگی طیارے کی رفتار سے گاڑی لے گیا۔

ستم ظریف کا انٹرویو ادھورا ہی رہ گیا۔

ستم ظریف نے اب Random میں ایک آدمی کو پکڑ لیا۔

بقول علمدار کشمیر" کھیلہ منزہ کرِ یو گٹھ ژ اُرتھ

ستم ظریف نے جب اس کا پیشہ پوچھا تو وہ نائی نکلا۔ مگر چونکہ نائی کے کاروبار سے U.P کے نائیوں نے اس کو بے دخل کر دیا تو لہٰذا اس نے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ پھر ووٹ ڈالنے کے عوض اقتداری سیاست دان نے اسے محکمہ بجلی میں Line Man بھرتی کروایا۔

ستم ظریف نے اسے پوچھا۔

کیا نام ہے۔ تو اس نے کہا پہلے کریم حجام تھا اب کریم بجلی ہو گیا ہوں۔

ستم ظریف : کہاں تک پڑھے ہو؟

کریم بجلی : جی آٹھویں پاس ہوں

ستم ظریف : بجلی کا کچھ علم ہے مثلاً Positive نگیٹیو، گراونڈ وغیرہ؟

کریم بجلی : نہیں جناب میں نے ITI ٹریننگ نہیں کی ہے۔ لیکن عملاً میں سب کچھ جانتا ہوں۔

ستم ظریف : سنا ہے علم کے بغیر عمل بڑا خطرناک ہوتا ہے۔ تمہیں ڈر نہیں لگتا؟

کریم بجلی : پہلے پہلے تو ڈر لگا۔ لیکن پھر دیکھا کہ بڑے ہی بے علم، عمل سے آفتاب اور بڑے ہی بے عمل، علم سے ماہتاب ہو گئے ہیں۔

ستم ظریف : وہ کیسے؟

کریم بجلی : جناب عالموں کے پاس علم تو قارون کے خزانوں کی طرح لاتعداد ہے۔

مگر عمل نہیں۔ سیاستگر کے پاس سیاست تو انبار در انبار ہے لیکن عوامی درد نہیں ڈاکٹر کے پاس اوزار تو بے شمار ہیں۔ لیکن ہمدردی اور شفاعت نہیں۔ حاکم کے پاس اختیارات تو ان گنت ہیں لیکن استعمالی نہیں۔ کشمیر میں روزگار کے وسائل تو لاتعداد ہیں لیکن ہاتھ ہی نہیں۔

ہڑتالیں تو بے شمار ہیں لیکن سیاسی بصیرت نہیں۔

بائیکاٹ تو پہاڑ جیسا ہے لیکن اسمبلی پھر بھی وجود میں ہے۔

ستم ظریف گھبرا گیا اور سوال کا رُخ موڑ دیا۔

ستم ظریف : دو نمبر کی لائین لگاتے ہو؟

کریم بجلی : جی دن دھاڑے لگاتا ہوں۔

ستم ظریف : شرم نہیں آتی FEDU لائینیں لگاتے ہوئے۔

کریم بجلی : پہلے پہلے آتی تھی اب نہیں آتی۔

ستم ظریف : وہ کیوں؟

کریم بجلی : جی اس بستی میں ہر کوئی دوسری لائینیں لگاتا ہے۔

بخشی صاحب نے 6th ایمان کے ہائی ٹینشن تار سے بھی کنکشن لگا رکھا تھا اور دوسری جانب تو من شدی کے Transformer سے بھی روشنی اور گرمی حاصل کر رہا تھا ادھر من تو شدی بھی تا کس نہ گوید بعد ازاں کی Hightension تار کیساتھ ساتھ کسی دوسری High tension line پر اپنی لائین ڈالنے کی کوشش میں تھا۔ پھر تا کس نہ گوید بعد ازان نے اسکی لائین disconnect کر دی۔ اس کے بعد تو من شدی نے تو لائین ڈالنے کی حد ہی کر دی اور آج بھی معلوم نہیں کہ اصل کنکشن اسکو کس ٹرانسفارمر کے ساتھ تھا۔ البتہ میں نے دیکھا کہ اس کنکشن سے صرف اسکا خانوادہ ہی گرم اور روشن ہوا اور باقی چاری پتھری اندھیری میں ہی رہی۔

اسی طرح بائی پاس پورہ کا سرپنچ بھی کبھی High tensionاور کبھی Low tensionلائین پر لائین ڈالتا ہے۔ سمگلر، چور، اُچکے، جیب کترے وغیرہ بھی SHO صاحب کی لائین پر لائین لگاتے ہیں۔اس طرح نہ ہینگ ہی لگتی ہے نہ پھٹکری اور رنگ بھی چوکھا آتا ہے۔

ستم ظریف کے سارے بدن پر پسینہ بہنے لگا......

اس نے پھر سوال کر رُخ موڑ دیا۔

ستم ظریف : اچھا بتاؤ کن لوگوں کے گھر میں دوسری لائین لگاتے ہو۔

کریم بجلی : جناب ہر خاص و عام کیا تاجر، کیا ملازم، کیا عالم، کیا جاہل، کیا سیاستگر اور کیا کوزگر کیا۔اس بستی میں لوگ ہر معاملہ میں دوسری لائین جوڑے رکھتے ہیں۔

ستم ظریف : اچھا یہ بتاؤ ایک لائین سے کتنی کمائی ہوتی۔

کریم بجلی : جناب یہ تو Load کے مطابق ہے۔

ستم ظریف : مجھے سمجھاؤ۔

کریم بجلی : جناب اگر کسی گھر میں پانچ کلوواٹ کا load ہے تو ڈھائی کلوواٹ کی اس سے Payment لے لیتے ہیں۔

ستم ظریف : اس کا کیا کرتے ہو۔ جناب 1/4 تو میں رکھتا ہوں 3/4 اوپر والے کو دیتا ہوں۔ وہ اپنے اوپر والے کو، وہ پھر اپنا کمیشن کاٹ کر اپنے اوپر والے کو دیتا ہے۔ یہاں تک کہ کمیشن سر ایڈمنڈ ہیلری بن کر ماؤنٹ ایورسٹ تک پہنچ جاتا ہے۔اور سنا ہے کہ نقدی کا یہ نیل آرم سٹرانگ چاند تک بھی پہنچ جاتا ہے۔پٹواری، فارسٹر، پولیس والا، ورک سپروائیزر، سینٹری

انسپکٹر جناب ہر محکمہ سے مایا اڑ کر مونٹ ایورسٹ تک جا پہنچی ہے۔ جناب یہی وجہ ہے کہ ہر کنکر اور ڈھیلا مونٹ ایورسٹ بننے کی جستجو میں ہے۔

ستم ظریف : تم اپنے حصہ کا کیا کرتے ہو؟

کریم بجلی : جناب میں بچوں کے لئے Junk food بیگم کے لئے ہرے کانچ کی چوڑیاں اور اپنے لئے پیشگی ضمانت خریدتا ہوں۔

ستم ظریف : پیشگی ضمانت کیوں؟

کریم بجلی : الہ شہر میں بھی باز پرس اور قانون کی بالادستی ہے۔ اس بات کی Publicity کرنے کے لئے احدی رائزہ سرکار نے ایک محکمہ قائم کر رکھا ہے جسے Vigilance کہتے ہیں۔ یہ صرف پٹواریوں اور کلرکوں کو پکڑتا ہے۔ اور ریڈیو اور TV پر اس پکڑ دھکڑ کا بہت چرچا کیا جاتا ہے۔ Crime Branch والے بھی 500 اور 600 روپیہ لینے والوں کو پکڑنے کے لئے فلمی سٹائیل میں ڈاکومینٹری بنانے کے لئے Decoy Actor سائن کرتے ہیں۔ ہاتھ میں گلال ملے ہوئے نوٹ تھمائے جعفر طرّار کی طرح Camoflogue میں پٹواری اور کلرک کے پاس گیا، جونہی نوٹ تھمائے کہ Plain cloth commondose نے چھاپہ مارا، کلرک پٹواری کو دھر دبوچا اور یوں ایک فلم تیار ہوگئی جسے بڑے Funfair کے ساتھ Release کیا جاتا ہے۔ فلم Flop ہو جاتی ہے اور پھر سے کسی Flop فلم کی تیاری میں لگ جاتے ہیں اور اس عمل کا آواگاون یعنی Birth Rebirth قیامت تک چلتا رہے گا۔ cases کے فائیل ان کے لئے الہ دین کا Lamp بن جاتے

ہیں اور پھر لیمپ کو رگڑا دیکر مہالکشمی فوراً حاضر ہو جاتی ہے اور کرائم والے Pepsi Taste the Thunder کا نعرہ لگاتے ہیں۔ یہ چکر بھی سیاست کار کے Healing Touch اٹانومی، ہڑتال اور اہم اعلان کی طرح اسامہ بن لادن کے پکڑے جانے تک چلتا رہے گا۔

کہیں میں بھی چھاپہ کا شکار نہ ہو جاؤں اس لئے پیشگی ضمانت اپنی جیب میں رکھتا ہوں جیسے پروفیسر صاحب مسئلہ کشمیر کا حل اپنی جیب میں رکھ کر ایک عرصہ سے آر پار آتے جاتے رہتے ہیں۔

ستم ظریف : اچھا یہ بتاؤ کہ کبھی دوسرے لائین مین کے علاقہ میں بھی چوری چھپے لائین لگاتے ہو؟

کریم بجلی : جناب ابھی تک یہ Training نہیں کی ہے! لیکن سنا ہے کہ Bypass پورہ کا لائین مین گپکار کی Hightension line پر لائین لگانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اگر وہ کامیاب ہو گیا تو میرا Inspire ہونا یقینی ہے۔

ہڑتال اور خواب

صبح سویرے ہی میاں بیوی میں تو تو میں میں ہونے لگی۔ اس بات کا فیصلہ نہیں ہو پارہا تھا کہ گھر میں آج سالن کیا پکے گا۔ بیگم صاحبہ دہائی دے رہی تھی کہ آج سے پچاس گھنٹے کی ہڑتال ہے اور گھر میں سالن کے لئے کچھ نہیں ہے۔

صاحب نے تجویز کی کہ کیوں نہ ان پچاس گھنٹوں کے دوران راجماش پکائیں۔ راجماش گھلنے کے انتظار میں 25 گھنٹے گذر جائیں گے اور باقی 25 گھنٹے تناول کرنے میں۔

توبہ توبہ......اب بجلی والوں نے میٹر نصب کئے ہیں وہ دن گئے جب نون چائے کارس نکالنے کے لئے ہیٹر چوبیس گھنٹے حاضر خدمت رہتا تھا۔ راجماش گھلانے کے لئے تو گیس کا آدھا سلینڈر خرچ ہوگا۔ اور یوں بجٹ فیل۔

اتنی دیر میں منا خوش خوش، رگڑ ار گڑ ادے رگڑا کہہ کر کچن میں داخل ہوا۔

بیگم صاحبہ نے اسے ٹوکا، کیوں اتنا خوش ہورہا ہے۔ ممی ابھی ابھی میں نے سنا کہ ایک ہزار گھنٹہ کی ہڑتال کی کال دی جانے والی ہے۔

ممی یہ سنکر گھبرا گئی اور صاحب سے کہنے لگی کہ اس بستی میں کچھ بھی ممکن ہے۔ گھر

میں مشکل سے 500 گھنٹوں کا راشن موجود ہے، باقی پانچ سو گھنٹوں کا کیا کریں۔ صاحب بھی یہ ناگہانی خبر سنکر گھبرا گئے۔ اور فوراً اپنا Calculator نکالا اور گھنٹوں کو دنوں ہفتوں اور مہینوں میں بدلنے لگے۔ کچھ لوگوں نے اپنے بائیں ہاتھ کی چاروں انگلیوں کے گانٹھوں پر اسی ہاتھ کے انگوٹھے سے گنتی شروع کردی۔ گھنٹہ بھر کی مشقت کے بعد وہ حاصل ضرب نکالنے میں کامیاب ہوگئے۔ ہزار گھنٹے ۴۴ دن کے برابر ہوتے ہیں دربار مو سے جڑے سرکاری ملازمین نے فیصلہ کیا کہ وہ واپس جموں جاکر گھر میں یہ 1000 گھنٹے گزاریں۔ بہرحال صاحب کو یاد آیا کہ مسئلہ فی الحال آج کیلئے سالن کا انتخاب ہے۔ بیگم صاحبہ سے فرمائش کی راجماش نہیں تو کوئی دال بتاؤ وہی پکائیں گے۔ اس نے کہا بابا دال کھا کر مجھے نہایت برے خواب آتے ہیں۔ ضرور اس زمانہ دال میں کچھ کالا ہوتا ہے۔

صاحب حیران ہوگیا بولا کیا کالا ہوتا ہے۔

بیگم صاحبہ وہی کالا جادو اور کیا۔

اچھا پھر میں ہا کہ مونجہ لاتا ہوں۔ صاحب نے عرض کیا۔

نانا ایسی غلطی کبھی نہ کرنا...... بیگم صاحبہ نے وارننگ دی۔

آخرکار دال میں کیا کالا جادو ہے۔

صاحب نے پھر پوچھا۔

میں بہت برے خواب دیکھتی ہوں

بیگم صاحبہ نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا۔

کیا دیکھتی ہو خوابوں میں

صاحب نے پھر پوچھا۔

بیگم نے اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے جواب دیا۔

کہ میں مداری کا پٹارا دیکھتی ہوں۔ کہتا ہے اس میں اٹانومی ہے۔ میں قاتل کو دیکھتی ہوں۔ کہتا ہے Healing Touch ہوں۔ ہڑتال نظر آتی ہے۔ کہتی ہے میں آزادی ہوں۔ میں گبر سنگھ کو دیکھتی ہوں کہتا ہے میں MLC / MLA ہوں۔ میں جلاد کو دیکھتی ہوں۔ کہتا ہے میں ڈاکٹر ہوں۔ میں ظالم کو دیکھتی ہوں۔ کہتا ہے میں منصف ہوں۔ میں جاہل کو دیکھتی ہوں کہتا ہے۔ دانشور ہوں۔ رہزن دیکھتی ہوں۔ کہتا ہے رہبر ہوں۔

میں رنگیلے راجہ کو ناموس و شرم کا پرچار کرتے دیکھ رہی ہوں۔ مسمار قوم کہتا ہے میں معمار قوم ہوں۔ قارون کہتا ہے حاتم طے ہوں۔

باہر والی کو دیکھتی ہوں۔ کہتی ہے میں اندر والی ہوں۔

صاحب بھی یہ ناگہانی خبر سنکر گھبرا گئے۔ اور فوراً 100 فون نمبر ڈائیل کر ڈالا۔ 1000 گھنٹے کی ہڑتال کے بارے میں جب صاحب نے پوچھ تاچھ کی تو 100 نمبر والے بھی گھبرا گئے اور آخر کار معاملہ جنرل ہیڈ کوارٹر کی نوٹس میں لایا گیا۔ تو جواب ملا کہ تجویز زیر غور ضرور ہے لیکن فی الحال کوئی فیصلہ نہیں لیا گیا ہے۔

بادشاہ کا نیا لباس

ایک آدمی فوت ہوا، اسکا جنازہ لے جایا جارہا تھا۔ جنازہ کے پیچھے پیچھے اسکا چھوٹا بیٹا بھی ماتم کرتا جارہا تھا۔

اے! بابا تمہیں کہاں یہ لوگ لے جارہے ہیں؟ سنا ہے کہ وہاں لے جارہے ہیں کہ جہاں نہ چھت ہوگی نہ فرش، کھانے کو روٹی ہوگی نہ پینے کو پانی، نہ اس جگہ کا دروازہ ہوگا اور نہ ہی کھڑکی، بات کرنے کو کوئی نہیں ہوگا اور سننے کے لئے بھی کوئی نہیں۔

جنازے کے پیچھے پیچھے شیخ چلی بھی اپنے والد کے ساتھ جارہا تھا، متوفی کے بیٹے کی یہ روداد سنکر اچھل پڑا اور کہنے لگا کہ اے پدر! یہ شاید اس میت کو ہمارے گھر لے جارہے ہیں۔ کیونکہ جن چیزوں کے بارے میں وہ کہہ رہے سب ہمارے گھر میں موجود ہیں۔ شیخ چلی کے والد نے تو اسے چپ کرادیا مگر محسوس ہوتا ہے کہ ہم بھی شیخ چلی کے گھر میں ہی رہ رہے ہیں۔

نہ کہیں ٹریفک کا نظام ہے اور نہ کہیں امن وقانون۔ جس کو جب جی چاہے دوکانیں بند کراتا اور دفاتر کو دھمکیاں بھیجتا ہے۔ سرکار کی اعتباریت اس حد تک مشکوک ہے کہ عام وخاص کی مجلسوں میں تو کئی بار یہ تذکرہ بھی اٹھتا ہے یہ سب کچھ تو سرکار ہی کروارہی ہے۔ سیاستگروں کی اعتباریت اس قدر مشکوک ہے کہ جس حریف کو وہ سرِ عام تنقید کا نشانہ بناتے رہتے ہیں۔ عام وخاص کے خیال میں وہ اندر سے اس کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ پولیس کی ساکھ

اس حدتک مشکوک ہے کہ لوگوں کی بڑی تعداد کو اس بات کا یقین ہے کہ پولیس پیشہ ور مجرموں ،جیب کتروں، نقب زنوں، ڈکیتوں، کار چوروں کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ انجینئر صاحب کی شہرت اس حدتک داغدار ہے کہ وہ لاکھ حج نماز ادا کرے، لیکن پھر بھی اہل نظر کو کمیشن اور دلالی کا ہی ملمع چڑھا نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب تو نقلی دوائیاں تجویز کرتے کرتے ایک Latest کار جدید کوٹھی اور Clinic کا مالک ہوگیا ہے۔ وہ کاروباری ہے لیکن کار پر + یعنی Red Cross کا نشان چسپاں کر رکھا ہے۔ اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ طب کا الگ نشاں اور الگ ترجیحات ہیں اور ریڈ کراس کی الگ۔ یورپ میں ڈاکٹر صاحبان اس لئے اپنی گاڑیوں پر طب کا نشان چسپان کرتے ہیں تا کہ دوران سفر اگر اچانک کسی ڈاکٹر کی ضرورت پڑے تو عام لوگ فوراً نشان سے ڈاکٹر کی پہچان کریں اور ڈاکٹر گاڑی سے فوری نوعیت کا Injection اور مرہم پٹی کر کے مریض کو ہسپتال روانہ کروائے۔ اپنے یہاں کے عقلمند ڈاکٹر طب کا نشان نہیں البتہ چالاکی یا بے خبری میں ریڈ کراس کا نشان لگا بیٹھے ہیں۔ طوفان تو یہ ہے کہ نقلی دائیاں بیچنے والے بھی اپنی گاڑی پر ریڈ کراس کا نشان چسپاں کر کے چلتے ہیں۔ ایک بار ایسی ہی ایک گاڑی کا Sample سروے کرایا گیا جس پر سرخ صلیب کا نشان چسپاں تھا۔ چلانے والا بھی اصل ڈاکٹر ہی تھا۔ ڈاکٹر سے گذارش کی گئی کہ سڑک پر ایک آدمی غش کھا کر گر پڑا ہے۔ آپ فوری علاج تجویز کریں تا کہ ہسپتال پہنچنے تک اس کی سانسوں کی مالا ٹوٹ کر بکھر نہ جائے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب نے اس طرح کی کوئی چیز اپنی گاڑی میں رکھی ہی نہیں تھی یہ دیکھ کر بھیڑ میں سے کسی۔ نے آواز دی کہ جناب پھر کس خوشی میں آپ نے اپنی گاڑی پر Red Cross کا نشان لگا رکھا ہے؟ اُدھر سے ہی کوئی آواز اُبھری کہ صرف دنیا کو دکھانے کے لئے کہ ''اَسی گی نالسی ڈار؟ یعنی محض کمپنی کی مشہوری کے لئے اور خود نمائی کے شوق میں! جب کوا ہنس کی چال چلنے لگا تھا تو اپنی بھی چال بھول گیا تھا۔ پبلک ہیلتھ انجینئرنگ ڈیپارٹمنٹ کے ذمہ عوام کو معیاری اور شفاف پانی فراہم کرنے کی ذمہ داری ہے اس محکمہ کی گاڑیاں دن دھاڑے Essential Service کے Sticker چسپاں کر کے ہوٹلوں اور ریستورانوں کے باہر کھڑا دیکھی جاسکتی ہیں۔ ہوٹلوں ریستورانوں مین وقت گذاری کرنے والے حکام

کس معیار کا پانی عوام کو فراہم کرتے ہیں اس کی Running Commentary جواہر نگر، راج باغ، گوگجہ باغ، اخراج پورہ جیسے علاقوں میں سننے کو ملتی اور دیکھی بھی جاسکتی ہے۔ اور بھی درجنوں محکموں کی گاڑیاں Essential Service کا Sticker چسپاں کر کے سڑکوں پر دوڑتی نظر آتی ہیں۔ شیخ چلی نے جب یہ حال دیکھا تو وہ حیران ہو گیا کہ اس بستی میں ضروری خدمات کا بڑا ڈھنڈوراہ ہے۔ لیکن خدمات غیر ضروری بھی فراہم نہیں ہیں۔

موروثی سیاست کاروں نے اپنی تین پشتوں کی تصاویر سڑکوں پر استادہ کروار کھی ہیں اور شیخ چلی حیران کہ کیا اس بستی میں اب پشمینہ اور شاہ توش کی کتائی کی جگہ سیاست کی کتائی نے لے لی ہے۔ اگلے وقتوں میں شاہ توس اور پشمینہ کتائی کرنے والے گھرانے نزاکت وشرافت کے Emblem مانے جاتے تھے اور اب سیاست کی کتائی کرنے والوں کا زمانہ ہے۔ ان کی سیاست تو King کے New cloths کی طرح عریاں ہے۔ شیخ چلی حیران ہے کہ اس بستی میں ایک بھی بچہ نہیں جو سیاست کے ان ننگے بادشاہوں کی طرف حقیقت کا ایک پتھر پھینک کر ان کے ساتھ ساتھ عام و خام کو احساس دلا سکے کہ یہ تمام بادشاہ ننگے ہیں۔ اپنے مصاحبوں اور Spoons کی سنگت میں بیٹھ کر یہ سیاستگر بھی اس یقین نما وہم میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ وہ زبردست شاہانہ لباس میں ملبوس ہیں۔ Vote کے پتھر سے ان کو احساس دلایا جاسکتا تھا کہ وہ ننگے ہیں۔ لیکن Vote کا پتھر پھینکنے والے پہاڑی پتھر اچھالنے میں مصروف ہیں اور مصاحب گر اپنی خوش آمد کے ووٹ سے ننگے بادشاہ کے وہم کو اور زیادہ سنگین بنا رہے ہیں کہ اس نے تو افلاطون کی ٹوپی، سکندر اعظم کی Helmet مہابھارت کے کرن کا کوچ کا کرخان کی شلوار پہن رکھی ہے۔ یہ تمام حالات جب سری لنکا میں LTTE کے مہلوک کمانڈر ویلو پلائی پر بھاکرن کو سنائے گئے تو اس نے زندگی کی آخری سانسیں لیتے ہوئے کہا کہ یہ تو صرف شیخ چلی کا گھر یا پھر اہل نظر کا ایرانِ صغیر ہو سکتا ہے اور ساتھ ہی انہوں نے میر، ملک، سید علی شاہ، جناب سید شاہ، جناب عمر، جناب فاروق، جناب مفتی، جناب غلام آ زادکوان کا آخری سلام پہنچانے کی تاکید بھی کر ڈالی۔

مکڑ انسان

ہالی وُڈ فلموں کے سپر کریکٹر Spiderman نے فردوس برروئے زمین است کا ذکر سنا تو ارادہ کیا کہ اچھک اچھال میں کیوں نہ اس فردوس کی سیر کی جائے۔ ہالی وڈ سے اچھال بھر کر ایران میں جا اُترا اور وہاں سے ایک اور اچھال بھری اور اپور جا اترا پھر اچھال بھری کپوٗر سے سوپور اور پھر بیپور اُتر آیا۔ لیکن یہاں حالت دیکھ کر وہ ششدر ہو کر رہ گیا۔ اس نے یہاں چاروں طرف اپنے ہمزاد پائے۔ اس نے دیکھا کہ کشمیر کے مسئلہ کے حل کی چابی جیب میں پھرنے والا اچانک جلوت کے چنار سے اچھال بھر کر خلوت کے غار میں جا اترا اور وہیں گوشہ نشین ہو کر بیٹھ گیا۔ Spiderman نے بھی آن واحد میں اچھال بھری اور گوشہ نشینی کے غار میں جا اترا۔ وہاں پروفیسر صاحب سہمے سہمے اپنے فرن کی جیب دونوں ہاتھوں سے زور سے دبا کر پکڑے بیٹھے تھے۔ انہوں نے پروفیسر صاحب سے پوچھا صاحب آپ نے جواب میں کہا کہ اوپر سطح پر بڑے بڑے سیاسی گرگٹ میری جیب کترنے کی سازش کر رہے ہیں۔ وہ مسئلہ کشمیر کے حل کی چابی locker میں سے نکال کر لے گئے تو میری کیا اوقات رہے گی؟ Spiderman یہ سنکر حیران ہوا اور بولا لگتا ہے کہ آپ کی جیب پہلے ہی کتر لی گئی ہے۔ کیونکہ ڈاکٹر صاحب وہ حل چرا کر پارلیمنٹ میں پیش کرنے والے ہیں۔ پروفیسر صاحب نے جب جیب ٹٹولی تو وہاں چابی تھی ہی نہیں؟ انہیں اب سجاد صاحب کی بات کے معنی سمجھ

میں آ گئی۔ وہ تاڑ گئے کہ انہوں نے ہی Strategy تبدیل کر کے چابی چرالی اور ڈاکٹر صاحب کے حوالے کی اور یوں ڈاکٹر اس قابل ہوئے کہ پارلیمنٹ میں مسئلہ پیش کر سکیں۔ جیب کترنے کی بات سنکر Spiderman گھبرا گیا اور چھلانگ بھر کر واپس نکل آیا۔ اچانک کیا دیکھتا ہے کہ پوری بستی یخ بستہ ہو گئی ہے۔ کوئی آمد ورفت نہیں ہے اور جو جہاں ہے وہی ساکت کھڑا ہے۔ وہ حیران ہو گیا، اس نے ایک آدھے ساکت اور آدھے پگھلے انسان سے بات کی یہ کیا ہو گیا ہے یہاں؟ کیا Ice Age آ گئی ہے؟ آدھے پگھلے آدھے ساکت نے جواب دیا نہیں پچاس گھنٹہ کی ہڑتال کی کال ہے۔ 50 گھنٹے کی کال سنکر Spiderman تھر تھرانے لگا۔ وہ سوچنے لگا کہ یورپ میں بھی ہڑتال ہوتی ہے لیکن حد ہو گئی تو ایک گھنٹہ کی...... آدھے پگھلے آدھے ساکت نے اسے کہا اس کی بستی میں ہڑتال بھی تمہاری چھلانگ کی طرح بہت لمبی ہے اور اس فلم کے کئی ڈائریکٹر ہیں۔ اسی لئے جب مختلف ڈائریکٹروں کی کال پر ہڑتال ہو جاتی ہے تو فلم ٹکڑوں میں بٹ کر ریلیز ہو جاتی ہے۔ بقول کسے

اس فلم کے ٹکڑے ہزار ہوئے کوئی یہاں گرا کوئی وہاں گرا

چونکہ فلم ٹکڑوں میں بٹ کر ریلیز ہوئی تو کوئی سمجھ بھی نہیں سکا کہ اس فلم کی سٹوری کیا ہے اور Moral کیا۔ اور یوں فلم فلاپ ہو گئی۔

یہ حال دیکھ کر Spiderman نے ایک اور اچھال بھری اور کیا دیکھتا ہے کہ خلقت بھی زور دار چھلانگیں لگا رہی ہے۔ کبھی اچھال بھر کر اوڑی تو کبھی پانپور پہنچ جاتی ہے۔ پھر اچانک اچھال بھر کر عید گاہ اور وہاں سے دوسری چھلانگ بھر کر ٹی۔ آر۔ سی پہنچ جاتی ہے۔ پوری کی پوری بستی Spiderman بنی ہوئی ہے۔ امریکی comic کریکٹر نے یہ بھی دیکھا کہ خلقت کے لبوں پر ایک ترانہ ہے تو دل میں کوئی اور نغمہ گونج رہا ہے۔ بقول اقبالؒ

دل میں لندن کی ہوس اور لب پہ ذکرِ حجاج

اس نے دیکھا کہ لوگوں کی زبان بھی Spiderman کی طرح لمبی اچھال بھر کر روز روز ہڑتال فلم کو اب سینما سے اتارنے کی مانگ کر رہے ہیں۔ لیکن دل میں ارمان ہے کہ یہ فلم ڈائمنڈ جبلی منائے۔

ٹریفک کا حال دیکھ کر تو سپائیڈر مین کچھ زیادہ ہی حیران ہو گیا۔ ٹریفک حکام نے سڑکوں کی کچھ اس طرح جمعبندی کر رکھی ہے کہ بٹوارہ جانے والی گاڑی کو بٹہ مالو روانہ کرتے ہیں اور لال بازار جانے والی Vehicle کا رُخ چھانہ پورہ کی طرف موڑ دیتے ہیں۔ یہ بے ہنگم چھلانگ اور اچھال دیکھ کر Spiderman اب گھبرا گیا۔ اچانک شاہراہ پر اس نے VIP کی گاڑی پوں پوں کرتے ہوئے نکلتی دیکھی...... اس کے بعد دوسری...... پھر تیسری وہ اس پر کپکپی طاری ہو گئی۔ اس نے دیکھا کہ ہر سڑک پر VIP گاڑیاں زیادہ ہیں اور Common man کی کم۔ اس کو اس بستی پر رحم آیا کہ چند عام لوگ لاکھوں VIP's کا بوجھ اٹھاتے ہوئے ہیں اور ریڈ سگنل کی لال بتی پرائیویٹ گاڑیوں پر نصب ہیں۔ یہ دیکھ کر اس کو جھرجھری آ گئی کہ عام آدمی کی گاڑی سے تو بلیک شیٹ اہل ٹریفک بے دھڑک ہٹاتے ہیں۔ لیکن VIP کی گاڑی جمہوریت کا بینڈ بجاتے ہوئے بلیک شیٹ چسپاں کیے چار اطراف دندنا رہی ہے۔

اس نے یہ بھی دیکھا کہ پبلک ٹرانسپورٹ کے ڈرائیور کے کپڑے اتار کر انہیں وردی پہنا رہی ہے۔ لیکن سرکاری گاڑیوں کے ڈرائیور وردی بھتہ حاصل کر کے بھی بے وردی ہی گھوم رہے ہیں۔ اور انہیں کوئی پوچھتا بھی نہیں اور وہ بھی Spiderman کی ہی طرح کبھی صاحب کی پرائیویٹ تو کبھی official vehicle بڑے چاؤ سے ڈرائیو کرتے ہیں۔ اس نے غلام حسن خان کو آزادی کے درخت سے اچانک اچھال بھرتے ہوئے این سی کے ٹاور پر چپکتے ہوئے دیکھا۔ اس کی سمجھ میں بات اب آ گئی کہ Genetic Mutation سے اس بستی میں ہر ایک اب سپائیڈر مین بن چکا ہے اور اب کسی کو اس کی ضرورت نہیں اور یہ سوچتے ہوئے وہ اچھال بھر کر واپس ہالی وُڈ میں جا اُترا۔

بکرے کا قبض

شام کو چار بجے کے آس پاس مگھر مل باغ روڑ پر کسی VIP کی لال بتی لگی ہوئی گاڑی سائرن (Syren) بجاتی فراٹے بھرتی گذرتی ہے۔ شیخ چلی کے اس شہر میں ویسے تو چاروں پہر Syren ہی سائیرن بجتے ہیں۔ لیکن یہ گاڑی ہر سائیرن کو پس پشت ڈالتی ہے۔ کیا Ambulance اور کیا آگ بجھانے والے محکمہ کی گاڑی! ہر گاڑی کے سائیرن اس گاڑی کے سامنے مات ہیں۔ جس طرح توپ کے سامنے پستول اور شریف الدین شارق کے سامنے محمد دلاور میر اور سجاد لون۔ اس گاڑی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ wrong سائیڈ سے چلتی ہے۔ Bat Man کی افسانوی گاڑی کی طرح اس گاڑی کے شیشوں پر کالے شیٹ چڑھے ہوئے ہیں اور ایسے میں پہچان بھی نہیں ہوتی کہ اس گاڑی کا شہسوار کون ہے؟ اسے کہاں جانے کی جلدی اور یہ گاڑی کیوں ٹریفک والوں کی نظروں سے اوجھل ہے؟ ایک یورپی نے جب یہ حال دیکھا تو حیران ہوا اور انکشاف کیا کہ یورپ میں بھی چند گاڑیوں کو مجبوری کی حالت میں Wrong Side سے چلنے کی اجازت ہے۔ مثلاً آگ بجھانے والی گاڑی، مریض کو ہسپتال لے جانے والی ایمبولنس یا فوری طور پر ہسپتال طلب کیے جانے والے کسی ہنگامی نوعیت کے سرجن کی گاڑی، یا کسی خطرناک قاتل،

رہزن، ڈاکو کا پیچھا کرنے والی پولیس کی گاڑی۔ لیکن مگھرمل روڑ والی گاڑی ان میں سے کسی زمرے میں نہیں آتی، تو پھر یہ گاڑی کس کی ہے۔ لوگوں کی ایک جماعت اس بات کا پے پتہ کھوجنے کے لئے نمائش گاہ چوک میں برلب سڑک باسروسامان بیٹھ گئی۔ ایک آدمی نے رائے دی کہ یہ شاید اقتداری جماعت کے کسی مایوس MLC/MLA کی ہوسکتی ہے۔ جس کے حلقہ میں گذشتہ دنوں کم ووٹ پڑے اور اب شاید Bye Pass پورہ کی جماعت Join کرنے کی جلدی میں رانگ سائیڈ سے جارہا ہے۔ کسی دوسرے کا خیال تھا کہ کوئی علیحدگی پسند پارٹی کا عہدیدار صنعت نگر والی پارٹی Join کرنے کی جلدی میں غلط سمت گاڑی لے جارہا ہے۔ تیسرے کا خیال تھا کہ ہونہ ہو کسی ہڑتال کے فراق کا مارا ہوا کوئی دیوانہ ہے جو وصل کی مے پینے کے لئے میخانہ حیدرپورہ جارہا ہے۔ کسی چوتھے کی رائے تھی کہ شاید کوئی شہنشاہ پتھراؤ میزائیل کا مارا ہے جو اپنی ہڈی پسلی درست کرانے بطرف برزلہ جارہا ہے۔ حقیقت حال معلوم کرنا اتنا مشکل ہورہا تھا۔ جتنا سیاستگر کی تقریر کی تشریح کرنا مشکل ہے۔ آخر اس جماعت نے فیصلہ لے لیا کہ اس مسئلہ پر بحث کرنا فضول ہے کیونکہ اس بستی کی عادت ہی Wrong side میں جانا ہے۔ اب اس بستی کے لئے مصیبت وہ شخص ہے جو Right side میں سفر کررہا ہو۔ اب وہی ناکام ونامراد ہے جو صحیح سمت میں گاڑی دوڑائے۔ جنگل لگانے والوں کے بجائے اب جنگل چور ہی معزز ہے۔ استقامت دکھانے والے سیاست کار ناکام ہیں اور حکمت عملی تبدیل کرنے والا کامیاب۔ دیانت دکھانے والا اہلکار اب بے وقوف اور رشوت خور نہایت چالاک۔ حق بات کرنے والا زیر عتاب اور خوشامدی انعام واکرام سے مالا مال ہے۔

ایک ہی پارٹی میں اقامت کرنے والا سیاستگر محض ایک پالتو جانور ہوکر رہ جاتا ہے۔ جبکہ دل بدلو سیاستکار کی ساری عمر پانچوں گھی اور سر کڑھائی میں رہتا ہے۔ مفتیان کرام

دنیا کو فتویٰ دیتے رہتے ہیں۔ لیکن خود کسی فتوے پر عمل نہیں کرتے۔ دن دھاڑے میونسپل قوانین کی دھجیاں اڑا کر تعمیر کھڑی کرنے والا سماج کا معزز رکن ہے اور جھونپڑی کی مرمت کرنے والا سفید پوش ذلیل وخوار، شالی مکی کی کاشت کرنے والا مفلس رہتا ہے اور پوست وخشخاش کی کاشت کرنے والا راتوں رات زعماؤں میں شمار ہوتا ہے۔

پرسوں سے پرسا اور پھر پرس رام بن جاتا ہے۔ جس نے اہم اعلان کرنے کا ڈھنڈورا پیٹنا چھوڑ دیا وہ صوفی محمد اکبر مرحوم کی طرح گمنامی کے غار میں گوشہ نشین ہوگیا اور جس نے اہم اعلان کے Drum پر ضرب لگانا جاری رکھا وہ چاند بن کر سیاست کے آسمان پر چمک اُٹھا۔

1931ء سے ہی اس ساری بستی کو اہم اعلان کرنے کے کالے جادو سے بس میں کر کے رکھا گیا۔ صرف ڈھنڈورے ہی پیٹے گئے لیکن منزل آرزو کی آمد کا اعلان کبھی نہ ہوسکا۔ گذشتہ ۸ دہائیوں سے عام آدمی کے کان وہ اہم اعلان سننے کو ترس رہے ہیں جسمیں لمبی سیاہ اقتصادی، سماجی، اخلاقی رات کے خاتمہ اور روشن صبح کی آمد کی نوید ہو۔ عوام کو اہم اعلان سنانے کے لئے کبھی حضرت بل کبھی عیدگاہ کبھی حضوری باغ اور کبھی گول باغ طلب کیا گیا۔ ایک وہ اہم اعلان کبھی نہیں ہوسکا جسکا انتظار کشمیر کی جھیلوں اور کوہ ساروں کو ہے۔

رگڑا رگڑا کی طرح بھی اہم اعلان کے یہ دولفظ ایک مذاقیہ نشان بنکر رہ گئے ہیں۔ اگر ایسا نہیں ہوتا تو شیخ چلی کا بیٹا کیوں رگڑا رگڑا کی رٹ لگا کر اہم اعلان کرنے کا اعلان کر ڈالتا۔ جب شیخ چلی کے والدین اہم اعلان سننے اس کے ارد گرد جمع ہو گئے تو اس نے اعلان کیا کہ خوشیاں مناؤ کیونکہ اسبغول نے آخر کار اثر دکھا ہی دیا اور میرے بکرے کا قبض ٹوٹ گیا۔

ساگر منتھن

Churning ہندی دیوی مالا میں ایک اہم قصہ موجود ہے۔ جسے ساگر منتھن یا of Ocean کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ہوا یوں کہ ایک بار سر یعنی فرشتہ خصلت اور اُسُر یعنی شیطان خصلت انسانوں نے سمندر منتھن کرنے کا فیصلہ کیا تا کہ اس سے امرت یعنی آب حیات حاصل کریں جسے پی کر وہ عمرِ جاوداں حاصل کرینگے یعنی امر ہو جائینگے۔ کشمیر میں کچھ لوگوں نے ستی سر منتھن کیا بڑی دیر تک منتھن جاری رہا۔ لیکن کچھ بھی حاصل نہیں ہو رہا تھا۔ لیکن پھر رگڑا رگڑا کا منتر پھونک کر ستی سر میں جوش آگیا جس کی وجہ سے ستی سر میں سے چیزیں ابھرنے لگیں۔ ساگر منتھن میں سے پہلے زہر کا گڑھا ابھر آیا تھا۔ جسے نہ سُر اور نا ہی اسُر لینے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ اس زہر کو زمین پر بھی پھینکا نہیں جا سکتا تھا۔ کیونکہ اس طرح زمین کا بنجر ہونا یقینی تھا۔ لہٰذا شیو جی خود آئے اور گڑھے کو پی گئے۔ ستی سر سے پہلے مار پیٹ ابھری اسے نہ تحریک نواز اور نہ ہی تحریک مخالف سیاستگر لینے پر آمادہ ہوئے۔ لہٰذا یہ گڑھا عوام کے سر تھوپ دیا گیا۔ اور نہ چاہتے ہوئے بھی عوام اس گڑھے کے مال کو پی گئے۔ منتھن جاری رکھتے ہوئے ستی سر سے اقتدار کا گڑھا ابھر آیا جسے مفتی صاحب، آزاد صاحب، فاروق صاحب، عمر صاحب، مظفر بیگ صاحب، ساگر صاحب اور دوسرے زعما

اُٹھا کر لے گئے۔ لیکن انکے درمیان ان بن ہوئی کہ کون پہلے اس گڑھے کا آب حیات پی لے۔ آخر ریشی وار کے رشی مُنی آئے اور انہوں نے بیچ بچاؤ کر کے انہیں آمادہ کیا کہ وہ اس گڑھے کا امرت باری باری نوش کریں۔ اس کے بعد ستی سر سے قید و بند و نظر بندی کے گڑھے ابھر آئے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ گڑھا تحریک نواز سیاست گروں کے سر تھوپ دیا گیا اور وہ بحالت مجبوری گڑھا لینے پر آمادہ ہو گئے۔ اس کے بعد ہڑتال کا گڑھا ابھرا، اس کو سب لوٹ کر لے گئے۔ منتھن جاری رکھتے ہوئے اس میں سے شہادت کا گڑھا ابھر آیا۔ وہ قوم پرست خیالات کے نوجوان اپنے سر پر اُٹھا کر بطرف عیدگاہ اور دیگر مزاران شہدا کی طرف لے گئے۔ اسکے بعد سونے کے ایک مٹکے میں Constituency Development Fund اُبھرے جسے MP/MLA/MLC لے گئے۔ اس کے بعد Disappeared افراد کا کتبہ بھرا۔ انہیں کون لوگ لے گئے یہ ابھی تک پتہ نہیں چل رہا ہے۔ اسکے بعد زندان ابھرا وہ بھی نوجوان ہی لے گئے۔ شہرت کا گڑھا جب ابھرا تو سب لوگ اس کی طرف لپکے لیکن وہ سیاستگر لے گئے۔ اس کے بعد وعدوں کا مٹکا ابھر آیا وہ فاروق عبداللہ لے گئے۔ اسکے بعد ایک اور مٹکا ابھر آیا جس پر شعر لکھا تھا۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

سجاد لون آیا اور وہ اسے اُٹھا کر لے گئے۔ اس کے بعد بدنامی کا مٹکا ابھرا وہ Sexual Scandal والے لے گئے۔ اس کے بعد باری تھی ڈل جھیل کی اس کو Lakes and water ways والے لے گئے۔ ستی سر منتھن جاری رہا اور اس کے بعد باری تھی محنت کی۔ وہ بہاری لے گئے۔ اس کے بعد Healing Touch ابھرا وہ PDP والے لے گئے۔ اس کے فوراً بعد اہم اعلان کا مٹکا ابھر آیا وہ سیاستگر لے گئے اور آپسمیں تقسیم

کرڈالا Churning جاری رکھتے ہوئے اسمیں سے للہ دید اور شیخ العالمؒ کی واکھ اور شُرُوکِ نظر آئے وہ CRPF والے لے گئے اور انہیں شاہراہوں پر بڑے بڑے Sign Boards پر چسپان کرڈالا۔اس کے بعد Custodial Killing کا زہریلا مٹکا ابھر آیا وہ بھی جوان آکر لے گئے۔اب باری تھی شاہ جہانی Bath Room کی وہ اشوک جیٹلی لے گیا۔اس کے بعد زمین ابھری وہ ریلوے پروجیکٹ اور فوج لے گئی۔اس کے بعد وفا اور دیانت کا مٹکا ابھرا اسے لینے کوئی راضی نہ ہوا۔لہٰذا اسے زمین میں ہی دفن کیا گیا۔اب جنگل ابھر آئے۔وہ حلقہ پریذیڈنٹ اور جنگل سمگلر لے گئے اور اس کے بعد گھر کا نظم ونسق ابھر آیا وہ آپہ ٹاٹھ لے گئی اور یوں ستی سر کے سرمایہ کا خاتمہ بالخیر ہو گیا اور ستی سر منتھن بھی اپنے انجام کو پہنچ گیا۔

فوجاں ہی فوجاں

عادت پر فلاسفروں اور حکیموں نے ایک ہی رائے دی ہے کہ عادت کبھی ختم نہیں ہوتی۔ آدمی ختم ہو جائے لیکن عادت ختم نہیں ہوتی اس کی زندہ مثالیں آجکل کشمیر میں عام ہیں۔ ستم ظریف ایک گھر میں گیا وہاں 20 برس کی عمر کا ایک نوجوان کمرے میں بیٹھا کروٹ پر کروٹ بدل رہا تھا۔ کبھی TV آن کرتا ہے تو کبھی Radio کبھی تاش کی گڑھی نکال کر خیالی partner کے ساتھ بانٹ رہا ہے تو کبھی آدھی کھڑکی کھول کر جلدی باہر طائرانہ نظر ڈالکر کھڑکی پھر بند کر کے واپس کمرے میں دبک جاتا ہے۔ میں نے گھر والوں سے پوچھا یہ کون ہے اور کیوں کمرے سے باہر نہیں آتا۔ انہوں نے کہا کہ جناب اس کا نام کرفیو ہے اور 89 کے کرفیو کے ایام کے دوران ہی اس کی پیدائش ہوئی ہے۔ اس کو اب عادت پڑ گئی ہے اور یہ سوچ رہا ہے کہ دنیا میں ہر روز کرفیو ہونا فطرت کا قانون ہے۔ لہٰذا جناب یہ کمرے سے ہرگز باہر نہیں آتا۔ اس کا کھانا پینا اس کے کمرے میں ہی پہنچا دیا جاتا ہے۔

میں نے پھر دوسرے کمرے میں اور جوان کو دیکھا، وہ باہر جا کر واپس آتا ہے۔ میں نے کہا یہ کیا بات ہے دوکان کی چابی اُٹھا کر وہ دوکان کھولنے تو جاتا ہے لیکن دوکان کھولے بغیر ہی واپس آجاتا ہے۔ انہوں نے کہا جناب مسلسل ہڑتالوں نے اسے اس حالت پر پہنچا دیا۔ اسے معلوم نہیں کہ کب ہڑتال ہوگی اور کب نہیں ہوگی۔ لہٰذا یہ اب رسماً

باہر جاتا ہے اور رسماً ہی واپس گھر آتا ہے۔ نا دوکان بند کرتا ہے اور نہ ہی کھولتا ہے۔ اس کے بعد ستم ظریف نے سیاسی گھرانوں کا رُخ کیا جن کی روٹی اور روزی سیاست کی خرید وفروخت پر ہی منحصر ہے۔ وہاں اس نے 9 دس برس کی عمر کے بچوں کو دیکھا جو گھر کے فرنیچر کے سامنے تقریر کر رہے تھے۔ ستم ظریف نے یہ ماجرا دیکھا تو گھر کے نوکر سے پوچھا کہ یہ ان بے جان چیزوں کے سامنے کیا بک بک کر رہیں ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ جناب یہ تقریر کی Practice کر رہے ہیں۔ اپنے والدین اور دیگر رشتہ داروں سے انہوں نے سیکھا ہے کہ ایک بے مطلب تقریر کرنے سے انسان نہ صرف مشہور ہو جاتا ہے بلکہ ایوانوں کا ممبر بنکر مفت ہوائی سفر ٹیلی فون گاڑی وسیکورٹی کا حقدار ہو جاتا ہے۔ اور عیش وعشرت کی جھیل میں نہ صرف تیرا کی کرتا ہے بلکہ کشتی رانی بھی کرتا ہے۔ اسلئے یہ گھر میں ہی Speech کی رہرسل کر کے مستقبل کے گفتار کے غازی کا خطاب جیتنے کی Practice کر رہے ہیں۔ یہاں سے ستم ظریف نکل کر ایک عام سے گھر میں گیا وہاں ایک خاتون کو دیکھا جو ہاتھ میں Mobile لیکر کمرہ کمرہ گھوم رہی تھی اور نہ جانے کن لوگوں سے بات کر رہی تھی۔ کام کرنے کیلئے گھر میں الیکٹرانک ساز وسامان اور نوکر تھے۔ خاتون کے پاس کام ہی نہیں تھا لہذا اس کے پاس، Pass کرنے کیلئے Time ہی Time تھا، جسے وہ Pass کرنے کے لئے موبائیل کا سہارا لے رہی تھی۔ لیکن اس عمل سے اس کے بچے زندگی کی Science میں فیل ہو رہے تھے۔ یہاں سے ستم ظریف مایوس ہو کر صاحب کے گھر میں گیا وہاں زندگی کی ریل پیل تھی۔ گھر کے باہر گاڑیوں کا ایک Fleet کھڑا تھا۔ کوئی گاڑی بیگم صاحبہ کو اس کے میکہ لے جا رہی تھی اور کوئی گاڑی منے منی کو Tulip گارڈن سیر کرانے، کسی گاڑی میں صاحب کی ساس مخدوم صائبؔن روحانیت سے فیض یاب ہونے جا رہی تھی تو کوئی گاڑی صاحب کو دفتر لے جا رہی تھی۔ لیکن ہر گاڑی میں پٹرول کی کھپت کارِ سرکار کی عمل آوری کے کھاتے میں درج ہو رہی تھی۔ یہاں سے ستم ظریف عالم کے گھر گیا۔ وہاں اس نے دیکھا کہ عالم بھاری بھرکم کتابیں تصنیف کر رہا ہے۔ اور اس کا Topic ہے مذہب

میں محنت کی اہمیت لیکن اسکے گھر میں بہاری کارکن محنت میں مصروف تھے اور اس کے خانوادہ کے افراد عالم کی کتابوں سے آمد Royalty سے عیش وعشرت کر رہے تھے۔ ستم ظریف یہاں سے بھی بے نیل ومرام نکل آیا۔ اور سیدھے سیاسی پارٹی کے چیئرمین کے گھر گیا۔ وہاں اٹانومی، 370، Healing Touch، مسئلہ کشمیر، اہم اعلان وغیرہ وغیرہ کے Sticker بکھرے پڑے تھے۔ سیاست کار فون پر Opposite پارٹی کے Chief کے ساتھ گفتگو کر رہا تھا کہ اگلے مہینے کون سے Issue پر عوام کو Confuse کرینگے۔ وہ آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ عوامی Confussion ان کے ہر درد کی دوا ہے۔ کیا مالی درد تو کیا سماجی؟ کیا Crisis of Identity تو کیا دردِ تقریری؟ وہ آپس میں یہ باتیں بھی کر رہے تھے کہ اگر عوام کے ذہنوں سے Confusion دور ہو گیا تو وہ گھر کے ہی رہینگے اور نہ ہی گھاٹ کے اور یوں دھوبی کے Dogy کی طرح انہیں نہ خدا ہی ملے گا اور نہ ہی صنم کا وصال ہوگا۔ ستم ظریف یہاں سے بھی آہ بھر کر نکلا اور ہسپتال جا پہنچا۔ وہاں بھی غالبؔ خستہ کے گھر کی طرح در و دیوار پر سبزہ اُگ رہا تھا۔ اور حکام نیم بے خودی کے عالم میں سمجھ رہے تھے کہ شاید ہسپتال میں بہار آئی ہے۔ نہ حکیم لقمان و جالینوس وہاں تھے نہ ہی ادویات۔ چاروں طرف مریض کراہ رہے تھے اور جو مریض کراہ نہیں رہے تھے وہ کراہنے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ ستم ظریف نے جب معلوم کیا کہ ڈاکٹر صاحبان کہاں ہیں تو معلوم ہوا کہ جن ڈاکٹر صاحبان کی Practice چل نکلی ہے وہ اپنے Clinic پر موجود ہیں اور جن کی نہیں چل نکلی ہے وہ گلمرگ گنڈولا کی سیر پر گئے ہیں۔ یعنی اس ڈاکٹر کے ٹکڑے ہزار ہوئے کوئی Clinic پہ گرا کوئی Gandola پہ اٹکا۔

اسکے بعد ستم ظریف پٹواری کے گھر میں گھس گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ وہاں شیخ و برہمن ایک دوسرے سے دست بگریبان ہیں۔ معلوم ہوا کہ اصل میں پٹواری نے شیخ کی زمین برہمن کے نام اور برہمن کی زمین اسامہ بن لادن کے نام کردی ہے۔

یہ گٹھ کارد یکھ کرستم ظریف وہاں سے بھی رفو چکر ہو گیا اور محکمہ وائیلڈ لائف میں چلا گیا۔ وہاں ان سے وادی میں ہانگل کا موجودہ Status معلوم کرنا چاہا، لیکن وہ بے خبر تھے، کوئی ایک ہزار بتا رہا تھا تو کوئی دس ہزار کوئی 400 تعداد بتا رہا تھا تو کوئی کہہ رہا تھا کہ عنقا کا ہمدم ہو گیا۔ یہاں سے بھی ماتھا پیٹتے ہوئے ستم ظریف Education ڈیپارٹمنٹ گیا، وہاں انتظامیہ یعنی Administration زیادہ یعنی فوجاں ہی فوجاں لیکن Education نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ دوسری جنگ عظیم کا سیلبس پہلی جنگ عظیم کا ذہن طلباء کو رٹا رہا تھا۔ ٹریننگ گاہی ٹریننگ گا تھیں۔ لیکن Tyndale Biscoe نہیں ابھر سکا تھا۔ یہاں سے بھی ستم ظریف سر پیٹتے نکل آیا اور میونسپل کارپوریشن جا پہنچا۔ یہاں افسر فوجاں ہی فوجاں تھے۔ خلاف ورزی افسر خلاف ورزی کرنے والوں کو خود ہی خلاف ورزی کے Fool Proof طریقے سکھا رہا تھا۔ ہیلتھ افسر کے Table کے گرد مکھیاں ہی مکھیاں بھن بھنا رہی تھیں۔ Mayor میئر کم اور کرم کش زیادہ لگ رہے تھے۔ فارسی مقولے کا مطلب بیچارہ ستم ظریف وہاں پر ہی سمجھ سکا۔

طفل شود خانہ دار..........................

کمشنر صاحب کے کیا کہنے وہ اتنے بڑے عالم کہ انہیں معلوم ہی نہیں کہ انسانوں کو حاجت بشری اکثر درپیش رہتی ہے اور اس کے رفع کا شہر بھر میں کہیں کوئی انتظام نہیں ہے۔ اگر کسی جگہ ہے بھی تو اس کی حالت Gastapo کے Gheto سے بھی بدتر۔ لیکن کمشنر صاحب اتنے مست کہ انہیں مست ملنگوں کی اس ادنیٰ سی حاجت کا پاس نہیں رہا یہ تمام حالات دیکھ کر ستم ظریف اپنا سر دو ہاتھوں میں لیکر اس سوچ میں گم ہو گیا کہ Finaly اس بستی کا ہوگا کیا؟ جہاں افسر اور عوام تو فوجاں ہی فوجاں ہیں لیکن ایڈمنسٹریشن اور احساسِ شہریت ندارد۔

کنفیوژن

گذشتہ دنوں ریاستی ہائی کورٹ کے سابق جسٹس جناب بشیر احمد کرمانی نے ایک تقریب پر تقریر کرتے ہوئے اندیشہ ظاہر کیا کہ اگر وادی میں اخلاقی بے راہ روی کی طرف خصوصی توجہ نہیں دی گئی تو اگلے پانچ برسوں میں کشمیری سماج کا تتر بتر ہونا طے ہے۔ انہوں نے اس سلسلہ میں دانشوروں، قلم کاروں، عالموں وغیرہ کو ان کی ذمہ داریوں کا احساس کراتے ہوئے کہا کہ انہیں آگے آکر اس طوفانِ بدتمیزی کو روکنے میں اپنا حصہ ادا کرنا ہوگا۔ کرمانی صاحب کی باتیں قابل غور ہیں۔ ہمارا سماج اس وقت کسی بھی Track پر نہیں ہے۔ استقامت نام کا جذبہ مفقود ہے۔ اجتماعی بہتری کا تصور پارہ پارہ ہے اور انفرادی اغراض نے سماج کا شیرازہ بکھیر کے رکھ دیا ہے۔ اخلاقیات معاشریات و معاشیات کے معنی ہماری سماجی ڈکشنری میں بدل کر رکھ دیئے گئے ہیں۔ ایسے میں دل سیاہ ہو گئے ہیں اور علماء، دانشور اور قلمکار سے امیدیں رکھنا عبث ہیں۔ کیونکہ عالم کی تشریح یہ ہوئی ہے کہ جسکا قول فعل اور حلیہ اہلِ بیتؑ جیسا ہو۔ ایسے میں جب وادی کے چہار اطراف نظر ڈالتے ہیں تو ہر سُو ویرانے ہی ویرانے ہیں۔ اس طرح کا کوئی عالم نظر نہیں آتا۔ کیونکہ عالموں کی ایک اکثریت کنفیوژن کا شکار ہے۔ ان کے پاس علم تو ہے لیکن عمل نہیں۔ گفتار کے یہ غازی اگر

کردار کے بھی غازی ہوتے تو سماج اس قدر پستیوں میں نہ گرجاتا جن پستیوں میں یہ اس وقت جاگزین ہے۔ دانشور کے لحاظ سے بھی دیکھیں تو اس وقت وادی ایک بنجر ریگستان کی طرح دکھائی دے رہی ہے۔ دانشور اگر سچا ہے تو سب سے پہلے اس کا اطلاق اپنی ذات پر کرے گا اور اس عمل میں ردِ خلق بن کر رہ جائے گا۔ ہمارے دانشور تو ہر دیگ کے چمچے ہیں۔ جہاں بھی مادی فائیدہ دکھائی دیا کہ گردن خم ہوگئی۔ ایسے میں ان لوگوں سے توقع رکھنا عبث ہے کہ ان کی زبان سے کلمہ حق ادا ہوگا یا ان کا قلم حق پرستی کرے۔ ایک دھوکہ عظیم سے کم نہیں۔ کیونکہ وادی میں معاشرے کو جو سب سے بڑا مسئلہ درپیش ہے وہ Crisis of Credibility کا مسئلہ ہے۔ فرد اعتباریت کھو چکا ہے۔ لیکن سخن سازی اور سخن پروری سے فی الحال یہ گاڑی گھسیٹ رہا ہے۔ فرد سے لیکر جماعت تک اعتباریت سے محروم ہے۔ سیاستگروں کا ایک طبقہ انانیت کا شکار ہے۔ ایک دوسرے کو خاطر میں ہی نہیں لاتے اور تو بڑا کہ میں کے اس کھیل میں عوام کو قربانی کا بکرا بنایا جارہا ہے۔ طرح طرح کے لفظہ Coin کرکے اور قسم قسم کے نعرے بلند کرکے عوام کے ذہنوں میں انتشار پیدا کیا جارہا ہے۔ کیونکہ جس طرح مگرمچھ گدلے پانی میں زیادہ پلتے ہیں اسی طرح ہوس اور شہرت کے طلبگار سیاستگر بھی عوامی ذہنی انتشار میں ہی پرورش پاتے ہیں اور ایسا ایک عرصہ سے ہوتا آرہا ہے۔ سیاستگروں کے ریوڑ میں ایسا ایک بھی سیاستگر نظر نہیں آتا جو چند ماہ تک اپنے موقف پر قائم رہ سکے، نہ ہی وہ سادگی کا Role Model ہے کہ جسکی طرف دیکھ کر ایک Cascading effect ہو اور پورا معاشرہ سادگی کے رنگ میں رنگ جائے۔ اہم سیاستگر زیادہ تر ہر دو فریقین سے جذیہ حاصل کرتے ہیں۔ حد درجہ کی آرام دہ زندگی گذارتے اور بے پناہ مادی وسائل کے مالک ہیں۔ وہ دوہری زبان استعمال کرتے اور دوہری زندگی گذارتے ہیں۔ خلوت میں کچھ بولی ہے اور جلوت میں کچھ اور ساتھ ہی شاہانہ اور ٹھاٹھ باٹھ کی زندگی بسر

کرتے ہیں۔ ایسے میں یہ توقع کرنا فضول ہے کہ موجودہ اخلاقی اندھیروں میں وہ ایک روشن اور جھلملاتی شمع کا کردار ادا کرسکیں گے۔ رہی دانشوروں کی بات تو یہ صدف گہر سے خالی ہے۔ دانشور سادگی متانت، حق گوئی حق پرستی ایثار کا مجموعہ ہوتا ہے۔ لیکن ہمارے ہاں اس طرح کی شخصیات عنقا رہیں۔ بلکہ رنگین زندگی گذارتے ہیں۔ یہی Psedu دانشور اور انہی کے پھیلائے ہوئے Virus نے پورے معاشرہ کو پراگندہ کر رکھا ہے۔ وادی کے اطراف واکناف سے دلدوز حادثات والمناک حالات کی اطلاعات ملتی رہتی ہیں، عوامی احتجاج ہوا، توڑ پھوڑ ہوئی۔ حکام جائے واردات پر آئے عوام کو صبر کی تلقین کر کے تحقیقات کر کے ملزموں کو قرار واقعی سزا دینے کی یقین دہانی کردی اور یوں معاملہ ٹھنڈا پڑ گیا۔ چند دن کے بعد پھر ایسے ہی حالات رونما ہوئے۔ پھر توڑ پھوڑ ہوئی پھر حکام آئے تحقیقات کی یقین دہانیاں ہوئیں اور پھر معاملہ ٹھنڈا پڑ گیا اور یہ سلسلہ اب گذشتہ پچاس برس سے جاری وساری ہے۔ عوامی سطح پر بھی احساس ذمہ داری مفقود ہے۔ عوام ہر سہولیت سرکار سے چاہتے ہیں لیکن کوئی ذمہ داری پورا کرنے کے لئے تیار نہیں۔ ان کا بس چلے تو اپنے گھروں کی صفائی کیلئے بھی سرکار کو ہی مامور کریں۔ متمول گھرانے خیرِ عام کی کاوشوں میں کوئی کردار ادا نہیں کرتے۔ ہاں اپنی Property ہر گذرتے دن کے ساتھ بڑھاتے جارہے ہیں اور ان عمرِ عیار کا تھیلہ بھرنے کا نام ہی نہیں لیتا۔ محکموں کی حالت ابتر ہے۔ Checks and Balances کا نظام یا تو بالکل درہم برہم ہے یا پھر سرے سے ہی موجود نہیں ہے اور اس وقت وادی System Failure کا شکار ہے۔ جوابدہی کا عمل بے کار ہے۔ کوئی کسی کے سامنے جوابدہ نہیں اور اگر کسی جگہ یہ عمل ہے بھی تو اس کی خرید وفروخت ہو رہی ہے اور یوں معاملہ پھر کھٹائی میں پڑ گیا۔ وادی کی معاشرتی اور معاشی صورتحال اس مقام پر جا پہنچی ہے کہ اگر فوراً ایک فکری انقلاب برپا نہیں کیا گیا تو پانچ برس کیا یہ سماج اگلے دو برس میں ہی وقت

کے قبرستان میں دفن ہو جائیگا۔اس پورے معاشرے کے بدلنے کی صرف ایک صورت ہے اور وہ ہے کہ فرد اپنے آپ کو بدل ڈالے۔ظاہر و باطن کو یکساں کرے قول وفعل کے تضاد کو دور کرے غیب وحضور میں یکساں وطیرہ دکھائے اور Modesty یعنی سادگی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے۔سیمینار منعقد کر کے اور تقریریں جھاڑ کر اس قوم کی قسمت بدلی نہیں جاسکتی ہے ۔اس کے لئے ایک آہنی عزم اور کردار کی ضرورت ہے۔اگر اعلانات اور سیمینار سے کسی شے کی ہیت بدلتی تو آج جھیل ڈل آب حیات کی جھیل میں مبدل ہو چکی ہونی چاہیئے تھی۔ کیونکہ اس موضوع پر ہزاروں سیمینار ہوئے ، مقالے پڑھے گئے ، زبردست پلاننگ ہوئی، دورے ہوئے ، محکمے قائم کئے گئے ، میٹنگیں طلب ہوئیں ، فنڈس الاٹ ہوئے۔لیکن مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی اور اس وقت ڈل کی حالت سری لنکا کی LTTE سے بھی بدتر ہے۔کیونکہ نہ تو فرد ہی بدلا اور نہ ہی مجرمانہ لاپرواہی برتنے والے اور نہ ہی فنڈس کو چوں چوں کا مربہ بنانے والوں کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔

مشورہ

رقابت، دیکھا دیکھی اور مقابلہ آرائی نے ایک سماجی بدت اختیار کرلی ہے۔ Evil میدان میں دوسرے کو اپنے سے کمتر ثابت کرنے میں ہم ہر وہ کام کرڈالتے ہیں جو ضمیر کے خلاف اور ذہنی دیولیہ پن کا غماز ہے۔ اپنے حریف، ہمسایہ، ساتھی، ہم منصب سے بہتر نظر آئیں اس کے لئے کسی بھی پستی میں لڑھکنے کے لئے ہم چہار پہر تیار ہیں۔ ایسا اجتماعی اور انفرادی دونوں سطحوں پر ہو رہا ہے۔ سنا ہے کہ شہر خاص میں شادی بیاہ کے موقع پر کسی گھرانے میں وازہ وانی پکوان کی ایک بھاری مقدار کسی وجہ سے consume نہ ہوسکی۔ موسم چونکہ ہاڑ کا تھا۔ لہٰذا اسے دریا برد کرنے کے بغیر اور کوئی تدبیر نہیں سوجھی۔ لہٰذا دیگ دیگچے ایک ریڑھے میں لاد کر پُل پر پہنچادیئے گئے اور روغن جوش وقورمہ رستہ وگوشتابے دریا برد کئے گئے۔ اسی گھرانے کے پڑوس میں بھی شادی کی تقریب منعقد ہونے والی تھی جب اس گھرانے کے میر کارواں تک وازہ وان دریا برد کرنے کی بات پہنچی تو اسے یوں لگا جیسے کہ اس کی غیرت کو چیلنج کیا گیا اس نے Charter کئے گئے وازے یعنی آشپاز کو طلب کیا او اسے order دیا کہ جتنا گوشت اس کے ہمسایہ نے دریا برد کیا ہے، اس سے دوگنی مقدار میں اضافی وازہ وان تیار کیا جائے۔ آشپاز نے حیرت سے پوچھا کہ ایسا کیوں؟

تو میرِ کارواں نے جواب دیا تا کہ ہم وازہ وان دریا برد کر کے ہمسایہ کو دکھا سکیں کہ ہم بھی کسی سے کم نہیں۔ ہم نے بھی اپنی ماں کا دودھ پیا ہے اور مقابلہ اور میدان جہاد میں پیٹھ دکھانے والوں میں سے نہیں اور آخری سانس تک مقابلہ کرینگے۔ یوں اس نے بھی ڈھائی کوئنٹل اضافی وازہ وان تیار کرا کے دریا برد کروایا اور ہمسایہ کا حق ادا کرتے ہوئے اسے اس کی اوقات یاد دلا دی۔ ہماری خواتین تو Evil olympic کی دوڑ میں Broad band کی تیزی سے جا رہی ہیں۔ جوتے چپل، چنری سوٹ، گھڑی عینک کے میدانوں سے منتقل ہو کر اب یہ دوڑ Mobile فون کی سرحدوں میں داخل ہوگئی ہے۔ فون کی ضرورت کم ہے لیکن اس کی نمائش زیادہ، فحاشی، بدتمیزی، بے راہ روی کو Advancement سمجھ کر ہر کوئی اس فکر میں ہے کہ Ist پوزیشن حاصل کر کے معاشرہ میں سرخ رو ہو جائے۔

اگر کسی سیاستگر نے اپنے حواریوں کی میٹنگ طلب کر لی اور اس کا تذکرہ اخباروں میں آیا تو آناً فاناً دوسرے سیاستگروں کے علاقے میں میٹنگ بلانے کا ایک طوفانی جھکڑ چلنے لگتا ہے اور یہ جھکڑ اسی وقت سست پڑ جاتا ہے جب تک کہ تمام سیاستگر دو چار میٹنگیں بلا کر قصہ تمام نہ کر دیں۔ سیاستگر صرف دو ہی رنگوں میں رنگے ہیں۔ سیاہ اور سفید رنگ میں لیکن لفظوں کی جادوگری اور سیاسی Dance کے سُر تال و پیچ و خم میں اکثر آنکھیں دھوکہ کھا جاتی ہیں۔ مقابلہ آرائی کے اس Ring میں سیاہ سیاستگر سفید سیاسی مسخرے کی tune چرا کر اس پر ناچنے لگتا ہے۔ اور کبھی سفید سیاسی کامیڈین سیاہ سیاسی جوکر کے لطیفے چرا کر عوام کے گوش گزار کرتا ہے۔ جب مسئلہ کشمیر کی بات چلتی ہے تو لگ بھگ تمام سیاسی Gobel اس مسئلہ کو متنازعہ مانتے ہیں۔ لیکن جب عملی قدم کا وقت آتا ہے تو قول دھرا کا دھرا رہ جاتا ہے اور بے عمل سیاستگر موسیٰ کا کیمپ چھوڑ کر فرعون کے لنگر میں جاگزین ہوتا ہے۔ فرعون کے میخانہ میں عیش و عشرت کے جام بھی لنڈاتا ہے اور موسیٰ کا ہمسفر ہونے کا

بھی دعویٰ کر ڈالتا ہے۔اسی قول و فعل کے تضاد نے اس پوری بستی کو یرغمال بنا کر رکھا ہے۔اور خود فرعون بھی حیران کہ بارخدایہ آخرزمانہ کے بنی اسرائیل کیسے ہیں جو وصل کی مے تو میرے ساتھ نوش کرتے ہیں لیکن ذکر موسیٰ کا کرتے ہیں۔موسیٰ بھی حیران و پریشان کہ بچھڑے تراش کران کی پوجا بھی کرتے ہیں اور ساتھ میں توحیدی ہونے کے بھی دعویدار ہیں۔انہیں دیکھ کر عبداللہ بن اُبی بھی ترا اپنے ترا اپنے کر کے رہ جاتا ہے کہ یہ سیاست گر بھی عجیب مخلوق ہیں۔بولتے کچھ اور کرتے کچھ اور۔

اور اب یہ وطیرہ سیاستگر کے خون میں رچ بس کر رہ گیا ہے۔اسے اب یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ ایک Split پرسنالٹی ہو کر رہ گیا ہے۔قول سے تو وہ سفید ہے لیکن فعل سے سیاہ۔ اس تضاد کو اب سیاست کار نے حکمت عملی کی تبدیلی کا نام دیا ہے۔اور گزشتہ ادوار سے یہ سیاست کار راتوں رات اچانک حکمتِ عملی تبدیل کر ڈالتا ہے۔خود تو عیش کی منزل پر گامزن ہو جاتا ہے لیکن Follower بے چارے دربدر ہو جاتے ہیں۔فی الحال تو مشورے دینے کا موسم کھل اُٹھا ہے اور سیاہ و سفید سیاستگر ہند و پاک کو مختلف مشورے بن مانگے دیتے رہتے ہیں۔لیکن مشورہ کے یہ حاتم طے اس بات سے بے خبر ہیں کہ ان کی خیرات لینے والا کوئی نہیں۔ہند پاک دونوں ایٹمی طاقتیں ہیں اور دونوں کے پاس اعلیٰ ترین دماغوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔اور دونوں کو اپنے اپنے مفاد بھی معلوم ہیں۔لیکن کیا کریں منہ پھٹ معتبر طوط رام کا جسے مفت میں مشورہ دینے کی کچھ ایسی چاٹ پڑی ہے کہ۔

چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

معتبر طوط رام نے بن مانگا مشورہ کیا دیا کہ چاروں طرف سے مشوروں کی بوچھاڑ ہونے لگی۔

ایک سیاستگر نے بھارت کو مشورہ دیا کہ وہ دیوار پر لکھی ہوئی تحریر یعنی نوشتہ دیوار پہنچانے اور فی الفور مسئلہ کشمیر حل کر ڈالے۔بس اس بات کی دیر تھی کہ سیاستگروں نے اپنی ہونٹوں کے مشین گن کی Triger پر انگلی رکھدی۔ تڑاخ تڑاخ، ٹرٹر، تڑاخ

تڑاک، ......تڑاخ...... ہر طرف سے مشوروں کی دنادن، گھن گرج اور دھماکے ہونے لگے۔ کوئی سٹیج پر چڑھ مشورے کی مشین گن سے چاروں طرف اندھادھند فائرنگ کر رہا ہے۔

دوسرے فریق نے اپنے حریف کی یہ طاقت کیا دیکھی کہ اس نے بھی Two inch Mortar کا دہانہ کھول دیا اور مشوروں کی گولہ باری شروع کردی۔ پاکستان کو چاہئے کہ وہ فی الفور کشمیر کا مسلہ حل کرے، یہ بات جب سیاستگر کے تیسرے رقیب نے سنی تو وہ آگ بگولہ ہوگیا۔ اس کا سینہ پھٹنے کو آیا۔ گریباں چاک کرڈالا اور مشورہ کے Drum Machine Gun کا بٹن زور سے دبایا بھارت کو چاہئے کہ وعدوں کا احترام کر کے کشمیریوں کو فوراً حق خودارادیت دے۔ ''تڑتڑ، تڑتڑا تڑا تڑ......تڑتڑتڑ...... مشوروں کی ناگہانی فائرنگ سن کر چوتھا رقیب کنبھ کرن کی نیند سے جاگ پڑا اسے کسی مصاحب نے جگایا اور اطلاع دی کہ بے وقوف تو کب بالغ ہوگا، دیکھ ترے حریف نے ہندوستان کو مشورہ دیا ہے اور بہ بانگ دہل اور ڈنکے کی چوٹ پر دیا ہے۔ اور اگر خدانخواستہ ہندوستان نے وہ مشورہ مان لیا اور کشمیر سے دستبردار ہوگیا تو، تو تو کہیں کا نہیں رہیگا نہ گھر کا نہ گھاٹ نہ میٹنگ کا نہ اجلاس کا نہ استقبال کا نہ جلوس کا اٹھ جاگ ذرا اے مرد مجاہد وقت شہادت ہے آیا۔ اٹھ تو بھی اللہ کے نام پر مشورہ کی توپ داغ دے۔ کیا پتہ گولہ نشانے پر لگ جائے اور تو بھی Fatoo the weaver بن جائے۔ سیاستگر یہ سن کر پھولنے لگتا ہے۔ نتھنے پھڑپھڑاتے ہیں۔ گردن کی رگیں تن جاتی ہیں۔ سانس پھولنے لگتی ہے چہرہ سرخ ہوجاتا ہے اور پاپیر کا نعرہ لگا کر مشورہ کی توپ داغ دیتا ہے کہ۔

بھارت اور پاکستان کو چاہئے کہ میز پر بیٹھ کر، کھانا پینا چھوڑ مسلہ کشمیر حل کر ڈالیں۔ گولہ تو داغ دیا۔ لیکن واپس کوئی گولہ نہیں آیا نہ ہی گولہ کی بازگشت سنائی دی۔ کیونکہ سبھی جانتے ہیں کہ یہ چہ پدی چہ پدی کا شوربہ ہے۔

آشپاز

آشپازی کا موسم بس شروع ہونے کو ہے۔ رقعے بانٹے جا رہے ہیں۔ اور رقعوں پر سادگی برتنے، فضولیات ترک کرنے اور ماحضر عین وقت پر پیش کیئے جانے کی Warning چھپی رہتی ہے۔ قول سے تو یہ سب کچھ بہت دلکش لگتا ہے۔ لیکن فعل پر جب نظر پڑتی ہے تو یہ سب محض ایک دکھاوا بن کر سامنے آجاتا ہے۔ اس سماج میں صحیح دانشور تو ناپید ہیں لیکن صحیح آشپاز فوج در فوج موجود ہیں۔ فلسفی، Fine Arts، دست کار، موسیقار، گلوکار اور دیگر فن کاروں کی قدر ناپید ہے جبکہ آشپاز نے اب VIP کی حیثیت حاصل کر لی ہے۔ آشپاز کو کوئی پیارا نہیں لیکن آشپاز سب کو پیارا ہے۔ اور خوب Demand میں ہے۔ اس کی Advance Booking ہوتی ہے۔ اور بڑی مشکل سے اسے گھر گھر تیرتھ یاترا کرنے کا وقت ملتا ہے۔ سادگی متانت وقار سخاوت علم ودانش فن کے مقابلہ میں ہم نے کب کی شکست تسلیم کر لی ہے لیکن لغویات اور فضولیات میں ہم عالمی چیمپیئن بننے اور ریکارڈ قائم کرنے میں ایڑھی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں۔ ہمارے سماج میں اپنے جائز وسائیل سے وازہ وان کی محفل آراستہ کرنے میں حد ہوگئی تو 5 یا 6 فیصد لوگ ہی دسترس رکھتے ہیں۔ جبکہ باقی 94 فیصد کو ان 6 فیصد سے مقابلہ میں سرخرو اترنے کے لئے ہر طرح کی غیر ضروری اور غیر اخلاقی کاوشیں کرنا پڑتی ہیں۔ اور اس مقابلہ میں پورا اترنے کیلئے ہر ذریعہ وہر حربہ کیا

جائز اور کیا نا جائز استعمال میں لاتے ہیں۔

وازہ وانی مجلس میں تشریف فرما ہو کر ہر کوئی اس فضولیات اور سماج پر اس کے اثرات بدِ پر اپنی مقدور کے مطابق تبصرہ کرتا اور روشنی ڈالتا ہے۔ تبصرہ جات کے یہ Forum ایک عرصہ سے وازہ وانی مجالس میں گیان وعرفان کے نورانے بکھیرتے رہتے ہیں۔ یہ تبصرے سیاست کی طرح ہی اب ہماری دوسری فطرت یا 2nd Nature بن کر رہ گئے ہیں۔ کچھ دہائیوں قبل تک وازہ وانی محفل آراستہ کرنے میں درکار رسودا سلف کا بیشتر حصہ وادی کی پیداوار ہی ہوا کرتا تھا۔ لیکن جب سے ہم نے ترقی کی ہے گھر میں تو دیوالیہ کے سناٹے بکھرے رہتے ہیں۔ لیکن دیپاولی کے لئے روشنی ہم باہر سے ہی برآمد کرتے ہیں۔ گوشت، دودھ، گھی، مصالحہ جات، مرغ مرغے اسکا بیشتر حصہ اب بیرون ریاست سے ہی آتا ہے۔ البتہ دہی کا پیالہ اور پانی مقامی پیداوار کا ہی استعمال ہوا کرتا تھا۔ لیکن اٹانومی اور آزادی وعزت آبرو کے موضوعات پر تقاریر سنکر ہمارا دماغ ماؤف ہونے لگا ہے اور اب یہ مٹی کا پیالہ اور مقامی پانی ہمارے لئے تحقیر کا باعث ہو گیا ہے۔ بقول مولانائے رومؒ، کمینے کے ساتھ خیر کرو گے تو واپسی میں کمینگی ہی ملے گی۔ اور شاید اپنے نفس کی موج کی تشفی کر کے ہم کمینہ نفس سے خیر کی امید لگائے بیٹھے ہیں تو بڑا کہ میں کے اس مقابلہ میں ایک دوسرے کو ہرانے کے لئے ہم اپنی پوری قوت جھونک دیتے ہیں۔ اور یہ قوت ہم مالی اداروں سے قرضہ لیکر، دلالی کر کے غبن اور خیانت کر کے حاصل کرتے ہیں اور جب مقابلہ کے اکھاڑے میں وازہ وانی محفل میں اپنے حق ہمسایہ، دور نزدیک کے رشتہ دار اور دیگر احباب سے زیادہ بڑی چنگیزی محفل سجا کر انہیں ان کی اقات یاد دلاتے ہیں تو ہمیں چین نصیب ہوتا ہے۔ مقابلہ بازی کی اس دوڑ نے پورے سماج کو ایک چکر ویو یا Vicious Circle

میں قید کردیا ہے۔ یہ دم توڑتا سماج اس بھنور میں کچھ یوں الجھ گیا ہے کہ اس میں سے اب صرف اور صرف اللہ کی ہی قوت ہمیں باہر لاسکتی ہے۔ وازہ وانی مجالس نے نہ صرف ہمارے وسائل ہی گمراہ کردیئے ہیں بلکہ یہ بے راہ روی کی بھی آماجگاہ بن گیا ہے۔ لیکن اس آماجگاہ میں ہم اپنے تمام اختلافات بھلا کر ہم نشین ہونا عزت وافتخار سمجھتے ہیں۔ مساجد میں تو ہنگامے کھڑے کرنے میں ہمیں کوئی عار نہیں۔ لیکن وازہ وان مجلس میں چمچ اور گلاس کے ٹکرانے کی آواز کو بے ادبی مانا جاتا ہے۔ قسم قسم کے سیاستگر ایک ہی مسجد میں داخل ہونے کو اپنی ہتک سمجھتے ہیں۔ لیکن ایک ہی وازہ وانی مجلس میں تشریف لانے کو اپنے لیئے بے حد عزت افروزی سمجھتے ہیں۔ عوامی Stage پر ایک دوسرے کی دستار کی دھجیاں اڑانے والے سیاستگر بھی اس محفل میں سونہ گوبُر بن کر بیٹھتے اور ایک دوسرے کو ابرو کے اشاروں سے خیر وعافیت کا پیغام دے ڈالتے ہیں۔ اگر ترامی میں ہمسایہ ہوئے تو اپنے حصہ کی روغن جوش کی لَٹ بھی بڑے پیار سے اپنے حریف کی ترامی پر تحفتاً سجاتے ہیں۔ آزادی واٹانومی و Self Rule کے یہ پیامبر بڑے چاؤ سے ہریانہ کا پانی پیتے اور مدھیہ پردیش کے پلاسٹک گلاسوں میں پروسا ہوا دہی ہضم کرتے ہیں۔ کشمیر کو ہر معاملہ میں خودکفیل بنانے کے متمنی اور دعویدار یہ عاشقان کشمیر بڑے ہی لطف سے باری برہمناں جموں میں بوتل بند کے ہوئے Coca Cola کے جام لنڈھانے اور جنوبی ہند میں تراشے ہوئے خلالوں سے اپنے دانت مسوڑھے صاف کرتے دیکھے جاسکتے ہیں۔ اس عمل میں عہدہ اور سماجی حیثیت کی کوئی قید نہیں بقول اقبالؒ

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود وایاز
نا کوئی بندہ رہا اور نا کوئی بندہ نواز

بندہ و صاحب محتاج وغنی ایک ہوئے

تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

خورد ونوش کی اس جنگی محفل میں گوشتابہ کے گولے کو جنگبندی کے اعلان کی علامت مانا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے بعد کسی اور اسلحہ اور گولہ باری کا استعمال نہیں ہوتا۔ طشت ناری برداروں نے جب کاہلانِ کشمیر کو جسمانی معذوروں کی طرح ان کے مقام اقامت پر ہی ہاتھ دھلوائے تو مجلس کے The End کا اعلان ہوتا ہے اور وازہ وان کی بدعات پر تبصروں کا دوسرا دور شروع ہوجاتا ہے۔ آہستہ آہستہ مجاہدین وازہ وان میدان جنگ سے کھسکنا شروع ہوجاتے ہیں۔ ایک ایک کرکے کھسکتے ہیں اور وازہ وان کا بچایا ہوا گولہ بارود پلاسٹک کے تھیلوں میں دبا کر اپنے اپنے گھروں کی طرف روانہ ہوجاتے ہیں۔ وازہ وان کا یہ اضافی گوشت پلاسٹک لفافوں میں دبا کر گھر لے جانے والوں میں ان اداروں کے احکام اور کارندے بھی شامل ہوتے ہیں۔ جو پلاسٹک پر Ban کو نافذ کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ ان پڑھ آشپاز بھی قول وفعل کے اس تضاد پر حیران ہے۔ وہ اپنے چونچہ سے اپنے دیگچہ پر زور سے ضرب لگاتا ہے تو ٹائوں کی آواز نکلتی ہے۔ اردگرد کھڑے وازہ وانی رضا کار چونک کر جب پوچھتے ہیں کہ کیا یہ توپ کا گولہ چلنے کی آواز تھی؟ تو وازہ وانی کمانڈر کہتا ہے کہ کشمیری معاشرے کے فوت ہونے کا اعلان ہے۔ کیونکہ عالمِ بے عمل، ریاکار سیاستگر، HIV-AIDS, Global Warming غیر مقامی کارکن اور آپہ ٹاٹھ کے بعد جس شدید خطرے سے ہمارا سماج دوچار ہے

اسکا دوسرا نام محفلِ وازہ وان ہی تو ہے

میٹنگ

سماجی دریا کی روانی کو جاری رکھنے کے لئے تقریر اور جلسہ جلوس کی طرح میٹنگوں کا انعقاد بھی ضروری ہے اور اس ضمن میں کئی قسم کی میٹنگیں ہوتی ہیں۔ مثلاً انتظامی میٹنگ، مالی میٹنگ، سماجی میٹنگ، دانشوری میٹنگ وغیرہ وغیرہ۔ اگر یہ میٹنگیں ہونا بند ہو جائیں تو عین ممکن ہے کہ بنی نوع آدم کو درپیش تمام مسائل کا ازالہ ہو جائے۔ مگر میٹنگ کر کے سیاست گر کے گھر کی طرح لاتعداد وزیروں اور افسروں کے گھر چلتے ہیں لہٰذا میٹنگیں کسی رکاوٹ کے بغیر جاری ہیں۔ میٹنگ کی خاص قسمیں یہ ہیں۔

سیاسی میٹنگ: یہ میٹنگ عالمی سطح سے لیکر مقامی سطح تک منعقد ہوتی رہتی ہے اور عہدِ قدیم سے جاری ہے۔ سکندر اعظم نے بحری قزاق سے میٹنگ کی اور شرمندہ ہو گیا۔ جب بحری قذاق نے اسے کہا کہ

ہم قذاق ہیں دونوں تو صحرائی میں دریائی

دور جدید میں اس طرح کی میٹنگ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں کی جاتی ہے۔

ہند و پاک کے معاملات پر UNO کی میٹنگ کا یہ نتیجہ نکلا کہ ان دو ممالک نے

اپنے وجود سے لیکر آج تک چار جنگیں لڑیں اور عین ممکن ہے کہ UNO کی میٹنگ کا سلسلہ اگر یونہی جاری رہا تھا تیسری اور چوتھی جنگ عظیم بھی عنقریب ہی لڑی جائیگی۔ سیاسی میٹنگیں عالمی سطح کے علاوہ قومی اور مقامی سطح پر بھی منعقد ہوتی ہیں۔ قومی سطح پر عام طور پر ہندوپاک تعلقات استوار کرنے اور ملک میں غریبی کے خاتمہ کرنے کیلئے میٹنگیں اکثر طلب ہوتی رہتی ہیں۔ میٹنگوں کی تعداد میں جتنا زیادہ اضافہ ہوتا ہے۔ ہندوپاک تعلقات اتنے ہی زیادہ بگڑتے اور ملک مین غریبوں کی تعداد میں اتنا ہی زیادہ اضافہ ہوتا ہے۔ مقامی سطح پر بھی اکثر میٹنگیں ہوتی ہیں۔ زیادہ تر مختلف سیاستی Gangs کو یکجا کرنے پر یہ میٹنگیں ہوتی ہیں اور جتنی زیادہ میٹنگیں ہوتی ہیں یہ Gangs مزید ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوکر Sub Gangs میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔

انتظامی میٹنگ: اس طرح کی میٹنگ ملک میں انتظامی معاملات کو صحیح سمت دینے اور آگے دوڑ پیچھے چھوڑ کی روایت کو زندہ و پائندہ رکھنے کے لئے کی جاتی ہیں۔ کچھ دہائیاں قبل جب ضلع ترقیاتی بورڈوں کی میٹنگ ضلع صدر مقامات پر ہی منعقد ہوتی تھی تو سب سے پہلے آشپاز کو اسلحہ و گولہ بارود کے ساتھ محکمہ تواضع کی گاڑیوں میں مقامِ میٹنگ پر پہنچایا جاتا تھا اور حاکم بعد میں Target پر وارد ہوتے۔ دو چار خیالی تقریریں ہوتیں۔ خیالی اعداد و شمار پیش ہوتے پھر مجلسِ ضیافت کا انعقاد ہوتا اور پھر گفتند، نشستند، خوردن اور برخواستند کا بگل بجا کر میٹنگ کے خاتمہ بالخیر کا اعلان کیا جاتا۔ یہ میٹنگیں اب بھی جاری ہیں لیکن اب روشنی تو پہلے کی طرح ہوتی نہیں البتہ گرمی کا درجہ کچھ زیادہ ہی شدت اختیار کر گیا ہے۔ نقلی دوائیوں کے استعمال کے مسئلہ اور Plastic کی پھیلتی وباء کے معاملات پر جتنی زیادہ میٹنگیں منعقد ہو رہی ہیں، اتنا ہی زیادہ نقلی ادویات کی بکری اور پلاسٹک کے استعمال کا پھیلاؤ بھی بڑھ رہا

ہے۔ اور بیچارہ بکیل غوفراب سمجھ رہا ہے کہ یہ میٹنگیں تو محض فی سبیل للہ بلائی جا رہی ہیں۔ تا کہ دنیا اس خواب میں مست رہے کہ کشمیر میں بھی ایک انتظامیہ موجود ہے۔

مالی میٹنگ: ایسی میٹنگ مالیات کے معاملات پر بلائی جاتی ہے۔ آمد و خرچ اور ان کے درمیان تفاوت پر بحث و مباحثہ کیا جاتا ہے۔ یہ میٹنگ گھریلوں سطح سے لیکر ادارہ جاتی سطح پر منعقد ہوتی ہے۔ گھریلوں سطح کی میٹنگ کی صدارت آپہ ٹاٹھ کرتی ہے۔ آمدنی کیسے بڑھے اور خرچہ کس پر ہو۔ ان معاملات پر آپہ ٹاٹھ کا تجربہ اور مشاہدہ درابو صاحب سے بھی کئی گنا زیادہ ہے اور یہ آپ ٹاٹھ کی مالی مہارت کا ہی اعجاز ہے کہ اس وقت سماج کا ہر گھر محمد تغلق کا اکھاڑہ بنا ہوا ہے۔ مالی میٹنگ سرکاری سطح پر بھی ہوتی ہے اور آمد و خرچ کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ آمدنی کے خیالی ذرائع سے اربوں ڈالروں کی آمدنی ہونے کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے۔ لیکن خرچ کے تفاصیل سے عوام کو آگاہ نہیں کیا جاتا۔ ہاں سبز باغوں، کوہستان نمک اور تیل کے تالابوں کی مستقبل میں تعمیر پر کیئے جانے والے خرچ کے نقارے بجائے جاتے ہیں۔ یہ حال دیکھ کر شمبھو ناتھ اور وہاب کھار دونوں لاجواب ہو گئے اور سوچ میں پڑ گئے کہ کہیں آخر زمانہ کے اس واندر راج میں الفاظ کے معنیٰ الٹے تو نہیں ہوتے۔ زبانی جمع خرچ کے ان اعلانات کا سیاستگر اس وقت پول کھول دیتا ہے جب اس سے اقتدار چھین لیا جاتا ہے۔ یقین نہ آئے تو گذشتہ ایام کے اخبارات کی فائل کھول کر دیکھ لیں کہ کس سرکاری سیاستگر نے کس دوسرے سیاستگر کے کس قیمت کی پول کھول کر رکھدی ہے۔ لیکن چالاک ہیں یہ سیاست گر کہ اس نے کبھی حریف سیاستگر کے کالی کرتوت کا فائل Crime Branch یا Vigilance والوں کے حوالے کرنے کی حماقت نہیں کی۔ کیونکہ ساتر اور ستار دونوں اس حمام میں بڑے Fashionable کپڑوں میں ملبوس ہیں۔

سماجی میٹنگ: سماج میں اصلاح احوال کے لئے یہ میٹنگ طلب ہوتی ہے دس بارہ برس میں سماج کے بہی خواہوں کی اُونگھ ٹوٹ جاتی ہے اور وہ بے راہ روی، بے حیائی، بے شرمی، وازہ وان کی بدعت، رشوت ستانی، نشیلی ادویات کے استعمال، نوجوان پود میں فیشن زدگی کے موضوعات پر میٹنگ طلب کرتے ہیں۔ لیکن رنگے سیاروں میں کہیں وہ خود بھی شامل تو نہیں۔ اس بارے میں غور کرنے سے نہ صرف کتراتے بلکہ گھبرابھی جاتے ہیں۔ لہٰذا ایک عدد پریس بیان جاری کر کے پھر توشہ نشینی کی گھپا میں جا چھپتے ہیں۔

لیکن چھپنے سے پہلے دوسرے دن کا اخبار آنے کا ضرور انتظار کرتے ہیں تاکہ یہ دیکھیں کہ بیان جاری کرنے والوں کی فہرست میں انکا نام آیا ہے کہ نہیں؟ کچھ عرصہ قبل ان جیالوں پر سماج سدھار کا اچانک شدید دورہ پڑا اور انہوں نے اعلان کیا کہ بیچارے وازوان، ان بابا کے صرف چالیس براتیوں کی تواضح کی جائیگی۔ انہی سماج سدھاریوں میں سے ایک کا Secret Track پر وازہ وان بابا کے ساتھ خفیہ رابطہ تھا۔ لہٰذا اس نے وازہ بابا کے 200 براتیوں کو 40 چالیس جھتوں میں بانٹ دیا۔ کہیں پھوپھی کے گھر میں 40 براتیوں کی تواضح کی تو کہیں ماسی کے گھر میں، کہیں نیاز کے نام پر 40 تو کہیں خیرات کے نام پر وازہ وان بابا کے مریدوں کی شکم پری کی۔ فی محفل کے حساب سے جب ضرب تقسیم کی گئی تو صرف چالیس حاصل ضرب آتا تھا۔ لیکن 40x5 کا جب فارمولہ Apply کیا گیا تو 200 نکلے ہم نے ذی عزت سماج سدھاری سے جب ہندسوں کے اس سرکس میں پوچھ تاچھ کی تو بولے۔

رات کو پی لی صبح کو توبہ کرلی
رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

آشو

ASHU کا اصل نام انعام الحق ہے اور اس کیلئے ایک Life Partner یعنی شریک حیات کی تلاش ہے۔ لڑکے میں سب گن ہیں۔ گریجویٹ ہے، صحت مند اور حسین بھی ہے، صاحب ثروت و روزگار ہے۔ لاڈلا یعنی خانہ مول بھی ہے اور اس کیلئے ہونے والی SHEBA یعنی بلقیس کی تلاش میں شہر سبا میں ہد ہد یعنی HOPOE دوڑائے گئے۔ ادھر آشو MIDDLE MAN کی HITLIST پر بھی پہلے نمبر پر ہے اور جب سے منزّم یُور کی ہٹ لسٹ پر آیا ہے۔ تب سے زندگی تبدیل ہے CHANGE اتنی تیزی سے جاری ہے جس طرح پاکستانی فوج وادیٔ سوات کا ہسٹری جغرافیہ تیزی سے بدل رہی ہے۔ اگر بدلباس رہتا تھا اب BARAK HUSSAIN OBHAMA کی طرح خوش لباس رہتا ہے۔ زبان مزید نکھر گئی ہے اور اب گلریز، گلستان اور بوستان کے نغمے بکھیرتا ہے۔ گلی دے منڈوں سے سنگت چھوڑ کر اب دانشوروں کے ہمرا ہی میں ہے۔ اسے ADVANCE میں WARNING دی گئی ہے کہ دائیں بائیں، شائیں شائیں آگے پیچھے، اوپر نیچے، اندر باہر، مسجد مندر، قبلہ منبر پر اسکی SURVILENCE ہو رہی ہے۔ اور اسے تاڑنے والے قیامت کی نظر بھی رکھتے ہیں۔ ہنس اور ہرن کی چال چلنا سیکھ لے، عقابی نظر پیدا کر، کوئیل کی میٹھی بولی بول، بلبل کی طرح چہک اگر مقابلہ میں کامیاب نہ رہے

تو دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی مہندی کے رنگ کی بس حسرت میں ہی بوڑھی ہو جائیگی۔ ASHU بیچارہ CONFUSE ہو گیا اور اتنا ہوا کہ اپنی چال بھی بھولنے لگا۔ کبھی چنگیزی تو کبھی تیموری چال چلنے لگتا اور Wood Land و Nike کے کپڑے جوتے پہن کر ہی گھر سے باہر قدم رکھتا ہے۔ خود بھی اپنے گمان کی دوربین سے ماحول کو SCAN کرتا جاسوسوں کو IDENTIFY کرنے کی جستجو کرتا ہے SEARCH & SEEK کے بڑے معرکے کے سر ہوتے ہیں اور آخر کار SELECT کا بٹن دبایا جاتا ہے۔ اب اسے بھی ممکنہ بلقیس کی GLIMPSE دیکھنے کا چیلنج دیا جاتا ہے۔ اسے یہ معرکہ اکیلے ہی سر کرنا ہے۔ ASHU بھی خواجہ خضر کی ٹوپی پہن کر INVISIBLE ہو جاتا ہے۔ اور اپنی ممکنہ SHIBA کی جھلک پانے کے لئے لُکا چھپی، آوا گاہی اور کبھی اِدھر کبھی اُدھر کا کھیل ایسے کھیلتا ہے۔ جیسے TV سیریل چندر کانتا کا کرور سنگھ۔ کھیلا کرتا تھا۔ ASHU بھی جھلک پا لر یکو کہکر اچھلتا ہے۔ لیکن جلد ہی اُسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو MISSED CALL تھی۔ اصل SHIBA تو کب کی پنگھٹ کی طرف نکل چکی ہے۔

فریب خوردہ ASHU اب SHIBA کے دفتر جاتا ہے۔ وہاں کے ORDERLY کو تریشاہ تمو کھاہ دے کر SHIBA کا درشن کچھ یوں کرتا ہے جس طرح دین الٰہی کے کرتا دھرتا اکبر اعظم کے بھگت درشنی دیوڑھی میں اسکا درشن کیا کرتے تھے۔ اگر تیر نظر پار ہو گیا تو SHIBA کو بھی اپنے ہونے والے پیا، میرے صنم، میرے محبوب یا پھر چل چھیاں... چھیاں.. چھیاں چھیاں کے دیدار کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ اس کیلئے MUGHAL DARBAR و ALKA SALKA و TAO یا پھر LINZ ریستوران کا انتخاب ہوتا ہے یا پھر کسی خدا دوست کا مرقد۔ اب اس لسٹ میں TULIP GARDEN بھی شامل ہے..... دونوں کی نظریں چار ہوئیں...... دونوں اندر اندر سے ہی آپ کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے گنگناتے لگتے ہیں اور یوں جوڑی جم گئی لیکن یہ کیا؟ جدائی کا

رقیب کہاں سے آٹپکا......؟ ASHU کی داڑھی رقیب بن گئی۔ اگر وہ داڑھی منڈھ وائے تو رشتہ سر آنکھوں پر اگر نہیں تو معاملہ گول گپہ۔

ASHU حیران ہے کہ اسکی داڑھی کیوں مسئلہ بن گئی۔ خالصہ پنتھ میں کوئی لڑکا داڑھی صاف کرے تو مونا کہلاتا ہے اور شادی بیاہ سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ لیکن عجب رسم ہے مسلم پنتھ میں اگر دھاڑھی چہرے پر سجائی تو زندگی ویران ہوگئی......شادی بیاہ ناممکن ہے؟ اس تضاد نے ASHU کو CONFUSION میں ڈالدیا۔

گھر میں COUNSELLING کے دور شروع ہوتے ہیں۔ داڑھی کے مضر اثرات اور داڑھی منڈھوانے کے فائیدے گنوائے جاتے ہیں۔ بڑے بڑے ناصحین گھر میں آتے ہیں۔ ڈیڑھ گز لمبی داڑھی والے ناصحیں داڑھی نہ رکھنے کے فائیدوں کی بڑی LIST پیش کرتے ہیں۔ لیکن ASHU اس خودکشی پر تیار نہیں۔ بزرگوں کی تیر و تفنگ کی بوچھاڑ سے مجبور ہو کر ASHU لب کشائی کرتا ہے۔ اور پھر پوچھتا ہے داڑھی رکھنا مسلم معاشرے میں جرم کیوں ہوگیا ہے؟

جواب ملتا ہے کہ

لڑکی تو قہر خدا جیسی جدید یعنی Ultra Modern ہے اور جب وہ داڑھی والے عمہ لون جیسے بزرگوار TYPE کے لڑکے کے ساتھ چلے گی تو اسپر کپکپی طاری ہوگی۔ لرزہ اور تشنج ہوگا......تھرتھرا کر دھڑام سے زمین پر گر پڑے گی روح قفس عنصری سے پرواز کر کے سوئے فلک پرواز کر جائے گی لیکن ASHU اپنی ہٹ سے مثلِ مسئلہ کشمیر ایک انچ آگے پیچھے ہٹنے پر تیار نہیں۔

رشتہ کا غنچہ کھلنے سے پہلے ہی مرجھا گیا۔ اور شاعر نے فی البدیہہ کہا۔

حسرت ان غنچوں پر جو بن کھلے مرجھا گئے

یا پھر بقول اقبالؒ۔

اس موج کے ماتم میں روتی ہے بھنور کی آنکھ
دریا سے اُٹھی لیکن ساحل سے نہ ٹکرائی

ابSEARCH OPERATIONنئے سرے سے شروع ہوتا ہے اور ان گھرانوں کی تلاش ہوتی ہے جہاں مرد باریش ہیں، لیکن یہ کیا......؟ وہ گھرانے بھی باریش نوجوان کو داماد بنانے پر تیار نہیں۔لڑکا داڑھی کی اس عتاب زدگی پر حیراں ہے اور سندھ باد جہازی کی طرح یہ راز معلوم کرنے بحرِ حقیقت میں میں کود جاتا ہے تو کیا دیکھتا ہے کہ اب اس سماج میں داڑھی رکھنا

(۱) قدامت پسندی کی علامت مانا جارہا ہے۔

(۲) اکثر نادانیاں داڑھی والوں سے ہی سرزد ہو جاتی ہیں۔

(۳) کرتا ہے داڑھی والا اور پکڑا جاتا ہے بیچارا مونچھوں والا۔

(۴) تنکا بھی چور کی ناک آنکھ سے نہیں بلکہ داڑھی میں ہی ملا تھا۔

ASHU داڑھی ہاتھ میں لے کر خیالوں کی رومان گاہ میں اپنی چاند سی محبوبہ کے درشن کے لئے نہ جانے کب تک انتظار کریگا۔

سپائیڈر کا جال

سائل بیگم صاحبہ کی سگی بہن کو کہتے ہیں۔ شادی سے پہلے اور شادی کے بعد بھی دیدی اور جیجا جی کے معاملات میں اسکا کلیدی رول ہوتا ہے۔ شادی سے پہلے دیدی کیلئے دولہے کی Search و Identification، کے بعد Enter یعنی پیائس پونڈ تراؤن کی ساعت تک سال Hit the Target کرنیکے مرحلہ تک ساتھ رہتی اور بڑے معرکے سر کرتی ہے۔ Marriage ٹائٹل کی سمسار کی فیچر فلم میں یہ Side Heroin کا کردار ادا کرتی ہے۔ جیسا کہ فلم مغل اعظم میں انارکلی کی سہیلی بہار نے کیا تھا۔ اسلئے سماج کے اکبر اعظموں نے اسے ''سال تہِ گُنو پنوئی مال'' کا خطاب دیا ہے۔ مستقبل کے ممکنہ جیجا جی کی تلاش میں یہ ISI، CIA اور RAW کے ماہر ترین Chaser اور Cats کا کردار نہایت ہی ایمانداری لگن اور مہارت سے ادا اور اپنے حال کا بیشتر حصہ مستقبل کے جیجا جی کی تلاش میں صرف کرتی ہے۔ چوری چھپے دیدی کی ممکنہ سسرال اور اس کے در و بام صحن و ڈرائنگ روم کچھ اس طرح Scan کرتی ہے کہ اہلِ سسرال کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی۔ سائل یہ بات یقینی بناتی ہے کہ ممکنہ جیجا جی Extremely Handsome ہو۔ اس کی Body بالی وُڈ ایکٹرا کشئے کمار، چہرے کے فیچر شاہ رُخ خان اور بالوں کا سٹائل فلم ''تیرے نام'' کے سلمان خان جیسا ہو۔ سال اس بات کی بھی تحقیقات کرتی ہے کہ کہیں ممکنہ جیجا جی نے جعفر طرّار کی

طرح مصنوعی Personality تو نہیں بنا رکھی ہے۔ کیا اس کے سر پر قدرتی بال ہیں اور Shahnaz ہیئر ڈریسر کے سجائے ہوئے ہیں یا ممکنہ جیجا جی نے نقلی بالوں کا Wig پہن کر دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونک رکھی ہے۔ اس کے جبڑے میں چمکنے والے موتی جیسے دانت واقعی قدرتی ہیں اور ڈاکٹر سلیم ڈینٹل سرجن کے لگائے نقلی دانت نہیں ہیں۔ سائل اس راز کو بھی فاش کرنا خوب جانتی ہے کہ ممکنہ جیجا جی واقعی بلند قامت ہے اور اونچی ایڑھی والے جوتے چپل پہن کر اس نے خود ہی اپنا قد سیاست کار کی طرح بلند نہیں کر رکھا ہے۔ ہزار ہا موڑوں پر انتظار جیجا جی کی دوکان یا کام کرنے کی جگہوں کے آس پاس منڈلانے کے بعد Atlast وہ دن آہی جاتا ہے جب جمع شدہ اطلاعات و مشاہدات کو Mix کر کے اس میں سے Decision کا Nectar نکالا جاتا ہے۔ آپہ ٹاٹھ کی صدارت میں کچن کیبنٹ کا اجلاس ہوتا اور آپہ ٹاٹھ کی سفارش پر ہی جمہوریہ ٹوٹھ یا Papa جی Final فیصلہ کا اعلان کر ڈالتے ہیں۔ خبر سینہ گیزٹ میں کیا چھپی کہ قریب ترین رشتہ دار، محض فی سبیل اللہ انسانی جذبے سے مغلوب ہو کر لڑکے والوں کے گھر لڑکی والوں کے خفیہ عیب بیان کرنے چوری چھپے چلا جاتا ہے۔ رشتہ میں پھر کھٹاس پڑتی اور ''آمژ کو گر پتی'' ہو جاتی ہے۔ سال پھر سرگرم ہو کر معاملہ کی تہہ میں جاتی ہے۔ چغل خور کی پہچان کر کے اس کی اصل حقیقت ممکنہ جیجا جی کے گوش گذار کر کے اس کے دل کے آئینہ کو صاف کرتی ہے اور No Objection کا اشارہ پا کر منگنی یا ''نشانی'' کا دن مقرر ہوتا ہے۔ گھر کے ان حصوں جنکے آنے والے مہمانوں کی Direct sight میں آنے کا اندیشہ ہوتا ہے Paint ہوتا ہے۔ یہ رنگسازی سائل اپنی نگرانی میں کرواتی ہے۔ پڑھی کُٹھ یا ڈرائینگ روم کو سجاتی اور مہمانوں کے سامنے پیش کئے جانے والے سامان کی از سر نو صفائی کراوتی ہے۔ Fixed day پر جب مہمان گھر میں Enter ہوتے ہیں تو ان کی آو بھگت کرتی ہے۔ دلہن جیسی سجی سجائی کانگڑی میں اسپنڈ ڈالکر خوشبودار مقدس دھویں کی چہار اطراف دھونی دیتی ہے۔ ترتر، ترتر، ترتر...... اور رنگے ہوئے سکے نچھاور کرتی ہے۔

آبگینہ سے بھی نازک پیالے پیالیوں میں مہمانوں کو زعفرانی قہوہ اور عمر خیامی جامِ بلورین میں cold drink پلواتی ہے۔ دسترخوان پر مہمانوں کی فرداً فرداً مازرتھ اور خاطرداری کرتی ہے۔ امروز سال رمبھا اپسرا کی طرح میک اپ اور hollywood ایکٹرس کی طرح Star wars فیشن کا جدید سوٹ پہنتی ہے۔ جسمیں سے ہری نیلی، لال پیلی شعائیں نکلتی ہیں اور مہمانوں کو چندھیا دیتی ہیں۔ سائل مقامی آپہ ٹاٹھ کی بھی افسر ہوتی ہے۔ مجلس میں آپہ ٹاٹھ نے ذرا سی بھی قدامت پسندانہ بات یا غیر روایتی حرکت کی تو سال کی آنکھوں سے ٹیلی پیتھک شعاؤں کا خراج شروع ہوا جن سے آپہ ٹاٹھ منجمد ہو کر مبھوت ہو جاتی ہے۔ رخصتی کے وقت بڑے ناز ور اقدام سے مہمانوں کو گھر کے دروازے پر Tata bye bye کہتی ہے۔ لڑکے والوں کے گھر میں جب جوابی تقریب سجائی جاتی ہے تو اسمیں بھی سائل اگر کمانڈر نہیں تو Area Commander ضرور ہوتی ہے۔

استقبال برات میں تو سائل کا وہی Role ہے جو کسی ملک کے وزیر خارجہ کا ہوتا ہے۔ کوئی بھی غیر ملکی مہمان سرکار آئے اس کا ہوائی اڈہ پر رہنا ضروری ہے۔ سب سے پہلے جو ہار دولہا کے گلے میں ڈالا جاتا ہے وہ سائل کا ہی ہوتا ہے۔ اس موقعہ پر فوٹو 20 میگا پکسل Camera سے کھینچی جاتی ہے۔ اس پر سائل نے Ahead of the times شلوار قمیض زیبِ تن کر رکھا ہوتا ہے۔ جس پر نہ صرف مساکلی ستاروں کا عکس بلکہ Solar system اور Milky way کی بھی ہو بہو پرچھائی رہتی ہے۔ سائل کی اوڑھنی اس کے قد سے دس گنا لمبی ہوتی ہے۔ جو زمین پر گھستی رہتی ہے اور جسے کبھی اپنے اور کبھی پرائے روندتے رہتے ہیں۔ Pump سے مصنوعی برف اور عطر و مشک کے بلبلوں کی برسات کر دیتی ہے۔ وازہ وان چٹخا کر جب باراتی دولہا کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں تو سائل ہی پھر جیجا جی کے ہاتھ میں قہوہ پیالہ تھماتی ہے۔ دلہن کی رخصتی سے قبل دولہا کو جوتا

چھپا کر اور پھر اپنی شرط منوا کر ہی جوتا واپس کرتی ہے۔ دلہن کے سسرال میں سات دنوں کی روایتی اقامت کے دوران سائل ہی زیادہ تر وہاں جاتی اور GN اور احدوز کے PIZA اور Shakti Sweets کے موتی چور کے لڈو ڈبوں میں سجا کر لے جاتی ہے اور جب پھرہ کے بعد دیدی الف لیلوی ماحول سے باہر نکل کر حقیقت کی چٹان سے ٹکرا جاتی ہے تو ماحول مکدر ہونا شروع ہوتا ہے۔ جیجا جی کو آہستہ آہستہ احساس ہونا شروع ہوتا ہے کہ وہ ہرن کے بھیس میں حقیقتاً بھینس، پدمنی کے بھینس میں شکھنی اور کویل کے بھیس میں آ گر پچھن لایا ہے تو وہ کفِ افسوس Ponds cold cream لگا کر ملنے لگتا ہے۔ لیکن اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیا چگ گئی کھیت۔ جیجا جی کے بال وقت سے پہلے ہی سفید ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ بھری جوانی میں ہائی بلڈ پریشر کا مریض اور Depression کا روگی بن جاتا ہے اور یوں ہنستا مسکراتا گھر مہا بھارت کے میدان جنگ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ پھر پانی پت کی جنگیں شروع ہو جاتی ہیں پانی پت کی پہلی لڑائی پھر دوسری تیسری...... پچاس سویں...... ایک سو دسویں لڑائیاں لڑی جانے لگتی ہیں۔ اس طرح کی لڑائیوں میں عام طور پر اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ تفنگ و توپ کی گولہ باری ہوتی رہے لیکن گھن گرج کی آوازیں پڑوسی کے گھر میں سنائی نہ دے۔ لیکن عشق اور مشک کب چھپے ہیں۔ کسی دن کچن میں ایک دوسرے پر برتن پھینکنے کی آوازیں پڑوسی کے باورچی خانے میں بھی سنائی دینے لگتی ہیں۔ گھر میں رہنے والے افراد کے چہروں سے گرد و غبار، ہوائیاں اور دھواں اڑتا صاف نظر آتا ہے۔ لیکن اسے کچن میں Gas Leak کے معاملہ سے منسوب کر کے توجہ ہٹائی جاتی ہے۔ پڑوسی بھی زیادہ Investigation نہیں کرتا کیونکہ خود اس کے گھر میں بھی جنگی صورتِ حال ہر وقت موجود رہتی ہے۔

اس نازک وقت میں جیجا جی اپنی نازک اندام سائل سے معاملہ فہمی کی کچھ اس طرح سے درخواست کرتا ہے۔ جس طرح میدان جنگ میں کمزور پڑا ہوا ملک اقوام متحدہ کی

سلامتی کونسل سے کرتا ہے اور یہ وقت بڑا ہی فیصلہ کن ہوتا ہے۔ پردے رُخ سے آہستہ آہستہ سرکرنا شروع ہوجاتے ہیں۔ دیدی کا معاملہ سنکر ہی سائل کے چہرے پر غیض وغضب کے آثار نمودار ہوتے ہیں۔ وہ عجب ملک کے قاف کی پری سے ڈراکیولا کے Castle کی ''رانٹس'' میں تبدیل ہوجاتی ہے۔ روئیں کھڑی ہوجاتی اور چہرے پر کروڑوں شکنیں پڑجاتی ہیں۔آنکھوں سے خونی Red Rays اور منہ سے گالی گلوچ کے تیروتفنگ کی فائیرنگ شروع ہوجاتی ہے۔ اوپر کے دانتوں میں سے R2 اور L2 کے دونوں نوکیلے دانت لمبے ہوکر نچلے ہونٹ کے اوپر سے نکلتے ہوئے ٹھڈی تک آجاتے ہیں۔ جیجاجی یہ حلیہ دیکھ کردم بخود ہوجاتے ہیں۔ سینہ پھٹنے کو آتا ہے۔لیکن بات کرنے سے قاصر ہیں۔ اب سال کی تمنا ہوتی ہے کہ جیجاجی کا قد کم ہوجائے۔ دانت وقت سے پہلے ہی گرپڑیں اور تیرے نام والے بال یاتو وقت سے پہلے سفید ہوں یا پھر جھڑ کر جیجا کو Bald Headed کردے۔

جیجاجی کی History اور جغرافیہ، کمسٹری وفزیکس تبدیل کرنے میں اب سال اپنی دیدی کی خوب رفاقت کرتی ہے اور اس سلسلہ میں پرڈیوسر ڈائیریکٹر بن کر بذریعہ Mobile اپنی دیدی کو ہدایت دن رات دیتی رہتی ہے۔ جسکا بل بھی جیجا جی کو ہی Indirectly ہی سہی مگر ادا کرنا ہی پڑتا ہے۔ جب جیجاجی کے ہوش ٹھکانے آتے ہیں تو وہ جان جاتے ہیں کہ وہ دن گئے جب خلیل خان فاختہ اڑایا کرتے تھے اور سال بھی اپنا ہی مال ہوا کرتی تھی۔ اب سالی، سائل نہیں البتہ Spider کا جال ہے اور اس جال میں پھنسکر جیجاجی خستہ حال ہوجاتے ہیں اور کی پیشانی پر دور سے وہ شعر پڑھا جاسکتا ہے۔ جو جہانگیر بادشاہ کی لوحِ تربت پرکندہ ہے۔

برمزارِ ماغریباں نے چراغ نے گلے
نے پرِ پروانہ سوزد نے صدائے بلبلے

یادِ ماضی

اسمٰعیل پیٹھ خرچ آجکل بادام اور دودھ بڑے پیمانے پر کھارہا اور طبیہ کالج کا بنایا ہوا کشتۂ دماغ کو طاقت دیدو تناول کر رہا تھا۔ اُسے کسی نے مشورہ دیا تھا کہ دن میں وہ تین بار یہ دوائی کھایا کرے۔ لیکن جوش جوانی میں وہ چھ بار کھارہا تھا۔ حکیم صاحب نے تشخیص کی تھی کہ اس کی یاداشت بہت کم ہوگئی ہے۔ اسی وجہ سے سیاستگر بار بار اس کو بے وقوف بنانے میں کامیاب ہوجاتے ہیں اور یاداشت بڑھانے کے لئے بادام اور کشتۂ دماغ کی طاقت بڑھاؤ سے زیادہ مجرب نسخہ کوئی اور نہیں۔ اسمٰعیل پیٹھ خرچ کی یاداشت یوں دن بہ دن نکھرتی ہی جارہی تھی اور نہ صرف حال کی یاداشت اس کی محفوظ رہنے لگی بلکہ اس کو ماضی بھی یاد آنے لگا۔ ایک بات وہ البتہ سمجھ گیا کہ یاد چاہے ماضی کی ہو یا حال کی عذاب کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ خدا سے دُعا مانگتا کہ یادِ ماضی عذاب ہے یارب چھین لے مجھ سے حافظ میرا۔ لیکن اگر دُعا قبول ہوتی تو سیاستگر اسکا نئے سرے سے استحصال شروع کرتا۔ لہٰذا اس نے دُعا مانگنے کا پروگرام Cancel کر کے فی الوقت کشۂ دماغ بڑھاؤ اور بادام کھانا جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔

اسی دوران اس کی نظر اخبار پر پڑی۔ جسمیں کشمیر کے راج دلارے، قانون کے چمکتے ستارے، رومان کی شمع کے پروانے، مال کے چلتے پھرتے خزانے، حسین بیگ کا بیان چھپا تھا۔ بیان میں انہوں نے وزیر اعلیٰ سے شوپیان معاملہ پر بچگانہ بیان دینے پر قوم سے

معافی مانگنے کی بات کی تھی۔ اسمائل پیٹھ خرچ کو اُن کا وہ بیان یاد آیا جو بیگ صاحب نے کچھ عرصہ قبل وزیر قانون کی حیثیت میں دیا تھا، جب انہوں نے راتھر صاحب پر ناگام چاڈورہ کے کریوہ میں ہزاروں کنال حرام کی زمین پر قابض ہونے اور اس زمین کو سرکاری خرچہ پر سیراب کرنے کا الزام لگایا تھا۔ لیکن چند ہی روز بعد نہ صرف بیان واپس لیا بلکہ معافی بھی مانگ لی۔ الزامات کی جنگ عظیم میں سیاستکار ہر طرح کے ہتھیاروں کا استعمال کر رہے ہیں۔ سچائی کے ایٹم بم اور جھوٹ کے بیلسٹک میزائیل، اختراع کی Daizy Cutter بم اور ڈرون کے Bunker Buster گولے۔ لیکن حیرت ہے کہ اتنے خوفناک اسلحہ و گولہ بارود سے سیاستکار ہلاک ہونا تو کجا زخمی بھی نہیں ہوتے۔ اسمائل پیٹھ خرچ کو یاد آگیا کہ سیاستگر 1931ء سے ہی ایک دوسرے پر اس طرح کے الزامات لگاتے آئے ہیں۔ جو صرف لوگوں کو دکھانے کیلئے اور ان کا مقصد بجز پبلیسٹی کے اور کچھ نہیں ہوتا۔

اسمائل پیٹھ خرچ کو کُشتۂ دماغ کی طاقت بڑھاؤ کھانے کی برکت سے 1931ء سے سیاسی الزمات کا تمام ہسٹری جغرافیہ یاد آگیا اور اس نے Net result یہ نکالا کہ اصل میں یہ سارے سیاستکار بے شرمی کا Bullet Proof جیکٹ اور ڈھٹائی کا فولادی Helmet پہنے ہوئے ہیں۔ جسکی وجہ سے ایک دوسرے کے پھینکے ہوئے ایٹمی میزائیلوں سے یہ ہلاک ہی ہوتے ہیں اور نہ ہی زخمی۔ اِسمائل پیٹھ خرچ کو یہ بھی یاد آیا کہ گھسے پٹے اور over used سیاستگر کو dump کرنے کے لئے سیاستگری کا کوئی Junk yard بھی نہیں ہے۔ سیاستگر دوسرے سیاست گر کا Spare part نکال کر ایک دوسرے میں پیوست کر کے گاڑی کسی نہ کسی طرح گھسیٹ ہی لیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے اب ان کے exhaust سے صرف دھواں ہی دھواں نکل رہا ہے اور اس دھویں سے وادی میں گھٹن اور آنکھوں میں جلن پیدا ہو رہی ہے۔ ٹریفک حکام نے بیس برس سے زیادہ عمر کی لاریوں کو سڑک پر چلنے پر پابندی لگا رکھی ہے۔ ریاستی عدالت عالیہ نے بھی over aged لاریوں کو Junk yard بھیجنے کا فیصلہ صادر کیا ہے۔ اسی طرح سرینگر میونسپل کارپوریشن نے شہر میں پلاسٹک لفافوں پر

پابندی لگا رکھی ہے۔ نہ جانے سیاستگروں کی ان Condum گاڑیوں اور بوسیدہ سیاستگری کے ان پولی تھین لفافوں پر کوئی ایجنسی پابندی کیوں نہیں لگاتی؟ ان کی وجہ سے جتنا ذہنی Pollution ہو رہا ہے، اتنا تو سارے Carbon elements مل کر بھی نہیں کرتے۔ انکے پھیلائے ہوئے پولیوشن سے کشمیری ذہن گرد وغبار سے اٹکا ہوا ہے۔ سیاسی پولیوشن کی وجہ سے عوام کے دل پر موجود ozone layer میں بھی شگاف پڑ گئے ہیں۔ جس کی وجہ سے عوام کے سکون کے پیڑ سوکھ اور واٹر باڈیز نابود ہو رہی ہیں۔ سوز صاحب الزامات کم لیکن مشورہ دے دے کر ساری وادی میں نئے confusion پیدا کر رہے ہیں۔ انہوں نے وزیر اعظم اور حریت کانفرنس کے مابین بات چیت شروع کرانے کا ٹھیکہ لیے لیا۔ جسکا estimate انہوں نے خود ہی بنایا۔ ٹینڈر بھی خود ہی طلب، خود ہی پاس بھی کیئے اور خود کو ہی ٹھیکہ بھی الاٹ کر ڈالا۔ جو محتسب اعلیٰ کے ضابطوں کی کھلی خلاف ورزی ہے۔ اسمائل پیٹھ خرچ نے جب یہ معاملہ کریم ننہ وور کی نوٹس میں لایا تو اس نے جواب دیا کہ اوئے اسمالا یہ سب کرشمہ سازیاں پاپی پیٹ کیلئے ہو رہی ہیں۔

بات چیت وات چیت کچھ نہیں بس باغاہ شاغاہ ہے بقول کسے AFSPA ہٹاؤ کچھ نہیں بس روباہ داباہ ہے۔ اسی طرح اسمائل پیٹھ خرچ نے جب کریم ننہ وور کی نوٹس میں یہ معاملہ لایا کہ اب وزیر اعلیٰ کی ہر تصویر میں صرف ساگر صاحب ہی کیوں نظر آرہے ہیں۔ تو کریم ننہ وور نے جواب دیا کہ اسی لئے تو وزیر اعلیٰ بار بار سنہری بیانات دے رہے ہیں۔ کیونکہ جب جب بادشاہوں نے ابوالفضل، خانِ خاناں اور بیربل کی سنگت چھوڑ دی تب تب وہ مغلِ اعظم اکبر سے محمد تغلق بن گئے۔ اسمائل پیٹھ خرچ نے دماغ کی طاقت بڑھاؤ والے کشتہ کا ڈبا کھولا، دن کی پانچویں خوراک وہ لینے ہی والا تھا کہ اسے یاد آیا کہ گذشتہ ستر برسوں سے ہر سیاستگر نے ہر سطح اور ہر وقت اسکے ساتھ دغا کی ہے۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اس نے یہ کشتہ کھانے سے توبہ کر لی اور ڈبہ باہر پھینک دیا۔ پھر دُعا کیلئے ہاتھ بلند کیئے۔

یاد ماضی کباب ہے یارب   چھین لے مجھ سے ہاضمہ میرا

اردو

افرادی سے لیکر اجتماعی، پرائیویٹ سے لیکر تا بخاکِ سیکریٹریٹ ہر کوئی اردو کی بیخ کنی میں لگا ہوا ہے اور اس وقت حالت یہ ہے کہ young جنریشن اردو کتب اور اردو اخبارات پڑھنا تو درکنار اپنی تدریسی اردو کتاب تک پڑھنے سے اس طرح گھبراتی ہے جسطرح بارک حسین اوباما القاعدہ اور اسامہ بن لادن سے گھبراتا ہے۔ اس گٹھ کار کی بنیادی وجہ استاد ہے۔ ہم نے ایک استاد سے جب اس بارے میں پوچھا تو اس نے عرض کیا۔

استاد کے دین و مذہب کو کیا پوچھتے ہو

ان نے تو سائیڈ بزنس کھولا کب کا ترک درس و تدریس کیا

تعلیمی ادارے بے کاروں اور نابکاروں کی مینوفیکچرنگ کر رہے ہیں، کچھ دارالعلوم والے ختمِ شریف پر دعوت تناول کرنے والے مُلا مارکیٹ میں لا رہے ہیں۔ تبلیغی لوگ طعام و قیام طلباء کو سکھا رہے ہیں۔ خانقاہوں میں مجاور اور گورکن رہ گئے ہیں۔ اور ایسی حالت میں بیچاری اردو کو کون پوچھے گا؟ اردو تحلیل ہو رہی ہے۔ کولا ہائی گلیشیئر کی طرح! اور عنقریب ہی غائب بھی ہوگی۔ استاد کی نابکاری کی Global وارمنگ سے اردو زبان کا دم گھٹ رہا ہے اور اس معاملہ پر ریختہ کے استادوں نے کانفرنس بلائی۔

برج نارائن چکبستؔ سے لیکر احمد فرازؔ اور آنند نرائن ملا سے لیکر مرزا غالبؔ تک کشمیر میں اردو کی حالت زار پر اشک بہار ہے تھے۔ چکبستؔ صاحب نے عرض کیا کہ یار جب میں کشمیر گیا تھا تو پتھروں نے مجھے پانی دیا تھا۔ لیکن سنا ہے کہ اب وہاں زمانہ الٹی چال چل رہا ہے، پانی بھی پتھر ہو گیا ہے اور اردو زبان بھی عنقریب ہی پتھر ہو جانے والی ہے۔ اس سلسلہ میں بورڈ آف سکول ایجوکیشن والوں نے کسی نائی کو دانشور سمجھ کر اسکے مشوروں سے تدریسی کتابوں کا ستیاناس کر دیا ہے ان کی اردو کی تدریسی کتابیں گلستان کم اور نابکارنامہ زیادہ لگتی ہیں۔ باقی کسر سکولوں میں اردو استادوں نے پوری کر ڈالی ہے۔ استانیاں زیورات، خاندانیت اور شوہر کے عظیم عہدہ پر ہونے کو ہی قابلیت سمجھ بیٹھی ہیں اور چھِیم چھِٹ تہ چھیمأ کانسی کے بل پر زیادہ اور ماہر اردو پر کم سکولوں میں تعینات ہیں۔ اور دن بھر ان ہی معاملات پر بحث و مباحثہ کر کے اپنے Period سماپت کرتی ہیں۔ استاد Teacher کم اور Preacher زیادہ ہے۔ سیاست کار کی طرح ایک دو لیکچر جھاڑ کر اپنی خلاصی کر کے Tution سپیر پارٹس، شال دوشالوں اور دیگر بزنس کرنے جاتا ہے۔ اور اس وقت حالت یہ ہے کہ اب اسکی Job ہی اصل Side business ہو گئی ہے۔ طلباء کا یہ حال ہے کہ Einestine کی تھیوری سمجھ میں آئے نہ آئے لیکن اردو کا لفظ لکھنا ہرگز نہیں آئیگا۔ جب لکھنا نہیں آیا تو بیچارہ پڑھے گا کیا؟ نہ جانے یہ BOSE کے امتحانات کا معیار کیا ہے کہ طلباء دھڑا دھڑ پاس ہو رہے ہیں۔ اسکے بعد بہادر شاہ ظفرؔ کے ذوقؔ دہلوی آئے اور فرمایا کہ یار End میں میرے شاگرد ظفرؔ کا جو انجام ہوا لگتا ہے کہ ملک کاشمیر میں اردو کا بھی وہی انجام ہونے والا ہے۔ اور پھر اردو زبان بھی انہی کا شعر کچھ اس طرح عرض کرے گی۔

کتنی ہے بدنصیب اردو دفن کیلئے　　　　دو گز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں

اردو کے نام پر درجنوں قلم کاروں کو ایوارڈ سے نوازا گیا۔ لیکن کسی نے بھی اس کی زبوں حالی پر ایک لفظ نہیں کہا۔ سنا ہے کہ کشمیر کی young جنریشن اردو سے اتنا دور ہے جتنا

کہ سیاستگر عوام کی تکلیفوں، سرکار عوام کے مسائل سے اور ڈویژنل کمیشنر کشمیر کی اصل صورت حال سے ہیں۔

ذوقؔ کے بعد ایک اور شاعر آئے اور شعر عرض کیا۔

خدایا پینے والوں کی الگ سے بستی ہوتی　　جہاں حکمأ پی جاتی اور جو نہیں پیتے ان کو سزا ہوتی

کسی دوسرے شاعر نے پیروڑی کس دی

خدایا اردو پڑھانے والوں کی الگ سے بستی ہوتی　　جہاں حکمأ اردو پڑھائی جاتی اور جو نہ پڑھتے ان کو سزا ہوتی

اتنی دیر میں اکبر الہ آبادی آئے اور انہوں نے کہا، یار پرانی جنریشن میں تو کشمیری Flood والوں کی فوراً مدد کرنے البتہ سیلاب والوں کو گولی مارنے کیلئے بیتاب رہتے تھے۔ اب سنا ہے کہ کشمیر کی young جنریشن بھی اسی ڈگر پر گامزن ہے۔ اس جنریشن کو Fifty one تو معلوم ہے لیکن اکاون کیا بَلا ہے معلوم نہیں! Green سے باخبر لیکن سبز سے بے خبر ہے۔ اردو کے سخن ور سنجیدگی سے کشمیر میں اردو پر طاری سکرات الموت پر مسئلہ کشمیر کی طرح بات چیت کر رہے تھے کہ ناصر کاظمی خراماں خراماں آئے اور فرمایا، صاحبو سب کچھ غلط کہہ رہے ہو۔ ملک کشمیر میں کیا وزیر اعلیٰ اور کیا پٹواری کیا فائنانشل کمیشنر اور کیا نائی سب کی زبان پر ۲۴ گھنٹہ اردو کا لفظ رہتا ہے۔ باقی شعراء حیرت میں ڈوب گئے اور استفسار کیا کہ وہ کیسے؟ ناصر کاظمی نے عرض کیا کہ

وہ سب دن بھر گنگناتے رہتے ہیں۔

ہے یار میرا خوشبو کی طرح　　جس کی زباں اردو کی طرح

میری کائنات میری واہیات وہ یار میرا چھیاں چھیاں

چل چھیاں چھیاں، چھیاں چھیاں

پھر ناصر کاظمی نے ایک اور لقمہ دیا۔ یار سنا ہے کہ سرکارِ کاشمر کو اردو زبان کی ترویج کا بڑا خیال ہے۔ اور کچھ عرصہ قبل تمام محکموں کے سربراہوں کو سرکیولر ہدایات دی گئی تھیں کہ

،اگر کچھ نہیں تو کم از کم اپنے محکمہ کے Sign بورڈ ہی اردو میں لکھ ڈالیں۔ باقی شعراء نے فوراً مرحبا اور آفرین کے نعرے بلند کئے۔ اور حسرتؔ جے پوری نے آہِ حسرت بھرتے ہوئے کہا کہ وہ سرکیولر بھی باقی سرکیولروں کی طرح بقول غالبؔ۔

زینتِ طاق نسیاں ہوگئیں

جس طرح کی سرکار کے تمام سرکیولر فائیلوں میں دب کر حاتم طائی کا پچاسواں سوال بنکر اسرار کے پردوں میں چھپ جاتے ہیں۔ اسی طرح وہ رسمی سرکیولر بھی رسموں کے پہاڑ تلے دب گیا۔ سخن ور یہ سنکر اشکباری کرنے لگے اور میر انیسؔ صاحب مرحوم اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا صاحبو۔

میں کشمیر میں اردو زبان کا مرثیہ لکھ رہا ہوں۔ اور اس کو کشمیر کے وزرائے اعلیٰ کے نام منسوب کرونگا جو خود بھی اردو زبان سے نا آشنا ہیں۔ ملک کاشمر میں مرحوم حکیم منظور صاحب کے بغیر زیادہ تر ڈائریکٹر تعلیمات اردو زبان سے بے بہرہ ہی تھے۔ ملک کاشمر کے سیاسی کلچر کی ستم ظریفی ہے کہ موزونیت سے زیادہ سفارش کی بناء پر محکمے تفویض کئے جاتے ہیں۔ اس طرح سے نابکاری کو بڑھاوا ملا ہے اور اب ہر طرف نابکاری کی ظلمتیں غوطے مار رہی ہے۔ پھر کسی نے مرزا غالبؔ سے پوچھا کہ یار تم پوشیدہ ولی اور کھلے کافر ہو، تم اصل بات بتاؤ کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ غالبؔ نے عرض کیا کہ کشمیر میں کیا قصائی کیا دانشور اور کیا نانوائی تو کیا ماہر تعلیم۔ زیادہ تر حاکم کے دروازے پر بیٹھ کر قصیدہ میں گدائی کرتے رہے۔

آپکا بندہ اور پھروں ننگا آپ کا نوکر اور کھاؤں ادھار
میری تنخواہ کیجئے ماہ بہ ماہ تا نہ ہو مجھ کو زندگی دشوار
تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے دن ہوں پچاس ہزار

لہٰذا ہانگل، جنگل، ڈل جھیل، اخلاقیات، BOSE، محکمہ پولیس، سیاست اور دیگر شعبوں کی طرح اردو کا بھی یہی حشر ہوا۔

عاشق کا گریباں

اریگیشن اور فلڈ کنٹرول کے وزیر نے 2009ء اگست کے مہینہ میں تاریخی سیلاب آنے کا اندیشہ ظاہر کیا تھا۔ان کے مطابق یہ سیلاب 1902ء کے سیلاب سے مہیب تر ہوسکتا ہے۔اس تمام صورتحال کی ذمہ داری انجینئروں پر ڈالتے ہوئے انہیں مجرم قرار دیا ہے۔وزیر صاحب کے بقول معاملہ کابینہ کے سامنے بھی رکھا جاچکا ہے۔ستم ظریف اس الٹی بستی میں ایسے لوگ دیکھ کر یقیناً حیرت میں پڑ گیا جو مستقبل کے بارے میں ابھی سوچتے ہیں۔ورنہ اس بستی کے لوگ تو ماضی میں ہی الجھے ہوئے ہیں۔ماضی کی داستانیں سناتے اور ماضی کو ہی اوڑھنا بچھونا بنا کر ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا ہیں۔واعظ کے سامنے دو منٹ بھی بیٹھا نہیں جاتا وہ ایک دم ماضی میں لے جاتا ہے جو کب کا ہم سے چھن چکا ہے۔واعظ قوم کی پختہ خیالی نہ رہی، فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی۔ وہ آج اور Tomorrow دونوں سے بے خبر ہے لیکن الٹی طرف چہرہ کیئے اپنی روزی روٹی کا سامان کر رہا ہے۔سیاستگر کے پاس بھی دس منٹ سے زیادہ دیر تک رہا نہیں جاتا۔وہ 1931 کا Page کھول دیتا ہے۔ایسے میں تاج صاحب نے مستقبل کی جو بات کی ہے وہ بہت مرحبا کے لائق ہے۔البتہ انجینئروں کو مجرم ٹھہرا کر سیاستگر کو Clean chit دینے کی جو بات کی ہے وہ کچھ ہضم نہیں ہوتی۔

ان کے انکشاف سے جانے ڈویژنل کمشنر صاحب اب تک Activate کیوں نہیں ہوئے۔ کیونکہ وہ خیالی Disaster Management Cell کے اصلی چیرمین ہیں اور اگر کل کو تاج صاحب کی پیشنگوئی خدانخواستہ سچ ثابت ہوئی تو الزام ان پر ہی عاید ہوگا۔ ویسے وہ عجب بیروکریٹ ہیں جو گوشت کی قیمتوں میں اضافہ کے بعد ہی گوشت کی قیمتیں مقرر کرتے ہیں۔ شاید وہ سیلاب آنے کے بعد ہی اپنے Crisis Management Cell کو Activate کرینگے۔ کیونکہ زمانہ ہی الٹا ہے۔

اس الٹی بستی میں وزیر صاحب کی انجینئروں کو مجرم ٹھہرانے کی بات اس لحاظ سے قابل غور ہے۔ کیونکہ انجینئروں کو ہمیشہ وزیروں کی سرپرستی حاصل رہی ہے۔ اور ان ہی کی اعانت سے وہ اپنی اصل Duty بھول کر اپنے اور وزراء کے گھر آباد اور کشمیر کی آبی گذر گاہیں اور آبگاہیں ویران کرتے رہے ہیں۔ اسمبلیوں میں بجٹ پیش کیئے جاتے رہے۔ سیلابوں کی روک تھام پر کروڑوں روپے مختص کرنے کے فرضی اعلانات ہوئے۔ بحث ومباحثہ کے بعد رقومات منظور اور بعض میں واگذار کرنے کے ڈھنڈورے بھی پیٹے گئے۔ لیکن آبی گذرگاہوں کی طرف کوئی توجہ نہیں دی گئی۔ عوام بھی صورتحال بھانپ نہ سکے۔ کیونکہ انہیں مختلف Confussions کا شکار بنا کر خیالی دشمنوں کے خلاف سینہ سپر کیا گیا اور خود منتری انجینئر کے ساتھ مل کر مال بہاتے گئے، دعوتیں اڑاتے اور جام لنڈھاتے رہے۔ اب وزیر صاحب کو کون یاد دلائے کہ وہ آپکے ہمزاد ہی تھے جو انجینئر کی جائیدادیں بڑھتے اور آبی گذرگاہوں کو سمٹتے دیکھتے رہے۔ لیکن کبھی اُف تک نہیں کی بلکہ انجینئر کو شاباشیاں، اعزازات اور انعام واکرام سے نوازتے رہے۔ انجینئر حج بیت اللہ پر گیا تو آپ کے ہی ہمزاد اسے مبارکبادیاں دینے گئے۔ پیرومرشد کی یاد میں کمیشن کے روپے سے

انجینئر جب نذر و نیاز کی وازہ وانی محفلیں آراستہ کرتا تھا تو رستہ و گستا بہ چٹخانے تو آپکے ہی پیش رو اس کے دولت کدے پر سب سے پہلے پہنچ جاتے تھے۔ انجینئر کے پوتے کی ختنہ والی تقریب میں تو آپ کے ہمزاد ہی نتھو سویٹس کی دوکان سے مٹھائیوں کی Tray سرکاری گاڑیوں میں بھر بھر پہنچاتے تھے۔ انجینئر صاحب کی اس کی حسب منشا Posting کیلئے تو آپ کے پیش رو ہی Rules کی دھجیاں بکھیر کر رکھتے تھے۔ من چاہے انجینئر کو دس برس کے بعد بھی اپنی جگہ سے ہلانے کی کیا آپ لوگوں نے کبھی جرأت کی؟ جی نہیں اور کبھی نہیں ،کون عید الضحیٰ پر قربانی کیلئے آپ کے پیش رو کے گھر دنبے اور بکرے اور کون عید الفطر میں درہم و دنیار لیکر آپ کے بچوں کو عیدی دینے آپ کے گھر آتا تھا؟ آپکے پیش رووں کے گھر شادی بیاہ کے موقع پر کون چراغان اور وازہ وان کا بندوبست کرتا ہے؟ کون ان لوگوں کے لاڈلے کو 10+2 پاس کرنے پر جدید گاڑی تحفہ میں دیتا؟ کون اُن لوگوں کے لئے خاندانی شفاخانہ سے عمر بڑھاؤ اور چہرہ کی جھریاں ہٹاو والی دوائی منگواتا ہے؟ اور کون ہمدرد دواخانہ سے رنگیلی راتیں لمبی بناؤ والی شربتیں اور بھسمے منگواتا ہے؟ انجینئر ہی تو تھا جو آپ کیلئے سفید داڑھی کالی کرو کے خضاب بیروت اور فرانس سے منگواتا تھا۔ صاحب آپ لوگوں کی یاداشت بہت کمزور ہے آپ لوگوں کو یاد ہی نہیں کہ پارٹی اور الیکشن فنڈ میں حاتم آف طے کی طرح درہم و دنیار کون نچھاور کرتا تھا۔ یاد کیجئے کہ آپ کے پیش رووں کے گھر ککرناگ اور داچھی گام سے تازہ بہ تازہ Trout مچھلیاں اور Roast کئے ہوئے دیسی مرغ کون بھیجتا تھا۔ وزیر صاحب آپ یہ بھول گئے کہ کابینہ میں Induct کرتے وقت کون Digjam اور Dhinesh کی Suit length آپ کے پیش رووں کے گھر بھجواتا اور کون اُن کے لئے آستان شریف پر نذر و نیاز چڑھانے کا انتظام کرواتا تھا۔ آپ لوگ یہ بھی بھول گئے کہ آستان شریف پر متولیوں کی مٹھی گرم کر کے کون آپ لوگوں کی دستار بندی کا

انتظام کرواتا تھا۔ ارے وزیر صاحب آپ لوگ یہ بھی بھول گئے کہ آپ کے جلسوں میں کھوپڑیوں کو جمع کروانے اور پھر ان کے ہاتھوں تالی بجوانے کا انتظام کون کرتا تھا۔ کون کھوپڑیاں سپلائی کرنے والے ٹھیکہ داروں سے رابطہ قائم ٹینڈر طلب اور فنڈس الاٹ کرتا تھا اور پھر ٹرکوں ٹن درٹن کھوپڑیاں آپ کی جلسہ گاہ میں پہنچا کر آپ کی جے جے کار کرواتا تھا۔

وزیر صاحب آپ کے ہمزاد ہی تھے۔ جو Flood Channel اور دریا کی Drudging کیلئے مختص سرمایہ سے اپنی اور اپنے عیال کی خدمت کرواتے تھے۔ اگر آپ اس وقت بھی Stock taking کر کے آپ کے ہمزادوں کی جائیداد، سونے کے زیورات اور الیکٹرک ساز وسامان کا محاسبہ کروائیں تو آپ کو یقین آئیگا کہ مجرم انجینئر نہیں بلکہ آپ کے ہمزاد ہیں۔ جن کی وجہ سے اب اگست کے مہینے میں کشمیریوں کو سیلاب عظیم کا سامنا ہے۔ جو 1902ء کے عظیم سیلاب سے مہلک ترین ہوگا۔ اور ہمیں پوری توقع ہے کہ جب اگست کا مہینہ سیلاب لیکر آئیگا تو اس وقت ڈویژنل کمشنر صاحب ایک مخصوص طبقہ کو گوشت کے کاروبار کی اجارہ داری دلوانے کیلئے طرح طرح کی ترکیبیں اور طریقے تلاش کرنے کیلئے میٹنگ پر میٹنگ بلا رہے ہونگے۔ شاید اسی توقع کو تاڑ کر غالبؔ صاحب نے شعر عرض کیا تھا۔

حیف اس چارہ گرہ کپڑے کی قسمت غالبؔ
جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

سمارٹ

یونیورسٹی آف الہ شہر کے وائس چانسلر کباب افغانی خراماں شاہ رُخ خان کے TV Show ''کیا آپ پانچویں پاس سے تیز ہیں'' میں حصہ لینے جارہے تھے۔ King Khan نے ان کا روایتی استقبال کیا۔ وہ Hot Dice پر کھڑے ہو گئے اور شاہ رخ خان Mike ہاتھ میں لیکر ان کے پاس آئے۔ سامنے تین تین کے گروپ میں بچے چار گروپوں میں تقسیم کھڑے تھے۔ V.C کا تعارف کرانے کے بعد ان سے سوال کیا کہ Ph.D کیا ہوتا ہے؟

افغانی نے جواب دیا

ڈاکٹر آف فلاسفی

بچے آپس میں کاناپھوسی کرنے لگے اور کاناپھوسی کے بعد ایک بچہ نے آواز بلند کی کہ الہ شہر میں Ph.D کا مطلب خیالی کامیابی پر اصلی جشن مناؤ ہوتا ہے۔

VC صاحب کے پسینے چھوٹنے لگے۔ انہیں لگنے لگا کہ پانچویں پاس یہ بچے ان سے یقیناً تیز ہیں۔ انہیں یہ بھی لگ رہا تھا کہ انکی پول بس کھلنے ہی والی ہے۔ اور Media کے ذریعہ انہوں نے اپنی جو خیالی شخصیت عالمِ وجود میں لائی ہے اس کا پیرہن تار تار بس ہونے ہی والا ہے۔ وہ اپنی پبلسٹی طلب شخصیت سے بھی بیزار ہو رہے تھے۔ جس

نے انہیں خود کو Expose کروو الی اس محفل میں حصہ لینے پر اکسایا تھا۔ لیکن انہوں نے ہمت کر کے پہلے کنھار کر گلا صاف کیا۔ ایک لمبی جماہی لی اور قسم کھانے لگے کہ ہرگز نہیں ہمارے سکالروں کی ڈگریاں اصل سکرپٹ پر دی گئی ہیں۔ کباڑی بازار سے Thesis دس ہزار روپیہ فی کلو کے حساب سے نہیں خریدی گئی ہیں اور نہ ہی انٹرنیٹ سے Download ہوئی ہیں۔

بچے آپس میں کانا پھوسی کرنے لگے اور ترجمان بچہ نے کہا۔

الہ شہر میں بڑے موضوع ہیں ریسرچ کرنے کے لئے۔ ادبی سرقے، ثقافتی ڈاکے، سیاسی قلابازیاں، طلاق انتشار وغیرہ ان موضوعات پر کیا کسی سکالر نے Thesis پیش کی ہے۔ اور کیا اس کی Findings کو عام کیا گیا؟ ڈگری الاٹ کرنے سے پہلے؟ تا کہ عوامی بحث ومباحثہ کے بعد اس کو اخلاقی حیثیت عطا ہوتی اور عوام بھی سمجھتے کہ ان کے کسی مسئلہ کا حل الہ شہر کی یونیورسٹی نے تلاش کر لیا ہے۔ ایز جی، گلوبل وارمنگ کے اثرات، HIV AIDS، سیاستگروں کی ہڑبونگ، انتظامی ڈھانچہ کا ڈھیر ہونا، سیاسی فیبرک کا تار تار ہونا، محکموں میں خرد برد کی وبا اور نہ جانے کیا کیا موضوعات ہیں اس اندھیر نگری میں کیا ان موضوعات پر کسی اسکالر نے تحقیق کی ہے؟

شاہ رخ خان کباب افغانی کی طرف غور سے دیکھ رہے تھے اور ان کے جواب کے منتظر تھے کہ اچانک کباب افغانی نے زور سے ڈکار چھوڑ دی۔ بچے گندہ VC گندہ VC پکارنے لگے اور ساتھ ہی اچھلنا بھی شروع کیا۔ شاہ رخ خان نے ٹافی کھلا کر بچوں کا منہ بند کیا۔ اتنی دیر میں بچے سرگوشیوں میں مشورہ کرنے لگے۔ آخر بچوں کے ترجمان نے بولنا شروع کیا۔ ان کے سکالروں نے ثابت کیا ہے کہ مچھر کی مادہ کاٹتی ہے نر صرف تماشا دیکھتا ہے۔ مکھی کے ایک پر پر شہد اور دوسرے پر زہر ہوتا ہے۔ ان سکالروں نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ جنگل میں صرف نر مور ناچتا ہے اور مادہ ڈویژنل کمشنر کی طرح تماشہ دیکھتی ہے۔

VC صاحب ناخن چبا رہے تھے اور شاہ رخ خان بچوں کی طرف دیکھ کر کہنے

لگے۔اس VC کے لئے کونسی جگہ موزون ہے۔سب بچوں نے مل کر جواب دیا۔

French Cut داڑھی بنانے کا Saloon

VC نے خدا کا شکرادا کیا چلو روزگار کمانے کا کوئی دوسرا موقعہ تو میسر ہے۔لیکن ساتھ ہی تاڑ بھی گئے کہ بچے یقیناً پانچویں پاس سے تیز ہیں۔

King Khan نے VC صاحب کے چشمہ کی طرف دیکھا اور کہا کہ میں اپنے گھر دفتر کے ہر کمرے، کاریڈور باتھ روم میں ایک ایک اضافی چشمہ رکھتا ہوں۔آپ کہاں رکھتے ہیں؟

VC نے کچھ سوچ کر کہا میں بھی ہر جگہ رکھتا ہوں۔صرف اپنی آفیشل میز پر نہیں رکھتا۔ خاص طور پر اس وقت بالکل نہیں رکھتا جب Ph.D عطا کرنے والی سند پر دستخط کرتا ہوں۔ اسکے ساتھ ہی کباب افغانی نے تالی بجانی شروع کی لیکن King Khan نے کباب افغانی کوٹو کا اور اسے یاد دلایا کہ اس موقعہ پر تالی نہیں بجائی جاتی بلکہ پیشانی اور چھاتی پیٹی جاتی ہے۔ VC نے یہ سنکر دائیں ہاتھ سے پیشانی اور بائیں ہاتھ سے چھاتی پیٹنا شروع کی۔ طبلہ کی طرح چھاتی اور پیشانی پیٹنے سے ذاکر خان کے طبلہ وادن جیسی آوازیں نکلنا شروع ہوئی اور بچوں نے اس Rythm پر تا۔تھے۔تتہ۔تھے۔ناچ شروع کیا۔

شاہ رخ خان اپنی cute مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے کباب افغانی کی طرف گھومے اور پوچھ بیٹھے آپ کے کتنے Ph.D ہیں جو ہالینڈ، فرانس امریکہ UK کی لیبارٹریوں میں اس وقت مصروف تحقیق ہیں اور کیا ان میں سے کوئی قدیر خان کی طرح دیس کیلئے کچھ تحفہ لیکے آیا ہے۔

کباب افغانی اپنا سر کھجانے لگے!

بچوں نے آپس میں سرگوشیوں میں بات کی اور ان کے ترجمان بچہ نے اپنا ہاتھ بلند کیا۔شاہ رخ خان نے اس کی طرف رخ کیا تو بچہ بولا۔

سَر VC صاحب خواہ مخواہ میں اپنا سر کھجا رہا ہیں۔ یورپین لیبارٹریز تو کجا ریکریوٹمنٹ بورڈ والے انہیں کلرک تک بھرتی نہیں کرتے۔

شاہ رخ خان نے کباب افغانی کی طرف رخ کیا اور پوچھنے لگے۔

کیا آپ پانچویں پاس سے تیز ان بچوں کے جواب سے مطمئن ہیں۔

افغانی نے اچانک دونوں ہاتھ بجا کر سٹیڈیو میں اڑانے والے مچھر کا خاتمہ کردیا۔ بچوں نے مچھر کو اس طرح ختم ہوتے دیکھ کر تالی بجائی اور سوال کیا اگر انسان اسی طرح مچھر مارتا رہا تو مچھر بھگاؤ دوا بنانے والی کمپنی All out والے کیا کرینگے؟

سوال سنکر شاہ رخ خان نے کباب افغانی کو غور سے دیکھنا شروع کیا اور پوچھ بیٹھے پبلک سروس کمیشن کے (Asstt. Engineer (Accounts کی Select list آپ نے دیکھی۔ اس میں کشمیری امیدواروں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔ ایسا کیوں۔ کیا چائے پاتھری کا تعلیمی ڈھانچہ سچ مچ محض ایک رسمی ڈھانچہ ہے۔ جہاں اچھے اور ذہین بچوں کو بھی نابکار بنا کر باہر مچھر مارنے کے لئے پھینکا جاتا ہے؟

کباب افغانی کسی گہری سوچ میں گُم تھے۔ اچانک اُن کے منہ سے آواز نکلی کیوں نہ Allout مچھر بھگاؤ دوائی پر بھی ایک Ph.D عطا کی جائے۔ اور یونیورسٹی Join کئے بغیر چھ ماہ میں نائی کو Ph.D عطا کر کے تعلیمی System میں ڈالدیا جائے۔ تاکہ پورے system میں Virus لگا سکے۔

بچوں نے یہ سنکر تالی بجائی اور Twinkle Twinkle لٹل اسٹار کا گیت گانے لگے۔

گیت کے ساتھ ہی شو بھی ختم ہوا اور شاہ رخ خان نے کباب افغانی کو یقین دلایا کہ وہ سچ مچ Smarter than 5th Grade ہیں۔ اور اس کو شاباشی دیتے ہوئے رخصت کردیا۔ عقب میں بچے تالیاں بجا اور Hip Hip Hurra کے نعرے لگا رہے تھے۔

انٹرویو

شاہِ یندرراز Expose ہو چکا تھا۔ حاتم کے بھیس میں چھپے اس بھکاری کو لوگ سمجھ چکے تھے۔ میمنے کی کھال میں چھپا Wolf، لیڈر کے بھیس میں Highway Man سینٹ جوزف کے Pose میں Dracula اور اس کے Pirates of Carribean کو لوگ پہچان گئے تھے۔ ستم ظریف اس کی اصل حقیقت کا پردہ فاش کرنے اسکا ایک انٹرویو لینا چاہتا تھا۔ لیکن شاہِ یندرراز آف چار پاتھرا اسکے لئے تیار نہیں ہو رہا تھا۔ بالآخر ستم ظریف کو کسی ہمدرد نے انٹرویو حاصل کرنے کا راز بتا دیا۔ ستم ظریف ہوٹل مغل دربار سے 4 دیگچوں میں رستہ، گوشتابہ، دانہ ول قورمہ اور روغن جوش Autorickshaw میں بھر لے گیا۔ شاہِ یندرراز نے جب وازہ وان کی آمد کی خبر سنی تو اس نے اپنے محل کے دربانوں کو بند دروازے کھولنے کی ہدایت دی۔ ستم ظریف وازہ وان کے شناختی کارڈ پر اندر داخل ہوا۔ شاہِ یندرراز کا محل دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ زندگی کی ہر آرائش وہاں میسر تھی۔ ہر چیز موجود تھی۔ لیکن کتاب نظر نہیں آئی۔ ستم ظریف یہ دیکھ کر حیران ہوا۔ اس نے اسی سوال سے انٹرویو کی ابتداء کی۔

(س) آپ کے گھر میں کتاب نظر نہیں آتی۔ حالانکہ زمانہ کے فیشن کے مطابق گھر میں ایک نمائشی کتاب گھر ضرور سجایا جاتا ہے؟

(ج) یار قوم کے غم میں ہم نے شاہ تُوس اور پشمینہ کے لاتعداد شال جمع کر رکھے ہیں اور کاغذ سے Silver Fish پیدا ہوتی ہے۔ جس سے شاہ تُوس اور پشمینہ میں دیمک لگ جاتی ہے۔ اس لئے گھر میں کتاب گھر نہیں ہے۔ ویسے میرے ملازم دانشوروں نے کتاب گھر قائم کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ لیکن رفو گر نے اجازت نہیں دی۔ اس نے کہا کہ میں ان دنوں لوگوں کے چاک گریباں رفو کرنے میں لگا ہوا ہوں۔ اگر شاہ توس شال وغیرہ وغیرہ دیمک چاٹ گئے تو رفو نہیں ہو سکے گا۔

(س) تم کشمیریت کسے کہتے ہو؟

(ج) سر پر کبھی کبھار ژُکھاٹل ٹوپی رکھنے، فیرن زیبِ تن کرنے، حقہ کا کش لگانے، سماوار میں Whisky ڈال کر دن دھاڑے پیالوں میں چائے کا بہانہ بنا کر نوش کرتے ہوئے فوٹو کھنچوانے کو کشمیریت کہتے ہیں۔

(س) تم بار بار اٹانومی کی رٹ لگاتے ہو۔ ذرا ایک بار اس کی تشریح کر ہی ڈالو؟

(ج) چاُری پاتھر کے ساکنان کو مداوائے درد کا کوئی ادارہ میسر نہ ہو۔ اس کیلئے اٹانومی ضروری ہے۔ میری واجد شاہی طبیعت اور ہٹلری احکامات کو چلینج نہ کیا جا سکے اس لئے سپریم کورٹ کی مداخلت قبول نہیں۔ نمبر ۲ راجہ بھوج سے ملنے والے فنڈس کے حساب کتاب کی چھان بین نہ ہو، اس لئے آڈیٹر جنرل و کمپیوٹر جنرل کی سرخ پنسل قبول نہیں، جی حضوری، کاسہ لیس، بے خبر ممبران سے اپنی پنچائیت کو بھر دوں اسلئے الیکشن کمیشن کی اجارہ داری قبول نہیں اور چوتھے گھر میں ہی قانون مینوفیکچر کروں لہٰذا پارلیمنٹ کی اجارہ داری بھی نامنظور۔

(س) فوج کے بارے میں کیا خیال ہے؟

(ج) یہ تو Swallow Bird ہیں۔ اور آخر زمانہ میں یہ فوج توحید پرستوں کے خاتمہ کے لئے ضروری ہے۔

(س) تمھیں کون سا ناچ پسند ہے۔ بھانڈہ پاٗ تھر، گوسائنی پاٗ تھر، ڈرزہ پاٗ تھر، سورفہ پاٗ تھر یا پھر ہکّٹ؟

(ج) میں ان تمام Dances کا ماہر ہوں اور اکثر مختلف مواقع پر انکا مظاہرہ کرتا رہتا ہوں۔لیکن ذاتی طور پر مجھے Disco پسند ہے۔

اتنی دیر میں مخلوط رنگ کی ایک مخلوق داخل ہوئی۔ اسکا سر رائے شماری کا، ٹانگیں ترک موالات کی، آنکھیں ایکارڈی تھیں۔ سر پر اٹانومی کے سینگ تھے۔ اسکی گردن خم اور جسم پر گندی نالی کے کیڑے رینگ رہے تھے۔ کاندھے پر طبخ ماٗز اور روغن جوش کی دیگیں تھیں جو شاہِ یندراز نے Deep Freezer میں خالی کردیں۔ ستم ظریف نے دیکھا کہ Freezer کے ایک کونے پر پراپرٹی آف تواضح ڈیپارٹمنٹ لکھا ہوا تھا۔ ستم ظریف کو یاد آیا کہ شاہ یندراز اپنے ذاتی محل میں بود وباش اور بول و براز کرتا ہے لیکن کرایہ سرکاری بیت المال سے حاصل کرتا ہے۔ اسکے بعد شاہ یندراز نے خالی دیگیں گودام میں ڈلوادیں۔ ستم ظریف یہ دیکھ کر حیران ہوگیا کہ گودام میں پہلے ہی 75 لاکھ روپے کی تانبے چاندی سونے کی دیگیں موجود ہیں۔ جو ٹھیکہ داروں، وزراء، حکام نے اور عوام نے شاہِ یندراز کو درویشِ کامل سمجھ کر عقیدتاً چڑھائی تھیں۔

اس کے بعد شاہ یندراز واپس اپنے صوفے پر آکر بیٹھ گیا اور بیٹھتے بیٹھتے زور سے ایک ڈکار توپ کے گولے کی طرح داغدی۔ ستم ظریف کے کانوں کے پردے پھٹتے پھٹتے بچے۔ شاہِ یندراز نے موقعہ کی نزاکت سمجھتے ہوئے رسماً Sorry کہا اور بولا دراصل آج میں نے ہاضمہ کی ٹکیاں اور گوشتابہ، رستہ ہضم کرو چورن کھایا نہیں، جس کی وجہ سے Non Conventional Energy کا یہ گولہ باہر آیا۔ ستم ظریف نے اپنا انٹرویو جاری رکھا۔

(س) تم LOC کو IB بنانے پر کیوں تلے ہوئے ہو؟

(ج) دیکھو بھائی شمالی علاقوں کے لوگ بندوق چلانے کے ماہر ہیں مجھے ان سے اپنے اور اپنے اقتدار کو خطرہ محسوس ہوتا ہے۔ رہے LOC کے پار رہنے والے وہ لاٹھی اور تلوار چلانے میں لاثانی ہیں۔ میں ان سے خوفزدہ ہوں۔ البتہ چاَرنی پتھری کے لوگ بھیڑ کی طرح امن پسند ہیں۔ جنہیں ہانکنا، بے وقوف بنانا پھوٹ ڈالکر تتر بتر کرنا آسان ہے۔ اور جہاں سے سفر شروع کیا تھا ریوڑ کو واپس اسی مقام پر لاکر بے آسرا چھوڑنا آسان تر ہے۔ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ LOC کو ہی IB قرار دیا جائے۔ تاکہ میں بے خوف وخطر بھیڑوں پر حکمرانی کرسکوں۔

(س) اچھا یہ بتاؤ تم کبھی کسی فلاسفر، شاعر، دانشور کا شعر یا مقولہ اپنی زبان پر نہیں لاتے، کیا تم مطالعہ نہیں کرتے؟

(ج) ایک کتاب کا میں حد سے زیادہ مطالعہ کرتا ہوں۔

(س) کون سی کتاب؟

(ج) کنزۃ البحران ...... اسی سے میں البحران کھڑا کرنا سیکھتا ہوں۔

(س) اچھا یہ بتاؤ شیخ سعدی شیرازی کون ہیں؟

(ج) وہ ایران کے صدر تھے بہت سیکولر تھے وہ

(س) اچھا یہ بتاؤ ڈاکٹر اقبال کے کلام کا کبھی مطالعہ کیا ہے؟

(ج) ہاں ان کا شعر مجھے اچھا لگتا ہے۔

مٹا دے اپنی عزت کو اگر کچھ مال چاہئے کہ وزارت ملکر مسکیں مال و مال ہوتا ہے

خدا خدا کر کے انٹرویو پورا ہوا اور ستم ظریف توبہ تقصیر کرتے ہوئے شاہِ بیندر راز کے محل سے باہر آیا۔

کاخ امراء

سیاستگر کو آخر کار قوم کی حالت پر رحم آ ہی گیا اور انہوں نے ٹھان لی کہ چھ برس بعد اب اس ستم رسیدہ قوم کی اخلاقی تربیت کر ہی ڈالینگے۔ سیاسی تربیت کرتے کرتے انہوں نے اپنی خانہ آبادی اور قوم کی بربادی کا کافی سامان کیا تھا۔ اخلاقی تربیت کیلیئے انہوں نے ایک سیمینار منعقد کیا اور حضرت علامہ کی نظم ''لینن خدا کے حضور میں'' سے فیض حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔ جس کے پہلے شعر کا پہلہ مصرعہ تھا ''اٹھو میری دنیا کے غریبوں کا جگا دو'' خواجہ یندراز اور نذیر بیچھ فوراً کریم ننہ وور کے جھونپڑے کی طرف لپکے۔ اندر وہ بیچارہ پھٹے کمبل اوڑھ کر سو رہا تھا۔ یندراز اور نذیر بیچھ نے دراز ے پر دستک دیتے ہوئے آوازیں دینی شروع کیں۔

ہیا کریم ننہ واریا اٹھ جاگ کیا پڑا سو رہا ہے۔ کتنا سوئے گا اُٹھ خواب غفلت خواب خرگوش سے جاگ دیکھ ہم تمہارے لئے کیا لائے ہیں۔

یہ رائے شماری کے کمبل، ایکارڈ کے دستانے، عزت و آبرو کی لاٹھیاں، تعمیر و ترقی کے تکیے اور ڈبل اتحاد کی کٹھ پتلیاں۔ لیکن کریم ننہ وور پھر بھی نہیں جاگا۔ یا نہ جاگنے کی ایکٹنگ کرنے لگا۔ اُٹھ کریما۔ دیکھ کشمیر میں چاروں طرف سبزہ اُگ رہا ہے۔ اور تو سمجھ رہا

ہے کہ تیرے گھر میں بہار آئی ہے۔ اُٹھ دیکھتا کیا ہے گرتے ہیں طفل ہی میدان جنگ میں وہ شاہ سوار کیا گرے گا جو گھٹنوں کے بل چلے۔ اٹھ کریما لیکن کریم ننہ وور دبکا پڑا رہا۔ اسکو معلوم تھا یہ سب ٹرہیں۔ جس طرح پرندے کو پھنسانے کے لئے ''وال واش'' باندھی جاتی ہے۔ اسی طرح یہ پھر ایک بار والہ وُاش لگانے آئے ہیں۔ یندر راز اور نذیر بچھ مایوس ہو کر دروازہ سے چلے گئے اور کریم ننہ وور چھلانگ مار اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اتنی دیر میں دروازے پر پھر دستک ہوئی کوئی آواز دے رہا تھا۔ اوئے کریمہ جاگ دیکھ ہیلنگ ٹچ کے انگارے اور سیلف رول کے کوڑے لایا ہوں۔ کریم ننہ وور یہ سن کر لرز گیا اسے آپریشن ترشول آپریشن Catch and Kill آپریشن ایگل اور پُراسرار Disappearence یاد آئے، اُسے AFSPA یاد آیا جو ہیلنگ ٹچ والوں نے ہی شروع کیا تھا۔ یہ یاد آتے ہی وہ واپس کمبل میں دبک گیا۔ ہیلنگ ٹچ والے تھک ہار کر دروازے سے چلے گئے۔ کریم ننہ وور کان لگا کر انکے دور جاتے قدموں کی آوازیں سن رہا تھا۔ جب آوازیں خطروں کی سرحد پار کر گئیں تو کریم ننہ وور نے اطمینان کی گہری سانس لی اور گھر سے باہر نکل آیا۔ دھوکہ اور ٹر بازی کے اس دور نے کریم ننہ وور کو جنوں کی سرحد پر لا کھڑا کیا تھا۔ وہ اپنا گریبان چاک کرنا چاہتا تھا۔ لیکن پیز ارنہ ہونے کے وجہ سے ننہ وور تو پہلے ہی بدنام تھا اگر پیرہن بھی تار تار کرتا تو پھر کریم ننگہ بھی کہلاتا۔ اور ننہ وور اور ننگہ کے اس ڈبل اتحاد سے کیا کیا گل کھلتے ہیں وہ گذشتہ ادوار کے ڈبل اتحاد اور ان کے نتیجے دیکھ چکا تھا۔ لہٰذا اس نے گریبان چاک کرنے کا ارادہ ترک کیا البتہ شعر کے دوسرے مصرعہ ۔

امراء کے درو دیوار ہلادو

کو آزمانے کا فیصلہ کیا۔ سب سے پہلے اس نے اپنے جھونپڑے کے ہی درودیوار

ہلانے شروع کئے۔ اس کی بیوی فاتہ نیتھ تنی اور بیٹا نبر زونبہ گھبرا کر باہر نکل آئے۔ وہ سمجھ بیٹھے تھے کہ شاید وہ بھونچال آگیا ہے جسکی پیشن گوئی ڈویژنل کمشنر صاحب نے ایک برس قبل کی تھی اور جس کو ٹالنے کے لئے انہوں نے واعظان کرام سے دعائے استغفار کی بھی التجا کی تھی۔ لیکن باہر آکر انہوں نے تب اطمینان کی سانس لی جب انہوں نے کریم ننہ وور کو خود ہی گھر کے درودیوار ہلاتے دیکھا۔ انہوں نے اسکورو کا اور اس کو یاد دلایا کہ یہ کاخ امراء نہیں بلکہ کریم ننہ وور کا جھونپڑا ہے۔

کریم ننہ وور اندر گیا ڈنڈا اُٹھا کر کاخ امراء کے درودیوار ہلانے کی مہم پر چل پڑا۔ وہ سب سے پہلے قدہ گوجواری کے گھر گیا۔ لیکن وہاں کاخ موجود نہیں تھا البتہ چاروں طرف خاک اڑ رہی تھی۔ گوجوارہ سے وہ براہِ راست شوپیان گیا تا کہ پنڈت سروپ ناتھ کے کاخ کے درودیوار ہلائے وہاں یہ دیکھ کر حیرت میں پڑ گیا کہ ٹاسک فورس نے پورے قصبہ کے درودیوار ہلا کے رکھ دیئے تھے۔ جب وہ پنڈت سروپ ناتھ کے کاخ کے پاس پہنچا تو وہاں کھنڈارت ہی ملے جن میں چیل کوؤں نے گھونسلے بنائے تھے۔ شوپیان سے کریم ننہ وور Direct صوفی محمد اکبر مرحوم کے کاخ کے درودیوار ہلانے سوپور جا پہنچا لیکن وہاں غالبؔ کی زبان میں گھر کے دور دیوار پر سبزہ اگ رہا تھا۔ لیکن کریم ننہ وور بچارے نے ہمت نہیں ہاری اور اپنی تلاش جاری رکھی اور بتہ مالنہ خواجہ غلام محی الدین قرہ کے گھر کے درودیوار ہلانے پہنچ گیا وہاں کیا دیکھتا ہے کہ دنیا بھر کی مکڑیوں نے Web بُن رکھے ہیں اور Spider اس Web میں ادھر اُدھر اور اُدھر اِدھر جھول رہا ہے۔

وہاں سے مایوس ہو کر کریم ننہ وور گاندربل مولانا مسعودی کے گھر کے درودیوار ہلانے وارد ہوا۔ وہاں اس نے عجب منظر دیکھا۔ وہاں الو بڑی تعداد میں بیٹھے تھے ان کی

پارلیمنٹ کا اجلاس چل رہا تھا۔ وہ کیا مشورے کر رہے تھے کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ کریم وہاں سے بھی بے نیل و مرام لوٹ آیا وہ بخشی غلام محمد کے گھر برائے مقصد براری گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ان کے گھر کی حالت بڈشاہ صاحب کے Tomb کی طرح ویران تھی۔ کریم ننہ وور حیران ہوا اور سوچنے لگا یا الٰہی یہ امراء اور ان کے کاخ کہاں گئے؟

اُسے راستے میں اسمائل پیٹھ خرچ ملا۔ کریم ننہ وور نے اپنی پریشانی اسکو بتائی اسمائل، کریم کی سادگی پر پہلے ہنسنے لگا پھر اس نے قہقہے لگانے شروع کئے کریم ننہ وور حیران ہوا اور اسمائل سے گبر سنگھ جیسے قہقہے لگانے کی وجہ پوچھی۔ اسمائل نے جواب میں کہا کریما وہ دن گئے اور وہ امراء اور ان کے کاخ بھی گئے۔ اب کاخ شاطروں کے پاس سمگلروں اور کم ظرفوں کے پاس ہیں۔ وہ دن گئے جب شرفاء کے پاس کاخ ہوا کرتے تھے۔ غنڈے موالی اور بے وقوف اس وقت کاخوں کے مالک ہیں۔ Sex Scandal اور دوسرے سکنڈلوں میں ملوث لوگ اب کاخ میں رہتے ہیں۔ تم نے علمدارؒ کی پیشنگوئی نہیں سنی۔

ہیئر گریزن آگر ہوکھن

تیلہ مالِ آسی واندر راج

یعنی ماخذ اور منبعے سوکھ جائیں گے اور Gutter چھلک پڑیں گے۔ جب ایسا ہوگا تو ان دنوں واندر یعنی بن مانس یعنی Apes راج کرینگے۔

دامِ خیال

کہتے ہیں خیال اپنا اپنا اور پسند بھی اپنی اپنی ہوتی ہے۔ خیال خواب کی ہی ایک شکل ہے بلکہ خیال ہی خواب کا منبع ہے۔ البتہ خیال الگ الگ ہوتے ہیں۔ بلی کے خواب میں چھیچھڑے ہوتے ہیں جبکہ شیخ چلی کے خواب میں تیل کا مٹکا بیچ کر اتنی دولت جمع کرنا ہے کہ شہزادی کو بیاہ کرلا سکے۔ البتہ لات مار کر جب اس نے تیل کا مٹکا خود ہی پھوڑ کر سارا تیل بہا دیا تو اس کے ہوش ٹھکانے آ گئے۔ شاہ جہاں کے خیال میں تاج محل کی شبیہہ ابھری تو استاد عیسیٰ کے ہاتھوں اس خیال کو عملی شکل دلوادی۔ ہلاکو خان کو تباہی مچانے کا جب خیال آیا تو اس نے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ کسی انسان کے خیال پر جب کوئی دوسرا قابض ہوتا ہے تو وہ چیخ پڑتا ہے۔

میں خیال ہوں کسی اور کا مجھے سوچتا کوئی اور ہے
سرِ آئینہ میرا عکس ہے پسِ آئینہ کوئی اور ہے

چچا غالبؔ کا بھی جنت کے بارے میں اپنا ہی ایک خیال تھا جو اس نے کچھ یوں عرض کیا۔

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

نہ جانے وقت کے واعظ اور مفتی نے حکمِ کفر دیکر اس کو منصور حلاج کی طرح تختہ دار پر کیوں نہیں لٹکا دیا۔ امریکیوں کو چاند مسخر کرنے کا خیال آیا تو انہوں نے نیل آرم سٹرانگ کو سفیر بنا کر چاند پر انسان کے نقشِ پاء کی چھاپ ڈالدی۔ سر ایڈمینڈ ہلیری پر Climbing کا خیال آیا تو وہ Mount Everest پر جا چڑھا۔

اپنے یہاں بھی خیال کا بول بالا ہے۔ البتہ خیال اچھوتے ہیں۔ آزاد کے Mind میں گل لالہ کا باغ سجانے کا خیال آیا۔ سجا تو دیا لیکن اقبالؒ کے نام منسوب کرنے کے بجائے اسے ساس کے نام کر دیا اور بہو کے ہاتھوں اس کا افتتاح کروا کر دلی میں اپنی روزی روٹی کا انتظام کر گیا۔ گیلانی صاحب کو Relevent بنے رہنے کا خیال آیا تو انہوں نے ہڑتال کا ہتھیار Invent کر دیا۔ مفتی صاحب کو اپنی فیملی راج قائم کرنے کا خیال آیا تو انہوں نے ہیلنگ ٹچ کا باجا سیلف رول کا طبلہ اور کاروانِ امن کی بانسری بجانی شروع کی۔

فاروق اور عمر صاحب کو اپنے اقتدار کو دوام دینے کا خیال آیا تو انہوں نے ہرایرے غیرے کے ساتھ لچہ واٹھ کر کے اپنی ہسٹری ہی Delete کر ڈالی۔ ایرے غیروں نے بھی اقتدار کے مزے لگاتار لینے کیلئے ہر کسی کے ساتھ شراکت کا خیال پروان چڑھانا شروع کیا۔ سیاستگروں کی اس Conditioning سے عوام کے خیال بھی Tame ہو گئے اور اس وقت عوام کا خیال ہے کہ یہ سب مداری ہیں اور اپنی انا کی تسکین اور کمپنی کی مشہوری کے لئے اندھا دھند بیان دیتے، حکمتِ عملیاں تبدیل کرتے، رات کے دشمن کے ساتھ صبح سویرے یارانہ گھانٹتے اور گرگٹ کی طرح رنگ تبدیل کرتے ہیں۔

عوام ہڑتالوں سے عاجز، سیاست کاروں کی آپسی چپقلش سے نالاں، مفاد خصوصی کی سازشوں سے بیزار اور سرکاری خزانہ پر مصاحبین کو لادنے کی حرکات سے ششدر ہیں اور سوچ رہے ہیں کہ آخر انکا ہوگا کیا؟ اولاد کے مستقبل کے حقوق سیاستکاروں

نے تھوک اور پرچون دونوں صورتوں میں اپنی ہی اولاد کے نام مخصوص کردیئے ہیں۔ خیالوں کے سیلاب میں پرانے خیال بہہ رہے ہیں۔ اب غمِ روزگار نے ساکنان کشمیر کے خیال میں اپنا ڈیراڈال دیا ہے کیونکہ سیاسی یورشوں اور اقتدار کی لڑائیوں نے عوام کو اس مقام تک پہنچا دیا ہے جہاں جان کے ساتھ ساتھ روٹی کے بھی لالے پڑتے ہیں۔

گل صاحب کی بھی چاندی ہوگئی۔ ان کے دل میں ابھی دل بدلی کا خیال آیا بھی نہیں تھا کہ سیکریٹریٹ میں ان کو کمرہ موٹر کار اور صلاح کار کی Post مل گئی۔ رانا بھی صلاح کار ہیں اور نہ جانے کتنے اور صلاح کار ہونے والے ہیں۔ خیال کی اتنی بڑی طاقت سے بڑے بڑے بے خیال بھی لائین میں کھڑے وقت کے رستم وسہراب بننے کی جستجو میں بیٹھے ہیں اور اگر خیالوں ہی خیالوں میں سب کے خیال لباس مجاز میں ڈھل گئے تو بے چارے کشمیری کا کیا ہوگا؟ اسکے اوپر صرف نئے میاں ڈھیروں ہونگے اور قدیر خان کہیں نہیں ہونگے۔ چودھری کو وزارت نہیں ملی اس نے غل غپارہ مچایا۔ ہنگامی پریس کانفرنس بلائی۔ ایک پوسٹ سے استعفیٰ دیدیا لیکن جس Post پر مال ملتا ہے، اس پر استعفیٰ نہیں دیا۔ پھر روٹھا ہوا مان بھی گیا اور کانگریس کی صدارت کا انار ملنے کی افواہ سنکر شانت ہوگیا۔ کچلو صاحبان نے کشتواڑ میں غل غپاڑہ مچانا شروع کیا۔ وہ بھی کوئی نہ کوئی انار پاکر مان ہی جائینگے۔ شمیمہ جی اور عرفان شاہ نے بھی چور چور کا خیالی شور مچانا شروع کیا۔ ان کے من میں بھی خیال کی آتش بجھ ہی جائیگی کسی ادارہ کی چیرمین شپ کے پانی کی چھڑکاؤ سے اور یوں معاملہ سرد پڑجائے گا۔ سب کو خیالِ غم VIP نے مارا ہوا ہے۔ کوئی خیالِ غم عوام کا مارا نہیں ہے۔ یہی دستور ہے سیاستِ کشمیر کا۔ ذاتی تمنا کو قومی منزل کا نام دیا گیا۔ ایک آدمی کے ذاتی خیال کی آبیاری میں پوری قوم اور اسکے وسایل جھونک دیئے گئے اور سادہ لوح قوم نے ترنگ میں آکر اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا۔ خیال کا جب طلسم ٹوٹ گیا تو خیال آیا کہ سیاست

گر تو خود الف لیلوی محلوں میں اقتدار کی سبز پری سے ہم آغوش ہے۔ عوام سنگزاروں میں قید اور انکی اولاد قبرستانوں اور تعذیب خانوں کی زینت ہیں۔ پھر یہ خیال آیا کہ اس طلسمی جال سے نجات کی کیا صورت ہے لیکن یہ شاہ نامے کا ہفت خوان اور مہا بھارت کا چکرویر ہے، جسے توڑنے کیلیئے کسی رستم اور ابھیمانیو کی ضرورت ہے۔ سیاسی بونوں کے اس Lilliput میں کسی Gulliver کی حاجت ہے۔ لیکن یہ بھی خیال کا ہی طلسم خانہ ہے اور طلسم خانہ میں مصنوعی image ہوتی ہے ٹھوس حقیقت نہیں۔ بیگ پارتھا سارتھی بات چیت کا ڈبہ بھی خالی ہی نکلا۔ ایکارڈی بوری بھی خالی ہی تھی۔ خالی بوری کھڑی نہیں رہ سکتی چند ہی لمحوں میں ڈھیر ہوکر زمین بوس ہوگئی۔ کیونکہ ان میں ٹھوس کچھ بھی نہیں تھا بس خیالی اناج بھرا ہوا تھا۔ خیال کے اس طلسم خانے میں نہ جانے کتنے اور خیال پیدا ہونگے۔ خیال سے سراب ظہور پزیر ہونگے اور سراب کے تعاقب میں عوام بھی اپنے مٹکے لیکر دوڑیں گے پھر وہ خیالات کی وادی تیہ میں بھٹک جائیں گے۔ پھر بانڈپاؤ تھر اور گوسائی پاؤ تھر کے بہکاوے میں آکر خیالی قلعہ میں جاگزیں ہونگے۔ یہاں تک کہ بچوں کی موجودہ نسل بھی بوڑھی ہو جائیگی اور پھر ان میں سے کوئی خیالی شیر برفانی غار سے کھوکھلے انقلاب کو خیالی محمد بن قاسم کے حوالے کر کے خود بستر مرگ پر دراز ہوگا اور اگلا شیر برفانی غار سے اچانک گرم ہوکر انقلاب کی آتشِ سرد گرم کرنا شروع کردیگا۔ یوں خیالی طوفان سے خیالی کشتی کو خیال ساحل تک لیجانے کیلیئے خیالی جدو جہد شروع کریگا۔ اور ایک دن مہیش جی ٹانڈو کر کے اس ساری خیالی مملکت کا بینڈ بجائے گا۔ کیونکہ سنا ہے کہ بے وقوف خیالی دنیا میں جبکہ اہلِ دانش ٹھوس دنیا میں رہتے ہیں۔ اسی لئے غالبؔ چچا فرما گئے۔

ہستی کے فریب میں مت آجائیو اسدؔ
عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے

صرف وہم

نبہ حکیم نے سڑک پر مجمع لگا رکھا تھا۔ سوڈیڑھ سو آدمی اسکے گرد گھیرا ڈالے کھڑے تھے اور وہ اس حلقہ میں اپنی نادر دوائی **معجونِ ہر بیماری** بھگاؤ کی مارکیٹنگ کر رہا تھا۔ لوگ باندھے رکھنے کے لئے اس نے ایک نیولا بھی رسی سے باندھ رکھا تھا اور وہ کھونٹے کے اردگرد بے قراری سے کچھ اس طرح گھوم رہا تھا جس طرح چودھری وزارت کی فرقت میں! ایک ٹوکری میں سانپ سجا رکھا ہوا تھا جو کنڈلی مار کے بیٹھا تھا۔ نبہ حکیم کے ہاتھ میں ڈمرو تھا۔ جسے وہ زور زور سے بجا رہا تھا۔ تڑہ......تڑہ ......تڑہ......تڑہ ،تڑ تڑ تڑ......تڑہ......تڑہ تماشائیوں کو نبہ حکیم کی نادر دوائی سے زیادہ نیولے سانپ کے کھیل میں دلچسپی تھی جسے دکھانے کا نبہ حکیم نے وعدہ کر رکھا تھا۔ ڈمرو بند کر کے نبہ حکیم نے اپنی دوائی کی تعریفیں شروع کیں۔ صاحبان، قدردان یہ دوائی تحقیقاتی کمیشن، سپیشل انوسٹگیشن ٹیم سے تیار کی گئی ہے۔ اس کو کھائیے اس سے آپ کی حمیت، غیرت، انسانی ہمدردی ختم ہو جائیگی۔ جس کی وجہ سے آپ کے دل میں کسک اور ضمیر میں خلش ہوتی ہے۔ یہ دوائی کسک اور خلش دونوں کو ختم کر کے رکھدے گی۔

اس دوائی میں افسروں کی طرف سے گمراہ کن اطلاعات دینے کا شربت بھی

ڈالدیا گیا ہے اور افسر کو بٹیر اور تیتر کھاتے ہوئے برداشت کرنے کا بھسمہ بھی ڈالا ہوا ہے۔ اس دوائی میں بے سروپیر بیانات دینے کے چاندی کے ورق بھی ڈالدیئے گئے ہیں۔ قدردان اس دوائی کے کھانے سے آپ کا انسانی احساس ختم اور جذباتِ مروت مردہ ہوجائیں گے۔ صاحبان قدردان اس وقت انتظامی ڈھانچہ ڈھیر ہے۔ کوئی بھی کام Routine میں نہیں ہوتا ہے۔ پہلے جب عوام چاک گریباں کریں، ہڑتال کریں، سنگ باری کریں، BBC اور CNN والے آئیں، ایمنسٹی انٹرنیشنل چیخ وپکار کریں تب ہی جا کر حاکم کنبھ کرن کی نیند ٹوٹ جاتی ہے اور اس کے اعضاء ہلنے لگتے ہیں۔ اور اسکے بعد ہی پولیس حرکت میں آجاتی ہے۔ صاحب اعصاب سُن کرنے کی یہ دوائی لیجایئے۔ افیم ملا کر کھایئے اس سے آپ کا احساس ضمیر مردہ ہوجائے گا اور ایک دن ایسا آئیگا جب انسانی جان اور عصمت کی قیمت کا احساس آپ کے دل سے ختم ہوگا۔ پھر نہ آپ کو ایجی ٹیشن کی ضرورت پڑے گی نہ ہی ہڑتال کرنے کا جھنجٹ اٹھانا پڑے گا۔ آپ کے تمام احساسات مٹ جائیں گے۔ آپ زندہ لاش بن جائینگے اور قتل وعصمت لوٹنے کی وارداتیں آپ کو عام سے معاملات معلوم ہونے لگیں گے جس طرح حکمرانوں کو قوم کی عصمتیں عام سے معاملات لگ رہی ہیں۔ نبہ حکیم اپنا ڈمروز ور زور سے بجارہا تھا۔ تڑہ......تڑہ......تڑہ......تڑہ ،تڑتڑتڑ۔ لوگ Bore ہوکر بھاگ نہ جائیں اس کے لئے اس نے ٹوکری میں رکھے کنڈلی مارے ہوئے سانپ کو حرکت دی۔ سانپ نے چونک کر اپنا سر بلند کیا۔ سانپ کو سر بلند کرتے دیکھ کر نیولا مچلنے لگا تا کہ سانپ سے گتھم گتھا ہوجائے۔ لیکن گردن میں پڑی زنجیر کی وجہ سے سانپ پر حملہ نہیں کرسکا۔ حلقہ بنائے ہوئے تماشہ بین نیولے اور سانپ کے رزم آرا ہونے کا بے صبری سے انتظار کرنے لگے۔ نبہ حکیم اپنی نادر دوائی کی بڑے زور سے پبلسٹی کررہا تھا۔ صاحبان یہ نادر دوائی ضرور لیجایئے اس سے آپ کی یادداشت بھی ختم ہوگی

Reasoning کا انشاء اللہ خاتمہ ہوگا۔ اوآپ شاہ یندراز کی طرح بے وقوفی، بے غیرتی اورزبان درازی کی ایک چلتی پھرتی لاش بن جائیں گے۔ اپنی دل کی مراد پانے کے لیئے ہر مسخرے سے گلے ملیں گے اور ہر خرخچر کے ساتھ اتحاد کرینگے۔ صاحبان یہ نادر دوائی ہے، لیجایئے اس کے استعمال سے آپ کی زبان لمبی ہوجائیگی اور آپ لمبے لمبے بیان دینگے، سبز باغ دیکھیں گے اور دکھائیں گے، بچھو کی طرح اپنا روپ بدلنے کی مہارت حاصل کریں گے۔ پھر زمانہ بھی قیامت کی چال چلکر الٹا چکر شروع کرے گا۔ جہاں حاکمیت کے رقیبوں کو ذاتی رقیب سمجھا جائے گا۔ آپ اپنی منصبی ذمہ داریوں کو بھول کر ذاتی عیش کوشیوں میں مصروف ہوجائیں گے اور یوں Living جسدِ عنصری ہوجائینگے۔ صاحبان یہ نادر دوائی کھایئے اس سے آپ بدلی زبان، بدلتے موقف بدلتے بیان، بدلتے دشمن، بدلتے طریقے پہنچاننے سے عاری ہوجائینگے۔ ہونکوں کی طرح زندگی گذارنے کے عادی ہوجائیں گے۔ ہڑتال کی ضرورت پڑے گی نہ سنگ سے ہی اپنا سر پھوڑنے کی نوبت آئیگی اور نہ ہی آپ گریبان چاک کرینگے۔ آپ Tamed بھیڑ ہوجائینگے اور جب ایسا ہوگا تو وقت کے مہاراجوں کو کوفت کا سامنا بھی نہیں ہوگا۔ وہ چین سے روم کو رام کرنے کی بانسری بجاتے رہینگے۔ ریاست کی زمین یار دوستوں کو عنایت کرینگے۔ آئین مسخ کرنے اور فرقہ پرستی، علاقہ پرستی کو ہوا دیکر راجہ بھوج کے دربار میں اپنی بادشاہ سے زیادہ وفاداری ثابت کرکے اپنے اقتدار کو دوام دینے میں کامیاب ہونگے۔ اور اس طرح روز روز کی مار پیٹ سے بھی آپ بچ جائیں گے۔ جیلوں اور تعذیب خانوں میں گھٹ گھٹ کر مرجانے سے آپ کو چھٹکارا مل جائیگا۔ صاحبان قدردان یہ نادر دوائی خریدیئے بالکل سستے دام میں دستیاب ہے۔ اس کی قیمت صرف آپ کا ضمیر ہے۔ کیونکہ وقت کے مہاراجوں کو اگر کسی چیز کے ساتھ چڑ ہے تو وہ آپکا ضمیر ہے۔ صاحبان ان تمام مصیبتوں سے چھٹکارا پایئے۔ یہ نادر

دوائی کھائیے ہٹے کٹے بن جائیے۔ عیش پرست بن جائیے، مالِ حرام کی بندر بانٹ کیجئے، مملکت کے ہر ادارہ کو اپنا مطیع بنائیے اور عیش کیجئے کہ۔

جنت ونت کچھ نہیں بس باغاہ شاغاہ ہے

جہنم وہنم کچھ نہیں بس روباہ داباہ ہے

اے عوام جلدی کیجئے انسانی احساس ختم کرنے کی یہ دوائی خرید کر کھائیے۔ ایسے سنہری مواقع بار بار نہیں آتے۔ اس سے پہلے کہ سٹاک ختم ہو جائے۔ صاحبو اس دوائی کی خاص بات یہ ہے کہ اس سے آپ حکمرانوں کے ٹرگولے بہ آسانی ہضم کرنے کے قابل ہو جائینگے۔

عوام اس جادوائی دوائی کے طلسمی اثرات سے بہت ہی خوش ہوئے اور ذوق وشوق سے دوائی خریدی۔ نبہ حکیم پر نوٹوں کی بارش ہونے لگی اور وہ دودو ہاتھوں سے نوٹ جمع کرنے لگا۔ اس کی دوائیوں کا سارا اسٹاک ختم ہو گیا۔ نبہ حکیم نے آخر میں سانپ اور نیولے کی لڑائی کا تماشہ دکھانے سے پہلے اپنا ڈمرو زور سے بجانا شروع کیا۔ اور پھر سانپ اور نیولے کو آزاد کر دیا۔ دونوں جانور ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے۔ چند منٹ حملے کرنے کے بعد نیولا اپنے کھونٹے اور سانپ اپنے ٹوکرے میں واپس جا کر پناہ گزیں ہو گئیں۔ نبہ حکیم نے پہلے ہی ان دونوں کے دانت اکھڑوائے تھے۔ شاہ اور شمیمہ کی طرح اور ان کو کارگر حملہ کرنے کی طاقت سے محروم کر دیا تھا۔ لہٰذا نمائشی حملے کرنے کے بعد دونوں اپنی اپنی پناہ گاہوں میں بخیر و خوبی واپس چلے آئے۔

سیر

شاہ جہاں جنت سے سیدھے کوہِ ماراں کے دامن میں آن گرے۔ وہ فوراً چشمہ شاہی باغ میں گئے جسے انہوں نے خود Format کیا تھا۔ باغ کی حالت پر وہ بہت مسرور ہوئے کہ اہلِ کشمیر نے اس کی خوبصورتی کو بدصورتی میں تبدیل نہیں کیا ہے۔ اس کے بعد وہ اپنے بیٹے داراشکوہ کے پری محل گئے جسے دیکھ کر وہ بہت آزردہ ہو گئے انہیں لگا کہ یہاں وقت تھم کر رہ گیا ہے۔ اس جگہ کو اب تک یونیورسٹی آف Cosmsology ہونا چاہئے تھا لیکن بے خبروں نے اسے آثارِ قدیمہ بنا دیا ہے اور اب لوگ پرانے زمانہ کے آثار دیکھنے وہاں روغنی غذائیں لیکر جاتے ہیں اور بس شاہ جہاں کو یاد آیا کہ جن ایام میں شہزادہ داراشکوہ نے پری محل کی تعمیر کروائی تھی۔ انہی ایام کے دوران کولمبس یورپ کے Out Laws کو لیکر Wild America گیا تھا۔ پری محل تو آثارِ قدیمہ بن گیا لیکن کولمبس کی اولاد اب شمس و قمر اور ستاروں پر کمندیں ڈال رہی ہے۔ پری محل سے نکل کر شاہ جہاں Botanical گارڈن گیا۔ وہ اسے شداد کا ارم لگا جہاں زمینی حور و غلمان آپس میں بغلگیر تھے۔ یہاں سے پشیمان و پریشان بھاگ کر باغ گل لالہ میں پناہ لے لی۔ انہیں ڈاکٹر اقبالؒ کا ارشاد گرامی یاد آیا۔

تنم گلے ز خیابانِ جنت کشمیر

مگر افسوس کسی عیار سیاستگر نے اپنا نام دہلی میں جدید دور کے اکبر اعظم کے نورتنوں میں شامل کرانے کیلیئے اس خیابانِ جنت کشمیر کو اس کے گُلِ کے نام نہیں کیا تھا۔اس عیار سیاستکار کی آدھی عمر ساس کے تلوے چاٹتی گذری تھی اور باقی آدھی عمر بہو کی کاسہ لیسی میں گذار رہا ہے۔اور اس نے اپنی کم ظرفی کا یہاں اچھا مظاہرہ کیا تھا کہ خیابان جنت کشمیر کو ساس کے نام کر دیا اور بہو کے ہاتھوں اس کا افتتاح کروایا۔جدید دور کے یہ سکھ گورنر کشمیری جذبات سے بے خبر لیکن کشمیریوں کا نام اور کفن بیچ بیچ کر اپنا نام روشن کر رہے ہیں یہ دیکھ کر وہ لرزہ براندام باغِ Tulip سے نکل آیا اور بلوارڈ پر پہنچ گیا۔ مہاراجہ کے بنائے Boulevard کی برکت سے جھیل ڈل کے اس طرف گرہن نہیں لگا۔ وگرنہ اقتداری سیاستگر نے کب کا اس حصہ کو اپنے رشتہ داروں اور زندہ آباد کرنے والے کارکنوں کے درمیان بانٹ دیا ہوتا۔

شاہ جہاں بلوارڈ سے left مڑا اور نہرو پارک کے پاس پہنچا۔اسے حاجت بشری محسوس ہوئی۔لیکن Junior ساگر صاحب نے اس ضمن میں کوئی انتظام نہیں کیا تھا۔وہ شہر کو خوبصورت بنانے میں مصروف ہو گئے تھے اور جا بجا فوارے تعمیر کر رہے تھے۔لیکن انسانی فواروں کا پانی کس نالی میں بہے گا اس جانب کسی نے توجہ نہیں کی۔شاہ جہاں نے دیکھا کہ یہ ایک رسمی بستی ہے۔ جہاں رسمیں اور قسموں کی بناوٹ تو بہت ہے لیکن ٹھوس حقیقت کا دور دور تک سراغ نہیں۔لوگ رسمی طور پر ایک دوسرے کی خیر و عافیت پوچھتے ہیں۔ٹھوس درد مندی کا کہیں وجود نہیں۔گھروں میں مہمان کی بڑی خاطر تواضع ہوتی ہے۔دستر خوان بچھایا جاتا ہے۔کیک کلچے باقر خوانی اور کبھی کباب بھی سجائے جاتے ہیں۔مہمان کے گرد حلقہ بنا کر اسے تناولی پر آمادہ کرنے کے لئے بڑا زور لگایا جاتا ہے۔لیکن میزبان کے دل میں کلمہ کفر ہے کہ کب اس ان چاہے مہمان سے چھٹکارا ملے! یوم شہدا بھی رسمی طریقہ پر منایا

جاتا ہے۔ شہر بھر میں ناکہ بندی کر کے اکیسویں صدی میں عوام کو اپنے شہدا کی قبروں پر عقیدت کا نذرانہ پیش کرنے سے روکا جاتا ہے۔ اور اقتداری سیاست کاروں کا ایک خاص گروہ پبلسٹی کے شوق، رسم کی ادائیگی اور حاکمیت کی دھاک بٹھانے کیلیئے مزار شہدا پر نازل ہوتا ہے۔ ملازم دفتروں میں جاتے ہیں رسم نبھانے کے لئے کام ہوتا ہے۔ ڈاکٹر ہسپتال جاتے ہیں کام نہیں کرتے ہیں۔ ٹریفک اہلکار سڑکوں پر کھڑے دکھائی دیتے ہیں لیکن جام پر جام ہو رہے ہیں۔ انجینئروں کی فوج پر فوج بھرتی ہے۔ لیکن سڑکیں خستہ۔ امیر اعلیٰ کے درجنوں صلاح کار ہیں لیکن صلاحِ نیک کہیں نہیں ہے۔ وزراء کے وعدے میٹنگیں اور بیانات بھی لاتعداد ہیں لیکن ٹھوس عمل کہیں نہیں۔ علماء کے فصیح مقالے تو چہار سو بلبل ہزار داستان کی طرح نغمے بکھیر رہے ہیں۔ لیکن علماء کی اپنی زندگی مقالوں کی ترجمان نہیں۔ وزارت کے قلمدان نہ ملنے پر چہار سو شور و غوغا ہے رسمی اختلافات کی رسمی توپیں داغی جا رہی ہیں۔ لیکن ٹھوس ناراضگی اور ٹھوس پھینک دے کشکول کا عمل کہیں نظر نہیں آتے۔

سیاسی خیالات کے Whirlpool میں پوری خلقت الجھی ہوئی ہے۔ سخت سے سخت سزا دینے کے رسمی اعلانات ہو رہے ہیں۔ لیکن مجرم کہیں ہاتھ نہیں آتے۔ شاہِ جہاں یہ تماشا دیکھ رہا تھا اور آگے بڑھ رہا تھا۔ وہ Zero برج کے قریب جا پہنچا۔ وہاں شاہ جہاں کو بادشاہ ابراہیم بن ادھمؒ یاد آرہے تھے جنہوں نے اللہ کو پانے کیلیئے تخت و تاج کو لات ماردی تھی۔ کپل وستو کے راجکمار سدھارتھ یاد آئے جنہوں نے تلاشِ حق کے لئے اپنی سلطنت تیاگ دی۔ خلیفہ ہارون رشید راجہ چندر گپت بکرماجیت یاد آئے جو رعایا کی حالت کا بچشم خود جائزہ لینے کیلیئے رات کو بھیس بدل کر گشت لگایا کرتے تھے۔ نوشیروان عادل یاد آئے جن کی سلطنت میں عدل کا ہی سکہ چلتا تھا۔ عیاش مغل بادشاہ جہانگیر یاد آئے جنہوں نے درائے عدل کی زنجیر سرِ عام لٹکا رکھی تھی تا کہ ہر خاص و عام کو بر وقت انصاف مل سکے۔ شاہِ

جہاں یہ دیکھ کر حیران ہو رہا تھا کہ اس بستی میں صرف مادہ پرستی کا بول بالا ہے۔ کیا وزیر تو کیا کوتوال، کیا خوشدامن تو کیا پٹواری، کیا لائین مین تو کیا انجینئر، کیا ڈاکٹر تو کیا استاد، کیا بھائی تو کیا بہن، کیا ساس تو کیا نند، کیا سسرال تو کیا ننہال، کیا سیاستگر تو کیا رفوگر ہر شخص Material کا مارا ہوا ہے اور ہر قیمت پر اسے حاصل کرنا چاہتا ہے۔ مادہ حاصل کر کے پھر اس کی نمائش کرتا، دوسرے کو بھی یہی کرنے پر اکساتا ہے۔ دوسرا بھی طیش میں آکر مادہ حاصل کرنے میں جٹ جاتا ہے۔ تو بڑا کہ میں کی دوڑ شروع ہو جاتی ہے اور یوں گام وشہر، کیا شیر بکرا، کیا امیر تو کیا غریب، پنڈت وخالصہ، ہر طرف Material حاصل کرنے کے طوفانی جھکڑ چل رہے ہیں۔ شاہ جہاں دیکھ رہا ہے کہ یہاں ممتاز محل کہیں نہیں ہے۔ جس کی یاد میں تاج محل بنایا جاسکے۔ کوئی غزنوی نہیں ہے جسکی شان میں شاہ نامہ تخلیق ہو، کوئی شیریں نہیں ہے جسکی یاد میں جوئے شیر بہائی جائے، کوئی سیتا نہیں ہے جو جودشت وبیانان کی سختیوں میں اپنے رام کا ساتھ نبھائے، کوئی تُلسی داس نہیں ہے جو تلاش حق میں اپنی محبت قربان کرے۔

سب نقال ہیں، نرگسیت کے مارے ہوئے۔ ان کا بس چلے تو دن دھاڑے تقدیر کشمیر کو کھوئے سکوں کے عوض بیچ ڈالیں اور شہدا کے کفن چرا کر لندن وپیرس کی یاترا کو چل پڑیں۔ یہ دیکھ کر شاہ جہاں کا دل بہت اداس ہو گیا اور وہ مٹن کریوے پر گیا۔ افسانہ ہے کہ جہاں ہاروت ماروت چاہ بابل میں تا قیامت الٹا لٹک رہے ہیں۔ پستی کے مکینوں پر آسمانی راز ظاہر کرنے کے جرم میں۔

دودھ

ستم ظریف اپنی صحت بنانا چاہتا تھا تا کہ دھڑا دھڑ ہڑتالیں کرنے کی طاقت حاصل اور اندھا دھند کابینہ اور کابینہ سے باہر کیبنٹ رینک اور کابینہ وزیر کا درجہ پانے والوں کا مالی بوجھ اٹھا سکے۔ اس نے بازار سے لفافہ بند دودھ منگوایا اور گلاس میں ڈال کر ڈکا ڈک پی گیا۔ ابھی دودھ معدہ تک پہنچا ہی تھا کہ ستم ظریف کی الٹیاں اور دست شروع ہو گئے۔ ستم ظریف کو معلوم ہوا کہ یہ دودھ وہ لوگ بنا رہے ہیں جنکے مذہبی اور شرافت کے موروثی ہونے کی چاروں طرف دھوم ہے۔ وہ اس دودھ میں Preservative کے بہانے مُٹھ یعنی Soyabeen کا دودھ ملاوٹ کرتے ہیں۔ ان کا بنایا ہوا یہ دودھ حقیقی دودھ سے بھی دس گناہ زیادہ سفید ہے۔ یہ اتنا سفید کیسے ہے؟ ستم ظریف حیران تھا اور سوچ رہا تھا شاید ان کا خون بھی اتنا ہی سفید ہوگا۔ ستم ظریف نے جب اس پر شور مچایا تو اسے معلوم ہوا کہ مملکت کے ادارے بھی کورے کاغذ کی طرح سفید ہو گئے ہیں اور ان میں بھی کوئی ضابطہ قانون، رواج اور محاسبہ کا عمل موجود نہیں ہے۔

ستم ظریف فوڈ انسپکٹر کے پاس شکایت درج کرنے گیا۔ لیکن اس کا اتا پتہ اسے نہیں ملا جس طرح کہ رشید بلا کا اتا پتہ نہیں مل رہا ہے۔ کسی نے کہا کہ وہ کولکتہ شالوں کا کاروبار کرنے گیا ہے۔ اور تاج محی الدین کے PHE کے چار ہزار ملازموں کی طرح

Duty دینے کے بغیر تنخواہ حاصل کر رہا ہے۔ ستم ظریف Food انسپیکٹر کے لاپتہ ہونے پر تھانہ رپٹ لکھوانے گیا۔ منشی نے کہا کہ عام معاملات پر اب رپٹ نہیں لکھوائی جاتی ہے اور یہ کب کا اس بستی کا دستور ہو چکا ہے۔ البتہ اگر گیلانی صاحب اور شبیر شاہ اور یاسین ملک صاحب کا معاملہ ہو تو ہم فوراً FIR درج کرتے ہیں اور اتنی خاموشی سے کہ خود ہمیں بھی پتہ نہیں چلتا کہ ہم نے ان کے خلاف FIR درج کر ڈالی ہے۔ البتہ مولانا کے خلاف ہم چاہتے ہوئے بھی کبھی بھول سے بھی FIR لاج نہیں کرتے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے یہ خود ہمیں بھی معلوم نہیں۔ یہاں سے نامراد ہو کر ستم ظریف انصاف کے مندر گیا۔ وہاں بے جان مورتیاں تھیں۔ بے حس و حرکت؟ ستم ظریف کے دل میں خیال آیا کہ کاش کوئی بت شکن ہوتا جو انصاف کی ان بے جان مورتیوں کو پاش پاش کر ڈالے! کیونکہ ان مورتیوں کے بے حرکت و بے حسی نے سماج کو ایک Dead Sea میں بدل ڈالا ہے۔ مندر کے پجاری سے جب میں نے انصاف حاصل کرنے کا طریقہ جاننا چاہا تو اس نے کئی دستاویزات داخل کرنے کی ہدایت دی۔ دستاویزات داخل کرنے میں اتنا سرمایہ درکار تھا کہ اگر ستم ظریف سارا گھر ہی بیچ ڈالے تب بھی بر پائی نہ ہو۔ پجاری نے کہا کہ یہاں پھر تاریخیں لگتی ہیں اور وقت کچھوے کی رفتار سے گذرتا ہے اور بقول کسے۔

عمر دراز مانگ کے لائے تھے 4 دن
2 آرزو میں کٹ گئے 2 انتظار میں

اور

محبوب نے ملنے کا وعدہ دیا تھا 5ویں دن کا
شاید وہ جانتا تھا کہ دنیا ہے 4 دن کی

یہاں تک کہ مقدمہ، مدعی، مدعا علیہم سب عہد جوانی رو رو کاٹ کر پیری میں آنکھیں موند کر عالمِ برزخ کو روانہ ہو جاتے ہیں۔ یہاں سے بھی بے نیل و مرام ہو کر ستم

ظریف کمشنر صاحب کے پاس گیا۔ انہوں نے جب معاملہ سنا تو فرمایا کہ یہ بھی معمولی واقعہ ہے اور اپنے چپراسی کو ستم ظریف کو Exit دکھانے کو کہا۔ یہاں سے نکل کر ستم ظریف اپنے MLA کے پاس شکایت کرنے گیا تو معلوم ہوا کہ وہ وزارت حاصل کرنے دلی میں ڈیرہ ڈالے ہوئے ہے۔ سفید در سفید دودھ بنانے والے مذہبی سرمایہ دار نے دلی میں اسکا خرچہ برداشت کرنے کا بیڑہ اُٹھا رکھا ہے۔ یہاں سے بھی بے مراد نکل کر ستم ظریف Pollution Control Board گیا اور سفید در سفید دودھ پالی تھین لفافہ میں بیچنے والے سرمایہ دار کے خلاف شکایت کی کیونکہ Polythene پر سرکار نے پابندی لگا رکھی ہے۔ پولیوشن کنٹرول بورڈ والوں نے جواب میں کہا کہ مسئلہ کشمیر پر مرحلہ وار بات چیت، مرحلہ وار فوجی انخلاء، مرحلہ وار کابینہ Induction کی طرح ہی پالی تھین پر بھی پابندی مرحلہ وار طریقہ پر نافذ ہوگی۔ مثال دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اگر کریم ننہ وور مجہ اور گوگجہ پالی تھین لفافہ میں لیجا رہا ہے تو کھڈا صاحب کی بہادر پولیس فوراً چھاپہ مار کر اس کا لفافہ مجہ اور گوگجہ بشمول ضبط کر ڈالیں گے۔ لیکن مذہبی سرمایہ دار پر ہاتھ ڈالنے کے لئے ان کی پولیس کو مرحلہ وار تربیت درکار ہوگی۔

ستم ظریف سوچ رہا ہے کہ اب کہاں Food انسپکٹر کی گمشدگی پر شور مچائے، تاکہ مذہبی سرمایہ دار گوالے کو اس کی اوقات یاد دلا سکے۔ اُسے اپنے وزیر کی یاد آئی۔ وہ فوراً وزیر کے دروازے پر دستک دینے گیا۔ اندر سے وردی پوش طائر اُبابیلا نکل آیا۔ اس نے بتایا کہ وزیر سے ملنے کا اپنا طریقہ ہوتا ہے۔ پہلے ان کے PA سے ملو۔ اپنا مدعا بیان کرو۔ وہ تاریخ اور وقت Allot کریگا۔ اس کے بعد ہی سلطانی جمہور کے وزیر سے تمہاری ملاقات ممکن ہے۔ ستم ظریف فوراً PA صاحب کے پاس گیا اور مدعا بیان کیا۔ PA صاحب نے جواب دیا کہ ملاقات وملاحظہ کیلئے ہم جنت مکانی ڈاکٹر علی محمد جان صاحب کے فارمولہ پر عمل کرتے ہیں۔ جب تک مریض اللہ کو پیارا نہیں ہوجاتا تب

تک Appointment نہیں ملتی ہے۔ ستم ظریف یہاں سے بھی ناکام نکلا اچانک اس نے مذہبی سرمایہ دار شیر گجری کو آتے دیکھا وہ اپنے ساتھ Verka گھی کا پندرہ کلو والا ٹین اور Amul کا دس کلو وزنی پنیر کا ڈبہ لایا تھا۔ وردی پوش طائیراً ابابیلا نے فوراً دروازہ کھولا۔ اپنے Mettle Detector سے Search کر کے ٹین کے ڈبے کو بم سرنگ سے خالی قرار دیکر مذہبی سرمایہ دار شیر گجری کو اندر لے گیا۔ سرمایہ دار اندر گیا اور وردی پوش طائیراً ابابیلا نے گیٹ بند اور ستم ظریف کو باہر کر دیا۔ اب ستم ظریف کیا کرے؟ وہ گہری سوچ میں گم ہو گیا۔ لیکن کوئی تدبیر ہاتھ نہیں آ رہی تھی۔ اس نے اپنا گریبان چاک کر ڈالا۔ لیکن کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ اسنے اپنی پیشانی پیٹنا شروع کی۔ لیکن صورتحال جیوں کی تیوں رہی!۔

ستم ظریف کا چاک گریباں دیکھ کر ارد گرد بچے جمع ہو گئے اور ستم ظریف کو پاگل قرار دیکر اس پر سنگ باری کرنی شروع کی۔ اچانک ستم ظریف ایک خیال آنے پر اچھل پڑا۔ اس نے فوراً غالبؔ چچا کی طرح ازار بند میں گرہ لگائی تا کہ خیال کی **آمئژ کوکر پئتی** نہ ہو جائے۔

اس نے سنگ اٹھایا اور چاروں طرف سنگباری شروع کی ساتھ میں وہ فیضؔ کا شعر بھی زور زور سے گنگنا رہا تھا۔

بجز دیوانگی کے واں چارہ ہی کہو کیا ہے
جہاں عقل و خرد کی ایک بھی مانی نہیں جاتی

اس نے دو چار سنگ ہی پھینکے تھے کہ بہادر پولیس کے ویر سپاہی اس پر جھپٹ پڑے اور اسے PSA کے تحت کٹھوعہ جیل روانہ کر دیا۔

مَس کا سا ہے

شوپیان کے پولیس افسروں کی طرح سیاستگر، خاتون خانہ آپہ ٹائٹھ اور زاہد خشک نے بھی قومی حرمت کی بے حرمتی کی تھی۔ فرق صرف یہ تھا کہ 407 مارک گاڑی میں یہ بزدلانہ کارنامہ انجام دیا تھا جبکہ مندرجہ بالا تین مہاشکتیوں نے یہ معرکہ بالترتیب سٹیج، کچن اور مسند پر انجام دیا۔ تینوں سے اصل حقیقت اگلوانے کے لئے سپیشل انوسٹگیشن ٹیم کے سربراہ DIG رؤف الحسن نے تینوں مہاشکتیوں کو عوام کی عدالت میں پیش کیا۔ عدالت نے فوراً انکا Blood ٹیسٹ اور نارکوانالیسز کروانے کا حکم دیا۔ عدالت نے یہ بھی کہا کہ DNA پروفائیلنگ کے ذریعہ یہ معلوم کیا جائے کہ سیاست کار کے نوکِ زبان خنجر پر جو خون ہے کیا شہید کے کفن پر لگے خون سے وہ ملتا ہے؟ ساتھ ہی یہ بھی دیکھا جائے کہ سیاست گر کی جو اتنی لمبی چوڑی جائیدادیں اور نئے سلے سلائے سوٹ، بیگمات کے گہنے، اولاد کی موٹر کاریں اور اعلیٰ عہدے اور نقدی وغیرہ کیا سرکاری فنڈس اور دیگر نامعلوم رقومات کے DNA سے ملتے ہیں۔ آپہ ٹائٹھ کے بارے میں معلوم کیا جائے کہ کیا سماج کی موجودہ بے راہ روی کا DNA اس کی ناقص العقلی کے gene سے ملتا ہے اور زاہدِ خشک کی Brain maping کرکے یہ معلوم کرایا جائے کہ سماج میں قول وفعل کا جو تضاد دیکھنے میں آرہا ہے۔ کہیں اس کی چھوت اسی کے کردار سے تو نہیں لگی ہے۔ ساتھ میں یہ بھی معلوم کیا جائے کہ

غالب نے آخر کس وجہ سے یہ شعر ارشاد کیا۔

کہاں میخانہ کا دروازہ غالب اور کہاں واعظ
پر اتنا جانتے ہیں، کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

اور حکیم الامت نے یہ شعر کیوں ارشاد فرمایا۔

اے میرِ سپاہ میں جانتا ہوں تیری سپاہ کو
قُل ہو اللہ کی شمشیر سے خالی ہیں نیام

قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے
اس کو کیا جانیں بیچارے یہ دو رکعت کے امام

عدالت کا حکم سنکر DIG رؤف الحسن تینوں ملزموں کو ہتھکڑی پہنا کر نامعلوم خفیہ مقام کی طرف لے گئے دوسرے دن انہیں Narco لیبارٹری میں پیش کیا تا کہ Test کیا جاسکے۔ لیبارٹری ٹیکنیشن نے ان کی رگوں سے خون کا ایک ایک سرینج نکالا اور اسے Examination کیلئے بھیج دیا۔ جب تک رپورٹ آتی تب تک Narco ٹیسٹ کرنے کا فیصلہ کیا۔ پہلے آپہ ٹائٹھ کو کوئی سبز رنگ کا سیال پینے کیلئے دیا گیا۔ اس نے یہ سیال پینے سے انکار کیا۔ DIG رؤف الحسن پریشان ہوئے لیکن لیبارٹری ٹیکنیشن نے مسئلہ حل کر دیا۔ اس نے آپہ ٹائٹھ کو دھمکی دی کہ اگر اس نے یہ سیال نہیں پیا تو اس کی جیب سے چابیوں کا گچھا نکال کر دیکھا جائے گا کہ اس نے مختلف صندوقوں اور الماریوں میں کیا چھپا رکھا ہے۔ یہ سن کر آپہ ٹائٹھ ڈر گئی اور غٹاغٹ گلاس میں رکھا سیال پی گئی۔ اسکے ساتھ ہی وہ نیم بے ہوشی مین کچھ بڑبڑانے لگی۔ اتنی دیر میں ٹیکنیشن نے سوالات شروع کر دئیے۔

(س) تم کیوں ہر روز گھر میں فساد بھڑکاتی ہو؟

(ج) آ آ آ Revlevent رہنے کیلئے۔

(س) تم 5ویں پاس سے تیز نہیں ہو۔ پھر بھی گھر کے ہر معاملہ میں ٹانگ کیوں اڑاتی ہو؟

(ج) تا کہ سب پر حکومت کر سکوں۔

(س) اتنا صابن جو گھر سے غائب ہے کہاں گیا؟

(ج) سسرال گئی بیٹی کے حوالہ کیا!

(س) تم نے کیوں باورچی خانہ کو ہی بیٹھک بنا رکھا ہے؟

(ج) تاکہ ٹوٹھ میرے بغیر مرغی کی طرح کرئٹ نہ کر سکے۔

(س) تمہاری نظر تو صاف ہے پھر چشمہ کیوں چڑھا رکھا ہے؟

(ج) تاکہ حد درجہ بردبار اور دانشمند نظر آؤں۔

(س) تمہیں سب سے زیادہ نفرت کس کے ساتھ ہے؟

ج) پڑوسن، سمدھن اور نندو، جٹھانی اور ساس سے۔

(س) کیوں؟

(ج) کیونکہ ان کے گہنے اور کپڑے مجھ سے زیادہ قیمتی ہیں۔

(س) فلاسفروں نے کہا ہے کہ عورت جو کہے اس کے الٹ کرنا چاہئے ایسا کیوں؟

(ج) کیونکہ میری بات ٹیڑھی ہے۔ واپس بھی اگر ٹیڑھی آئے تو سیدھی ہو جائیگی!

(س) تمہیں کس سے زیادہ پیار ہے؟

(ج) اپنے آپ سے اور اپنی چوری چھپے جمع کی ہوئی پونجی سے!

آپہ ٹاٹھ کے بعد اب عالم واعظ کا Narco انالیسز کیا گیا۔

(س) تم بہت علم کہتے ہو۔ لیکن خود عمل نہیں کرتے کیوں؟

(ج) اپنی وورِہ کو خود کس نے مَس کا سا ہے۔

(س) کیا شیروانی اور قراقل کے بغیر عالم نہیں دکھو گے؟

(ج) مفتی بشیر الدین نے یہ طریقہ نکالا ہے۔

(س) کیا کبھی ایسا ہوگا کہ تمہارا قول و فعل ایک ہو جائے؟

(ج) جب اسرافیل اپنا صور پھونکیں اور مہیش ٹانڈو کرینگے۔

(س) اچھا یہ بتاؤ مہینہ میں کتنی بار ختمِ شریف کی دعوت تناول کرتے ہو؟

(ج) اس معاملہ میں تو ہر روز، روز عید اور ہر شب، شب دیپاولی ہے۔

(س) اچھا یہ بتاؤ مرزا غالبؔ کو تم برا کیوں کہتے ہو؟

(ج) وہ میرا پڑ دادا کہتا تھا۔ اسی لئے اپنے غالب نے شعر کہا۔

غالب برا نہ مان جو واعظ برا کہے ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے

لیکن اب واعظ کی ماڈرن Generation شاعری کے بغیر ان کی ہم خیال ہے۔ بادہ گلفام تو ہم گلاب عرق کی بوتل میں ڈال کر پی جاتے ہیں۔ انبہ کے بدلے ہم گوشتابہ اور طبخ ناٹھ تناول کرتے ہیں۔ غالبؔ کو شکر کی لت پڑی تھی۔ واعظوں کو منطق کی لت پڑی ہے اور لغت کے بکھیڑوں میں الجھا ہوا ہے۔ غالبؔ جس مقصد کیلئے ازار بند کی گرہ کھولتا تھا۔ آج کا واعظ کسی اور مقصد کیلئے کھولتا ہے۔ یعنی بقولِ اقبالؔ

پرواز ہے دونوں کی فقط ایک فضاء میں کرگس کا جہاں اور ہے شاہین کا جہاں اور

ڈاکٹر اور DIG رؤف الحسن دونوں چونک پڑے انہوں نے دوبارہ سوال کیا کہ واعظ کس مقصد کیلئے ازار بند کی گرہ کھولتا ہے تو واعظ کے دماغ پر XXX کے الفاظ گرٹر ہو رہے تھے۔ کمپیوٹر مانیٹر سکرین پر صاف پڑھے جاسکتے تھے۔ رؤف الحسن نے توبہ توبہ کرتے ہوئے پوچھا تم کبھی سینما جاتے ہو۔

واعظ نے جواب دیا ہاں، طریقہ Chief Preacher نے سکھایا ہے۔ جب فلم مغلِ اعظم دیکھنے جانا ہو تو برقعہ اوڑھ کر جاؤ۔

وقت کافی گذر چکا تھا اور بغلیہار انجینئروں کی نابکاری کی وجہ سے Load Sheding ہو رہی تھی۔ بجلی off ہوگئی۔ لہٰذا فیصلہ ہوا کہ سیاستگر کا Narco انالیسز یعنی Brain Maping کل کی جائے۔ اسکے ساتھ ہی یہ Session برخواست ہو گیا اور DIG رؤف الحسن جو کہ SIT کے سربراہ تھے، واعظ سیاستگر اور آپہ ٹاٹھ کو مزید Introgation کیلئے نامعلوم خفیہ مقام کی طرف لے گئے۔

سب سے بڑا روپیہ

جوشؔ ملیح آبادی، مرزا غالبؔ، جہانگیر بادشاہ، دیوداس پاروو والے اور نبر شرابی پیر مغاں سے شراب خرید کر شالیمار باغ میں پینے کی محفل آراستہ کئے ہوئے تھے۔ راکھی ساونت اور ملکہ شیراوت ساقی تھیں۔ نبر شرابی نے محفل کے ابتداء میں ہی شور مچایا کہ جہانگیر بادشاہ کو شراب پلانا حرام ہے۔ کیونکہ

یہ لکھا ہوا ہے پیر مغان کی دوکان پر
کم ظرف کو شراب پلانا حرام ہے
میخانہ کی توہین ہے، رندوں کی ہتک ہے
کم ظرف کے ہاتھوں میں اگر جام دیا جائے

جہانگیر بادشاہ کو یہ سُن کر غصہ آیا اور اس نے نبر شرابی سے پوچھا کہ وہ کیسے کم ظرف ہے؟ نبر شرابی نے کہا کہ تم نے بڑی بے غیرتی سے انارکلی کو زندہ دیوار میں چنتے دیکھا، جس طرح عوام نے گیلانی صاحب کو پولیس کی طرف سے تنگ کرنے کو برداشت کیا۔ پولیس نے گیلانی صاحب کو ہریسہ کھانے کے جرم میں بند کیا، عدالت نے انہیں

ضمانت پر رہا کیا، انہیں کباب ہضم کرنے کے الزام میں بند کر دیا گیا۔ انہیں اس معاملہ میں بھی جب ضمانت ملی تو انہیں میوزک سننے کے الزام میں بند کر دیا، گیلانی صاحب کے وکلاء اس معاملہ میں بھی ضمانت حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے تو انہیں باقر خوانی کھانے کے الزام میں بند کر دیا گیا۔ اس الزام میں بھی انہیں ضمانت ملی تو پولیس نے انہیں ناک صاف کرنے کے الزام میں پھر گرفتار کرلیا۔ اور یوں اکیسویں صدی میں ہونے کے باوجود یہ ثابت کیا کہ یہ پولیس 1952ء میں ہی رہتی ہے اور سیاسی مخالفین کو ذاتی مخالف سمجھنے والوں کے ہاتھ میں محض ایک کھلونا ہے۔ جمہوری معاشرے اور آئینی حکومت کا کوئی باعزت ادارہ نہیں! نبر شرابی کہے ہی جا رہا تھا اور باقی رند حیرت سے اس کی بات سن رہے تھے۔ نبر شرابی نے کہا کہ اس پولیس نے آئین وقانون کا تماشا بنا رکھا ہے اور جب مملکت کے ادارے غیر سنجیدہ ہو جائیں اور انہیں ذاتی ملکیت سمجھ کر ذاتی دشمنوں سے انتقام گیری کیلئے استعمال کیا جانے لگے تو عوامی ہیجان پیدا ہوتا ہے۔ لیکن گیلانی صاحب کے معاملہ میں عوام نے کسی ہیجان کا اسی طرح مظاہرہ نہیں کیا جس طرح جہانگیر نے اس وقت کسی ہیجان کا مظاہرہ نہیں کیا جب اکبر اعظم انارکلی کو جرم محبت میں زندہ دیوار میں چنوار ہے تھے! اسی کے ساتھ ہی نبر شرابی نے جہانگیر کے سَر پر ایک مکا رسید کیا اور بولا شیخو تمہارے پاس تو اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ سلطنت، فوج، خزانہ، رعایا اور حرم ہے تم کون سا غم مٹانے کو شراب پیتے ہو؟

جہانگیر بادشاہ نے جواب دیا کہ اصل میں میرے اختیارات میری بیگم نور جہاں اور سالے آصف خان نے ضبط کر رکھے ہیں، مجھے ایک پاؤ گوشت اور ایک سیر شراب پرٹرخا دیتے ہیں اور حکومت خود اسی طرح کر رہے ہیں جس طرح صلاح کار رانا، راتھر صاحب اور ساگر صاحب کر رہے ہیں لیکن نکتہ چینی کے تیروں کا سامنا عمر عبداللہ صاحب

کو کرنا پڑ رہا ہے۔ یہی غم غلط کرنے کیلیئے میں نے شراب اور افیون کا سہارا لے رکھا ہے۔ اتنی دیر میں راکھی ساونت اور ملکہ شیراوت نے آکر جہانگیر اور نبر شرابی کے جام لبریز کر دیئے۔ جہانگیر نے نبر شرابی سے پوچھا کہ تم تو ازلی شکسلد ہو۔ شیخ چلی کے گھر کی طرح تمہارے گھر کے بھی در و بام نہیں ہیں۔ تمہیں بغاوت کا خطرہ ہے نہ محلاتی سازش کا خوف، نہ تمہاری کوئی انارکلی ہے، نا ہی نور جہاں! تم کس غم میں شراب کا سہارا لئے ہوئے ہو؟ نبر شرابی نے پہلے آہِ سرد بھری اور پھر کہا کہ مجھے غم روزگار نے مارا ہے۔ ساری عمر رائے شماری کے سرپٹ دوڑنے والے گھوڑے کو زیر دام لانے میں گذری، گھوڑا اٹانومی کی بکری بن گیا مجھے دو چار سینگ مار کر خاندانِ غلاماں کے گھر کا مرغ بن گیا اور وہ بھی تمہارے مرغِ سوختہ جیسا۔ میں غمگین ہو گیا۔ پھر مفتی صاحب نے آپریشن ترشول، ایگل اور Catch & Kill کے ذریعہ ہیلنگ ٹچ دیا۔ یہ کہکر نبر شرابی نے اپنے پیرہن کو اوپر کیا۔ اسکے پیٹ پر اور بغلوں میں ہیلنگ ٹچ کے واضح نشانات تھے۔ دو روپیہ کے سکوں کی جسامت کے برابر جلد پر زخم ہی زخم تھے۔ ٹاسک فورس نامعلوم بندوق بردار، اخوانی اور دیگر ایجنسیوں کے لگائے ہوئے زخم دکھا رہا تھا۔ اسکے بعد نبر شرابی نے آہِ سرد لیکر کہا کہ باقی کسر گیلانی صاحب کی ہڑتالوں اور واعظ صاحب کی اِدھر چلو اُدھر چلو نے پوری کر دی۔ اور اس وقت حالت یہ ہے کہ بقول غالبؔ

اُگ رہا ہے درودیوار پہ سبزہ غالبؔ
لوگ کہتے ہیں کہ گھر میں بہار آئی ہے

اسی چیز سے تنگ آکر میں نے مے نوشی کا شغل اپنایا۔ یہ کہہ کر نبر شرابی اور جہانگیر دونوں نے ایک ایک جام ہاتھ میں اُٹھایا اور جام سے جام ٹکرا کر Cheers کہہ کے غٹا غٹ پی گئے۔ مرزا غالبؔ نبر شرابی کی زبان سے اپنا شعر سنکر چونک پڑے اور ذرا نزدیک

آکران دونوں کے درمیان بیٹھ گئے۔ جہانگیر نے مرزا غالبؔ سے پوچھا کہ میاں نہ تمہارے گھر میں ہلدی اور نہ نمک نہ ہی مرچ ہے اور نہ مصالحہ۔ ادھار لیکر زندگی اور گرہست کی گاڑی کھینچ رہے ہو۔ یہ شراب نوشی کی لت کیسے پڑگئی۔ مرزا غالبؔ نے عرض کیا۔

سو پشت سے ہے پیشہ آباء سپہ گری

کچھ شاعری نہیں ذریعہ عزت مجھے

میرے اجداد بکتر بند سپاہی تھے۔ لیکن میں شاعر نکلا۔ جس طرح کشمیری عظیم مشاہیر کی اولاد اور فن کاروں، فلاسفروں، انجینئروں، شاعروں، جرنیلوں، تواریخ دانوں، ریاضت کاروں کی اولاد ہیں۔ لیکن اب سیاستکار بن گئے ہیں اور سیاست کے ساتھ بھنگ اور خشخاش کی کاشت کرتے ہڑتال کی کھاد استعمال کرتے، بیانات تقاریر، قرارداد کنونشن، غبن، خرد برد دل بدلی، وزارت پر دھینگا مشتی کر کے پوری قوم کے عظیم ماضی کو گرہن لگا رہے ہیں۔ لیکن غم ہرگز نہیں کرتے۔ وازہ وانی مجالس آراستہ، تعمیرات کھڑی اور روپ بدلتے ہیں۔ لیکن میں نے غم کیا اس لئے شرابی بن گیا وگرنہ مے سے غرض نشاط کس روسیاہ کو ہے!

ملکہ شیر اوت اور راکھی ساونت صراحی لیکر جوش ملیح آبادی کی طرف مُڑیں، جام بھرتے ہوئے ملکہ نے پوچھا کیوں موئے تمہیں کونسا غم ہے جسے غلط کرنے کیلئے تم نے بنتِ انگور سے یارانہ گانٹھ لیا۔ جوشؔ نے ملکہ اور راکھی سانوت کو سامنے پاکر فلمی گانا شروع کیا۔

چولی کے پیچھے کیاہ ے

چُنری کے نیچے کیا ہے

یہ سنکر راکھی ساونت اور ملکہ شیر اوت نے اپنے سینہ پر آنچل درست کیا اور عشق

مجازی کے مصنوعی غصہ کا مصنوعی مظاہرہ کرتے ہوئے جوش سے پوچھا کہ تجھے اللہ کا بھی ڈر نہیں ہے۔ وہ تمہیں دوزخ کی آتش میں جھونک دیں گے۔ جوش نے لکھنوی نوابوں کی طرح ہاتھ پیشانی تک لیجا کر واہ واہ کر کے شعر عرض کیا۔

آتشِ دوزخ سے ڈراتا ہے انہیں

جو آگ کو پی جاتے ہیں پانی کر کے

دیوداس قریب آیا اس نے بوتل کا دہانہ منہ سے لگایا اور پھر جوش سے پوچھا مجھے پارو کے غم نے مارا ہے جس طرح مفتی صاحب کو وزارت اعلیٰ کی محرومی نے مارا۔ جان کو قانون و آئین سے بے خبری نے۔ مغل کو تگڈم نے جاوید متو کو شیطانی خصلت کریم سب انسپکٹر کو نفس اور اسلم کو وزارت کی فرقت نے مارا ہے تجھے کس نے مارا ہے۔ جوشؔ لا جواب سے ہو گئے اور انہوں نے اپنا چہرہ ملکہ شیراوت اور راکھی ساونت کی طرف کیا اور ان سے پوچھا کہ تم موقعہ بے موقعہ کیوں اپنے سڈول جسم کی نمائش کر رہی ہو، ہر کسی کو بوسے دے رہی ہو۔ ایک بیچارہ غالبؔ ہے کہ محبوب نے اسے کبھی بوسہ نہیں دیا۔ ملکہ شیراوت اور راکھی ساونت نے برجستہ کہا کہ اصل میں باپ بڑا نا بھیا سب سے بڑا ہے روپیہ۔ کھیسہ کھولو ہریسہ کھاؤ۔ اگر مرزا ہمیں پیسہ دینگے تو ہم اس کو بوسہ دیکر اس کی محبوبہ کو اسکی اوقات یاد دلائیں گی۔ یہ سنکر غالبؔ جام پٹخ کر اپنے Pension case کے حل کیلئے نواب صاحب کی کوٹھی کی طرف لپکا تا کہ مال حاصل کر کے حسینوں سے خلد کے بجائے اسی دنیا میں انتقام لے سکے۔ یوں تاریخِ ہند کے ان نامور رندوں کی محفل اپنے اختتام کو جا پہنچی۔

Elements

کریم ننہ وور اپنے بیٹے نبر زومبہ کے ساتھ سورج گرہن کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ان کی نظریں صبح طلوع ہوتے سورج کی طرف ٹکی ہوئی تھیں۔سائنسدانوں کا کہنا تھا کہ یہ صبح پانچ بجے سے سات بجے کے درمیان نظر آئے گا اور ساتھ ہی Warning دی تھی کہ ننگی آنکھ سے دیکھنا آنکھ کو نقصان بھی پہنچا سکتا ہے۔دونوں باپ بیٹوں نے سبز رنگ کے کانچ کے ٹکڑے ہاتھ میں رکھے تھے اور انہی ٹکڑوں کو آنکھ سے لگا کر گرہن کا مشاہدہ کر رہے تھے۔وقتِ مقررہ پر سورج گرہن ظہور پذیر ہوا اور وہ آدھا ہی سورج دیکھ رہے تھے۔نبر زومبہ زور سے اُچھل رہا تھا اور اپنے پاپا سے پوچھ رہا تھا کہ باقی سورج کہاں گیا۔کریم ننہ وور نے سنا تھا کہ سیارہ چاند اپنی سالانہ گردش کے دوران کبھی کبھار سورج اور زمین کے درمیان آن کھڑا ہوتا ہے۔جس کی وجہ سے سورج اپنی اصل شکل میں زمین سے دکھائی نہیں دیتا۔جسے انسان کی زبان میں گرہن کہتے ہیں ایسا بھی ہوتا ہے کہ کبھی سیارہ زمین بھی چاند اور سورج کے درمیان آں کھڑا ہوتا ہے جسکی وجہ سے چاند پورا نہیں دکھتا اور یوں چاند گرہن نظر آتا ہے۔نبر زومبہ حیرت سے تماشا دیکھ رہا تھا۔کریم ننہ وور اپنے بیٹے کو یہ سارا معاملہ ساتھ ساتھ سمجھا بھی رہا تھا اور دلچسپی سے تماشا بھی دیکھ رہا تھا۔اچانک نبر زومبہ نے پوچھا اگر گیلانی صاحب اور ہڑتال کے درمیان PSA آجائے تو گرہن کس کو لگے گا؟ گیلانی صاحب یا پھر ہڑتال کو! کریم ننہ وور یہ سنکر

سوچ میں پڑ گیا۔ بات سولہ آنے صحیح اور قابل غور تھی۔ جب سے گیلانی صاحب پر PSA لگا تھا۔ تب سے ہڑتال کا اتہ پتہ نہیں چل رہا تھا، نبرزومبہ اپنے سوال کا جواب سننے کا منتظر تھا۔ لیکن کریم ننہ وور کے دماغ میں کچھ دیگر سوال بھی سر ابھار رہے تھے وہ سوچ رہا تھا کہ اگر؛

(۱) اسلم اور کابینہ نشست کے درمیان سوز صاحب آجائیں تو گرہن کس کو لگے گا؟

(۲) اگر پولیس اور مجرموں کے درمیان مال آجائے تو گرہن کس کو لگے گا؟

(۳) جب نیشنل کانفرنس اور اقتدار کے راستے میں PDP آتی ہے تو کون گرہن زدہ ہوتا ہے؟

(۴) جب سوز صاحب اور مرکزی کابینہ نشست کے درمیان غلام نبی آزاد اور فاروق صاحب آتے ہیں تو کون گرہن زدہ ہوتا ہے؟

(۵) جب حیا اور عورت کے درمیان ہوس زر آتی ہے تو گرہن بے چارہ کہاں جاتا ہے؟

(۶) جب چاک گریبان سنگ باز اور سرکاری املاک کے بیچ پولیس والا کھڑا ہو جاتا ہے تو گرہن کی کیا حیثیت ہوتی ہے؟

(۷) اگر فائیل اور سائل کے درمیان سیکشنل افسر آجائے تو گرہن کیا کریگا؟

(۸) جب میکڈم بچھانے والوں اور انجینئروں کے درمیان کمیشن کا معاملہ آجاتا ہے تو گرہن کہاں روپوش ہو جاتا ہے؟

(۹) جب انصاف اور اہل تو پیان کے درمیان کمیشن آجاتا تو گرہن کسے لگتا ہے؟

(۱۰) جب 407 مارکہ گاڑی اور دفعہ 302 کے درمیان سیاسی اثر ورسوخ آجاتا ہے تو گرہن بیچارہ آخر کرتا کیا ہے؟

(۱۱) جب عدل اور مظلوم کے درمیان تاخیر آجاتی ہے تو کس کو گرہن لگتا ہے؟

(۱۲) مسئلہ کشمیر اور ہند پاک کے درمیان امریکہ کھڑا ہو جاتا ہے تو کسے گرہن لگتا ہے؟

(۱۳) جب BOSE کی شفاف درسی کتب اور طلباء کے درمیان نائی دانشور کھڑا ہو جائے تو گرہن بیچارہ کیا کرے؟

(۱۴) جب MLA اور عوام کے درمیان بے رُخی کھڑی ہو جائے تو گرہن کسے لگتا ہے؟
(۱۵) جب مفتی اور شیخ پریوار کے درمیان اوقاف آجائے تو گرہن کی کیا حالت ہوتی ہے؟

نبرزومبہ اپنے پاپا کی ذہنی اتھل پتھل سے بے خبر بڑے انہماک سے گرہن کا نظارہ کر رہا تھا۔ اچانک اس کے من میں خیال آیا، اس نے ہرے کانچ کا ٹکڑا اپنی آنکھوں سے ہٹایا اور غور سے PAPA کو دیکھنے لگا اور پوچھا، پاپا اگر کارکنوں اور قیادت کے درمیان نذیر کھڑا ہو جائے تو گرہن کس کو لگے گا۔ کریم ننہ وور اس سوال پر سوچ میں پڑ گیا، اس کو وقت یاد آیا جب نذیر صاحب نے سید غلام حسین کو بھرے دربار میں کان پکڑی کرائی تھی۔ کریم ننہ وور اور حیران ہوا کہ اس کان پکڑی سے گیلانی صاحب کو گرہن لگا نہ نیشنل کانفرنس اور نہ ہی نذیر صاحب کو۔ راشی اور بددیانت وناہل وزراء اور بیروکریٹوں کو بھی گرہن نہیں لگتا ہے۔ سیاستگروں کو گرہن لگتا ہے نہ ہی گرم گوشت اور نہ ہی اسکے بیوپاریوں کو گرہن لگتا ہے۔ ٹاسک فورس کی گرمئی کردار سے نہ اسکو گرہن لگا نہ ہی اس کے حاکموں کو۔ نبرزومبہ اپنے سوال کا جواب پانے کیلئے بہت بے صبر تھا۔ آخر کریم ننہ وور نے کافی غور وفکر کے بعد جواب اگل ہی دیا اور کہا کہ اس پوری بستی پر گرہن لگا ہے۔ یہاں کے لوگوں کی تقدیر پر گرہن لگا ہے۔ بڈشاہ اور للہ عارفہ کے وارثوں کے پیشانی پر گرہن لگا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اخلاقی، مالی، ذہنی، سیاسی، عقلی گرہن زدہ لوگ اس بستی کے عوام کے گردن کا طوق بنے ہوئے ہیں۔

جواب سنکر نبرزومبہ اپنا ہرے رنگ کا کانچ کاٹکڑا لیکر روانہ ہوا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اس بستی میں کیا کوئی ایسا بھی ہے جس پر گرہن نہ لگا ہو۔ دوشیزہ، خاتون، دانشور، ڈرائیور، ڑکھاٹل قراقل بردار، وردی پوش، Tie بردار، تبردار، عمر رسیدہ، کمسن، سیاستگر، زرگر، ساگر وگھاگر، اپنے وپرائے، رندوزاہد، خشک وترسب گرہن زدہ ہیں۔ ایسے میں نبرزومبہ سوچ رہا تھا کہ لوگ آسمان کے سورج گرہن کا تماشہ کیوں دیکھتے ہیں۔ خود اپنا تماشہ بھی تو دیکھ سکتے ہیں، کیونکہ Elements نے انہیں تماشا بنا رکھا ہے۔

نمک

خاتونِ خانہ آپہ ٹاٹھ اور واعظِ خشک کی Brain Maping کرنے کے بعد اب DIG رؤف الحسن پر ذمہ داری تھی کہ وہ سیاستگر کے ذہن کا بھی مطالعہ کروائے اور رپورٹ عوامی عدالت کے سامنے اگلی پیشی پر پیش کرے۔ رؤف الحسن سیاستگر کو ہتھکڑیوں میں جکڑ کر لیبارٹری میں لائے اور Bed پر لٹا دیا۔ Narco سپیشلسٹ نے سب اگلو سیال کا گلاس سیاستگر کو پینے کیلئے دیا۔ لیکن وہ کسی طور یہ سیال پینے پر آمادہ نہیں ہو رہا تھا۔ DIG صاحب کی پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہو گئے۔ لیکن سپیشلسٹ نے ان کی مشکل اس طرح حل کر دی جب سیاستگر کو تنبیہہ کی کہ اگر وہ سیال پینے سے مسلسل انکار کرتا رہا تو اخباروں میں اس کی فوٹو چھپنے نہیں دی جائیگی۔ موقف بھی بدلنے نہیں دیا جائیگا۔ سیاستکار گھبرا گیا اور فوراً سیال پی گیا۔ اسکے ساتھ ہی اسپر نیم بیہوشی طاری ہو گئی۔ اور وہ اول فول بکنے لگا۔ سپیشلسٹ نے سوال شروع کئے۔

(س)　تم کب سے سیاست میں ہو؟

(ج)　جب سے مسئلہ کشمیر پیدا ہوا!

(س)　مسئلہ کشمیر کب پیدا ہوا؟

(ج) جب میں پیدا ہوا!

(س) مسئلہ کشمیر ہے کیا آخر؟

(ج) قسم ہے آخر زمانہ کی کہ مجھے بھی سمجھ میں نہیں آیا!

(س) اس کے حل کی صورت کیا ہے؟

(ج) بس دُعا دے سکتے ہیں!

تم جیو ہزار برس

ہر برس کے دن ہوں پچاس ہزار

DIG رؤف الحسن تجسس سے اپنے ناخون دانتوں تلے کتر رہے تھے اور ماہر سوال پر سوال کر رہا تھا۔

(س) مسئلہ کشمیر کو الجھانے سے تمہیں کیا فائدہ ہوا ہے؟

(ج) فائدہ ہی فائدہ ہے۔ اول تو میں Relevent رہتا ہوں دوسرے دال روٹی اور کپڑے ملنے کا بھی انتظام ہوتا ہے۔ ورنہ نجومیوں نے کہا تھا کہ مجھے مہاراجہ بازار میں ہو گا ڑہ اور سوکھی مرچیں بیچنی ہونگی۔

(س) اگر مسئلہ کشمیر حل ہو گیا پھر کونسا کاروبار کرو گے؟

(ج) اس مسئلہ کے حل ہونے کے آثار نہیں ہیں۔ کیونکہ اس کے کروڑوں فریق ہیں۔ سلجھانے والے ہزاروں اور لواحقین لاکھوں ہیں۔ فرض کریں اگر حل ہو بھی گیا، تو میں مسئلہ حل کیوں ہوا؟ کا مسئلہ کھڑا کر کے روزی روٹی چلتے رہنے کا انتظام کرونگا۔

(س) تم ہر روز نیا موقف کیوں اختیار کرتے ہو؟

(ج) موقف بدل کر میں یہ دیکھتا ہوں کہ عوام کتنا گھومے اگر وہ برو بر 360 ڈگری

گھومے تو مجھے یقین ہو جاتا ہے کہ ابھی میں 100 سال تک عوام کی بے خبری سے لطف اندوز اور عیش وعشرت کرسکتا ہوں۔ البتہ اگر اس گھمائی میں کوئی کمی رہ گئی تو مجھے اندیشہ گھیر لیتا ہے کہ شاید عوام کی سمجھ میں میری کرتوت آنا شروع ہوگئی ہے اور اب میری لطف وکرم کی شب عیش، شب فاقہ کشی میں تبدیل ہونے والی ہے۔

(س) تم کیوں سیاست میں اپنے باپ، بیٹے، بہو، بھائی، ماں، سمدھی سب کو لاتے ہو۔ دوسرے کاروبار بھی تو دنیا میں ہیں؟

(ج) مفت میں پبلسٹی، وزارت حاصل کر کے Pay, TA, DA سٹنگ فیس، کانسٹی چیونسی کو ترقی دو فنڈ، مفت علاج ومعالجہ، ٹیلی فون، ہوائی بحری زمینی سفر، غیر ممالک کی سیر، روغنی غذائیں، ترکستانی مے، پوں پوں گاڑی اور کمیشن وغیرہ اور ساتھ میں خسارے کا کوئی خطرہ نہیں۔ Sensex کا گراف اوپر ہی جاتا رہتا ہے۔ ایسے عیش کسی دوسرے کاروبار میں کہاں ہے۔ اسی لئے سیاست کو ہی اپنا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے۔

DIG رؤف الحسن اپنے ناخن دانتوں سے کتر رہے تھے۔ وہ سوچ میں گم تھے کہ اتنے سیدھے سادھے اور بھولے بھالے جسم میں جمہور کا اتنا بڑا ابلیس رہتا ہے جو خود کو ارباب سیاست بھی کہلواتا ہے۔ Narco انالیسز والے سپیشلسٹ نے اپنا کام جاری رکھا اور اگلا سوال پوچھا۔

(س) کیا وزارت میں رہے بغیر عوام کی خدمت کرنے کا کوئی دوسرا طریقہ نہیں ہے؟ جیسے کہ مدر ٹیریسا یا پاکستان کے عیدی صاحب جو بیماروں کی خدمت اور آفات سماوی سے تباہ حال لوگوں کی کشتی کنارے لگاتے ہیں۔

(ج) کیوں صاحب تنگ کرتے ہو۔ جذامیوں اور سیلابیوں کے ساتھ اُٹھ بیٹھ کر کون

اپنی مغز کھپائی کرے۔

سیاست سے غرض عوام ہے کس روسیاہ کو

اک گونہ عیش وعشرت مجھے دن رات چاہیئے

(س) اچھا یہ بتاؤ تم اپنے رقیب سیاست کار کے گھر آدھی رات کو کیوں برقعہ اوڑھ کر گئے تھے؟

(ج) اسی کی وجہ سے تو میں زندہ ہوں! اگر وہ بھی من تو شدی اور تو من شدم کہنا شروع کرے گا تو ہمارا سارا کھیل بگڑ جائے گا۔ میں آدھی رات کو اس کے گھر اس لئے گیا تھا تا کہ کوئی نیا فتنہ جگائیں۔ وہ فتنہ جگائے میں اس کی مخالفت کروں گا اور پھر میں فتنہ جگاؤں گا اور وہ اسکے مخالفت کرے گا اور یوں عرض کیا۔

ساری عمر کٹے گی عشق بتاں میں وو ٹر

آخری عمر تک ہم الحمدللہ مسلمان رہینگے

(س) تم جوان لڑکوں کو سنگ بازی پر کیوں اکساتے ہو؟

(ج) عوام کے زخموں پر نمک چھڑکنے کیلیۓ۔

(س) تم کس مذہب پر ہو، کچھ سمجھ میں نہیں آتا؟ ذرا دوٹوک الفاظ میں اب بتا ہی دو؟

(ج) کعبہ میں جا بجائیں گے ناقوس

اب تو باندھا ہے دیر میں احرام

اس کے ساتھ ہی سیاستگر کا نارکو ٹیسٹ مکمل ہوا اور DIG رؤف الحسن آخری رپورٹ تیار کرنے کیلیۓ اپنے خفیہ مقام کی طرف روانہ ہو گئے۔

جسدِ عنصری

شہید کا خون، مریض مسئلہ کشمیر کی رگوں میں Transfuse کے باوجود بھی کوئی افاقہ نہیں ہو رہا تھا اور مریض کی حالت دگرگوں ہوتی گئی۔ ہند پاک حکومتیں اپنے سرکاری مولویوں، پنڈتوں، گیانیوں اور پادریوں سے خصوصی دعائیہ مجالس کا اہتمام کروا رہی تھیں کہ مریض کا ایمان پر خاتمہ بالخیر ہو۔ کیونکہ اس مریض کی وجہ سے وہ اپنے اپنے عوام اور دنیا میں بار بار خجل ہو رہے تھے۔ گو کہ ان حکومتوں نے علاج کے لئے امریکہ اور روس سے بھی معالج بلائے لیکن افاقہ نہیں ہوسکا۔ بھارت سے سیاسی آیوروید کے نامور وید واچسپتی اور پاکستان سے یونانی کے مشہور حکیم حاذق بھی بلوائے گئے لیکن مریض صحت مندی کے آثار نہیں دکھا رہا تھا۔ وادی میں بھی سیاست کے تھوک اور پرچون بیوپاری صورتحال سے پریشان تھے۔ اگر خدانخواستہ مریض کو کچھ ہو گیا تو ان کا کاروبار بند ہو جانے کا خطرہ تھا۔ وہ کوئی دوسرا کاروبار بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ساری عمر اسی کاروبار کے ساتھ منسلک رہ کر وہ اب Line Change بھی نہیں کر پا رہے تھے۔ کیونکہ انہیں کسی دوسرے کاروبار یا ذریعہ معاش کا بالکل کوئی تجربہ نہیں تھا۔ مریض کی حالت زیادہ بگڑتے دیکھ کر یہ تاجر حضرات حواس باختہ ہو گئے اور انہوں نے دعا اور نذر و نیاز کا سلسلہ شروع کیا۔

بھیڑ بکریوں کی ایک خاصی تعداد میڈیکل انسٹی چیوٹ کے احاطے میں ذبح ہو رہی تھی اور ان کا گوشت ''تھپہ تھپہ'' تقسیم ہو رہا تھا۔ کاہلانِ کشمیر بھی مریض کی نازک صورت حال سے خاصے پریشان تھے۔ یہ تو اسی کا اعجاز تھا کہ انہیں روز روز ہڑتال جیسی نعمت Enjoy کرنے کو ملتی تھی اور وہ گھر میں تاش کی دو چار بازیاں لگانے اور ایک دو CD.XXX دیکھنے کا موقعہ پاتے تھے۔ اگر خدانخواستہ مریض جانبر نہیں ہو سکا تو وہ اس افیمی اور نشیلی رُت سے محروم ہو جائینگے۔ یہ صورتحال بھانپ کر وہ فوراً ہاروَن گئے اور ریشی حکیم سے تعویذ، گنڈے اور شربت جو کا جوشاندہ بھی لے آئے...... سارے میڈیکل انسٹی ٹیوٹ میں تعویذ اور گنڈے آویزاں کئے اور شربت جوشاندہ جو کے قطرے ڈاکٹروں کی نظر بچا کر مریض کے منہ میں ٹپکائے۔ لیکن No result۔ سرسوتی گلے والی بیگم اپنے حلق پر سکارف باندھ کر آئی وہ گوگجہ باغ کے پیر سے جھاڑ پھونک کی ہوئی اسپند لائی تھی۔ اور چرار شریف کی بنی ہوئی کانگڑی میں ڈال کر اس نے اس کی دھونی پورے میڈیکل انسٹی ٹیوٹ میں دے ڈالی۔ مریض کے نام کی مالا جپتے اور تسبیح کرتے کرتے وہ قومی سطح کی سیاسی آپہ ٹاٹھ بن گئی تھی۔ ناچ گانے اور ڈفلی بجانے والے نبر پرے کا بیٹا سلہ پرے بھی Lawn میں دعا میں مصروف تھا کہ اللہ کرے مریض شفایاب ہو جائے تا کہ وہ اپنے والد کی کرتوت کی قیمت وصول کر سکے۔

لیکن قدرت کو منظور نہیں تھا اور بالآخر یہ عظیم شان شخصیت ڈاکٹروں کی لاپرواہی، تیمارداروں کی غفلت، غلط تشخیص، غلط علاج، نقلی دوائیوں، کلینکل لیبارٹری کی غلط رپورٹ اور انسٹی ٹیوٹ کے اندر باہر غلاظت، سیاسی کثافت اور اخلاقی گندگی سے بے وقت واصل حق ہو گئی۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

علمائے کرام نے سونہ وار کے No 5 Guest House میں اسکی اجتماعی نماز جنازہ ادا کی۔ کسی نے تجویز پیش کی کہ حسب روایت سرینگر کے پولو گراؤنڈ میں متوفی کی میت اقوام متحدہ کے جھنڈے میں لپیٹ کر عوام کے آخری دیدار کے لئے رکھی جائے۔ لیکن علماء نے اس کے خلاف فتویٰ دیا اور عجلت میں میت کو لحد کے حوالے کرنا عین ثواب قرار دیا۔ لیکن ایک مفتی الگ فتویٰ دینے پر آمادہ ہوگیا۔ یہ مفتی ساری عمر ایک ہی معاملہ پر موافقت اور مخالفت دونوں اطراف میں فتویٰ دینے میں ماہر زمانہ تھا۔ لہٰذا یہ سمجھ کر کہ عوام اس کے فتوے کو اعتناء کے لائق نہیں سمجھیں گے منتظمین نے میت دفنا دی۔ سیاسی بیوپاری اس مزار کے مجاور بن بیٹھے اور نذر و نیاز پر ہاتھ صاف کرنے لگے۔

لحد میں اتارنے کے بعد حساب و کتاب کے فرشتے نکیر و منکر حاضر ہوئے اور مردے سے پوچھا۔

(۱) بول تیرا رب کون ہے......؟

بب میرا رب ہے......!

وہی میرا مارنے والا اور پیدا کرنے والا ہے۔ مردے نے جواب دیا۔

(۲) تیرا دین کیا ہے؟۔ نکیر نے پھر سوال کیا۔

میرا دین سیاسی بیوپاریوں اور انکے اہل خانہ کے شکم پُر کرنے اور ہندوستان و پاکستان کے درمیان تصادم کر رہا ہے۔

(۳) تیرا پیر کون ہے؟

اب منکر نے سوال کیا۔

جی میری سمجھ میں آج تک نہیں آیا۔ آج میرا جو پیر ہوتا ہے وہ دوسرے دن

میرے رقیب کا مرید بن جاتا ہے۔ پھر بندر کی طرح واپس اچھل کر میرے حجرے میں آ کر پھر سے میرا پیر بن جاتا ہے۔ اور کچھ روز کے بعد گلہری کی طرح واپس اچھال بھر کے میرے رقیب کے گھر جا کر پھر سے اس کا مرید بن جاتا ہے۔ اور یہ سلسلہ تب سے جاری ہے جب سے میں پیدا ہوا تھا۔ اس سے بہتر تھا کہ میں بے پیر ہی رہتا۔

میت نے آہ بھر کے جواب دیا۔

دنیا میں کون سے ثواب کئے ہیں۔ اب نکیر نے سوال کیا؟

جی میں نے

(۱) شکسلدوں کو خواجہ بنایا۔

(۲) اپنی گلی کے گمنام لوگوں کو بین الاقوامی شخصیت بنا دیا۔

(۳) جھونپڑی میں رہنے والوں کو محل نشین اور (REAL ESTATE) کا مالک کر دیا۔

(۴) جو نجپہ بل تک نہیں گیا تھا اس کو پیرس، لندن، جینوا اور نیویارک کی سیر کرائی۔

(۵) پٹواری بننے کے بھی جو لایق نہیں تھے ان کو تختِ طاؤس پر بٹھایا۔

(۶) جاہلوں کو افلاطون کا خطاب دلوایا۔

(۷) مُلا کو ارغوانی شراب پلوائی، بلکہ اسکے گھر میں ہی میخانہ سجا دیا۔

(۸) گدھوں، لکڑ بھگوں کو ختن کے مرغزاروں میں پہنچا دیا۔ جہاں وہ ریحان اور زعفران چرتے رہتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ (مردے نے جواب دیا)

گناہوں کی تفصیل بتاؤ۔ منکر نے سوال کیا؟

میں نے۔ (۱) لاکھوں لوگ مروائے۔

(۲) معصوم اور اٹھتی جوانیوں کو مزارِ شہداء میں دفن کروایا۔

(۳) عصمتیں لٹوادیں، بستیاں اجاڑیں، سہاگنوں کو بیوہ اور بچوں کو یتیم کروادیا۔

مردے نے جواب دیا۔

دنیا میں وارثوں کے لئے کیا چھوڑا؟

یہ سوال سن کر منکر مردے پر لرزہ طاری ہوگیا۔ اور کہا کہ اصل وارث تو میرے ہی ساتھ اسی قبرستان میں دفن ہیں۔ لیکن جبری وارث اتنے زیادہ ہیں کہ میں ان کی تعداد بھول گیا۔ حتیٰ کہ سنا ہے کہ پٹیالہ کی مٹی سے پیدا ہوا بھی مستقبل میں میرا وارث ہونے کا دعویٰ کریگا۔ یہ سنکر نکیر و منکر غور و فکر میں پڑ گئے کہ اسے داہنی جانب یا پھر بائیں جانب لے جائیں۔ جب فیصلہ نہ کر پائے تو آواز آئی۔

اسے فی الحال عالمِ برزخ میں رہنے دو۔

میت یہ سنکر بول پڑی ''دیس نہ گھرہ ژلہِ پرہ کتہِ ژلیس''

ہڑتال ہی ہڑتال

دوکاندار اب تک اپنی دوکان کا تیسرا چکر لگا چُکا تھا۔ وہ دوکان کھولنا چاہتا تھا تا کہ دو چار پیسے کمائے یا پھر دو چار ہاتھ مار کر اپنے عیال کا پیٹ پال سکے۔ آج چار دن سے دوکان بند پڑی تھی اور گذشتہ بیس برسوں سے ایسا ہی ہو رہا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ گذشتہ ایام کے دوران لمبے کرفیو اور لمبی ہڑتالوں کے بعد اب گذشتہ چند برسوں سے ہڑتال اور ہڑتال کے درمیان فاصلے لمبے ہوتے جا رہے تھے۔ پندرہ بیس روز میں ایک دن ہڑتال ہوا کرتی تھی۔ لیکن اب تو کمال ہی ہو گیا تھا اور آہستہ آہستہ ہڑتال باضابطہ قوم کے سیلبس میں شامل ہوگئی تھی۔ اور ہفتہ میں پانچ دن ہڑتال میں ہی کٹنے لگے۔ اور گذشتہ پانچ مہینوں سے ایسا ہی ہو رہا تھا دوکاندار کے پاس بچوں کی سکول فیس، ٹیوشن فیس ادا کرنے کو پیسے نہیں تھے۔ دوکان کھول کر اُمید تھی کہ وہ بھی چار پیسے کما کر خانگی ضروریات پوری کریگا۔ ایک جانب رہبر نے اُسے بتایا تھا کہ ہڑتال کرنے سے آزادی ملے گی۔ لیکن دوسری طرف سنگ باز نے اُسے دھمکایا تھا کہ ہڑتال نہ کرنے سے اُس کی دوکان کا شوکیس یا پھر اُس کا چہرہ بھی ٹوٹ سکتا تھا۔ وہ آزادی اور شوکیس کے بیچ میں کسا ہوا تھا۔ پیٹ کی آگ اُسے مجبور کر رہی تھی کہ وہ دوکان کھول دے۔ لیکن پتھر کے خوف سے وہ دوکان کھولنے سے ڈر محسوس کر رہا تھا۔ یہ عذاب کیوں اس پر نازل ہوا تھا، یہ جاننے کیلئے دوکاندار اپنے ضمیر کے چیمبر میں داخل ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ ساری عمر ذخیرہ اندوزی اور سردیوں میں مصنوعی قِلت پیدا کر کے اس نے ایک کے دس کمائے تھے۔ گھٹیا مال اعلیٰ کوالٹی کے لیبل لگا کر بے خبر خریداروں کو تھما دیا تھا۔ کم ناپ و تول کے سہارے بھی اس

نے لاکھوں کمائے تھے۔ مختلف محکموں کے حاکموں کو نقدی کی زنجیروں سے باندھ کر رکھا تھا۔ اور اتنی ساری دولت سے اس نے ایک پوش کالونی میں کوٹھی بھی کھڑی تھی۔ دو ایک جج بھی ٹھونکے تھے۔ امپورٹڈ کار بھی اسکے گیراج میں لاکھڑی کی تھی۔ اور اللہ اللہ کر کے اب اس کا شمار بھی علاقہ کے زعماؤں میں ہونے لگا تھا۔ لیکن گذشتہ بیس برسوں کے حالات نے اس کی حالت ہی پلٹ کر رکھ دی تھی۔ اور اگر حالات اسی نہج پر آگے چلے تو اس کا دیوالیہ ہونا یقینی تھا۔ اس کی حالت پر کسی کو رحم نہیں آرہا تھا، کیوں کہ اس نے بھی ساری عمر کسی پر رحم نہیں کیا تھا۔

حاکم اعلیٰ اور اس کے کارندے پوں پوں گاڑیوں میں گھومنے میں مس تھے۔ ڈبل تنخواہ، سفر خرچہ، کوٹھی کا کرایہ، ٹیلیفون، مفت علاج ومعالجہ، لینڈ لائین اور موبائیل فون سب کچھ سرکاری خرچہ پر ان کو مل رہا تھا۔ لہٰذا وہ تقریروں سے آگے کچھ اور نہیں کر سکتے تھے۔ حد ہوگئی تو وردی پوشوں کے ذریعہ گولی، آنسوں گیس، لاٹھی چارج اور کرفیو عطا کر سکتے تھے۔ جبکہ سرکار مخالف لیڈر نظر بندی، ہڑتال، اِدھر چلو اُدھر چلو، اخباری بیانات اور ہڑتال کی کال سے آگے بڑھنے کو تیار نہیں تھے۔

دوکاندار کی سمجھ میں بات آرہی تھی کہ خود اس کی اپنی سیاہ کاریوں نے اِسے اس عذاب میں مبتلا کر دیا ہے۔ وہ وادی کے دیگر لوگوں کے ساتھ قدرت کے قہر میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اسے فیس کی مجبُوری یاد آئی۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اپنی دوکان کا شٹر ایک فٹ اوپر کیا۔ ہڑتال میں شگاف پڑھ گیا۔ اس کی دیکھا دیکھی باقی دوکانداروں نے بھی اپنی دوکانوں کے شٹر 1/4 حصّہ تک اوپر کیے۔ سرکاری لیڈر بھی خوش ہوگیا۔ مخالفوں کے ہڑتال کے قلعہ میں ہسٹری اور اقتصادیات کے اصولوں نے شگاف ڈال دیا تھا اور یوں اس کی نوکری بھی فی الحال پکی ہو چکی تھی۔ حزب مخالف کے لیڈر نے بھی دنیا کو بتا دیا تھا کہ چار مہینہ تک ہڑتال کروا کر اس نے ثابت کیا کہ وہ اس قوم کا واحد لیڈر ہے۔ جبکہ ٹرانسپورٹ والا، دوکاندار، ریڈھے والا، مزدور، کسان نے بھی دنیا کو جتلا دیا کہ ہر کسی کا ساتھ دینے میں وہ کسی سے کم نہیں ہیں۔ البتہ یہ بات طے ہوگئی کہ وہ خود اپنے ساتھ ہرگز نہیں ہیں!!!!!

انسانیت

وہ جا رہی تھی ۔ لپک لپک کر، لہک لہک کر! اچانک اسے غشی آ گئی ۔ سر چکرانے لگا، بلڈ پریشر بہت ہائی ہو گیا ۔ مشین پر چک کیا تو 180/170 تھا ۔ حالات تشویشناک تھے ۔ اچانک وہ دھڑام سے زمین پر گر کر بیہوش ہو گئی ۔ اِرد گرد کے راہگیر اور فورسز کے جوان آئے اور اس کے گرد گھیرا ڈال کر کھڑے ہو گئے ۔ کوئی اس کے حلق میں پانی کی چند بوندیں ٹپکانے کو تو کوئی اس کو جوتا سونگھانے کی صلاح دے رہا تھا ۔

لوگ مختلف رائیں ظاہر کر رہے تھے ۔ کوئی اسے مرگی کا مریض مان رہا تھا تو کوئی اُسے ہارٹ پیشنٹ بتا رہا تھا ۔ البتہ لوگ اسے پہچان نہیں رہے تھے ۔ اس کی جیب کی تلاشی لی گئی تو اس میں سے ایک شناختی کارڈ برآمد ہوا ۔ جس پر اس کا نام انسانیت لکھا ہوا تھا ۔ لیکن رہنے کی جگہ اور دیگر تفصیلات اس پر درج نہیں تھیں ۔ فورسز اہلکار اس کو فوراً ہسپتال لے جانے کی صلاح دے رہے تھے ۔ لیکن کسی کے پاس فرصت نہیں تھی ۔ کوئی سبزی خریدنے نکلا تھا تو کسی کو گوشت اور دہی کی تلاش تھی ۔ کوئی منّے کے لئے کھلونے خریدنے نکلا تھا تو کسی کو اپنے لئے خریدار کی تلاش تھی ۔ بیہوش پڑی انسانیت کا سارا جسم لرزنے لگا ۔ سب بیچارے اپنی ہی دھن میں مست تھے لیکن انسانیت کی جان کنی پر فکر مند تھے ۔ اتنی دیر میں آخری ہچکی لیکر

انسانیت بیچاری نے دم توڑ دیا۔ سُنا ہے کہ جو سرِ راہ دم توڑے شہید کہلاتے ہیں۔ اور شہید کو کفنانا ضروری نہیں۔ لہٰذا اس کی میت کو بے کفن ہی رہنے دیا گیا۔ اس کے مذہب کا بھی کچھ اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ شلوار اتار کر اس کے جسمانی مذہب کا کسی حد تک اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔ لیکن وہ سو فیصد درست ہو یہ ضروری تو نہیں تھا۔ انسانیت کو گور میں ڈالا جائے، تابوت سمیت دفن کیا جائے یا کہ پھر اسے چِتا کی نظر کیا جائے؟ اس کا بھی فیصلہ نہیں ہو رہا تھا۔ لہٰذا سب نے مل کر فیصلہ کیا کہ میت کو بے گور و کفن ہی رہنے دیا جائے البتہ ٹریفک میں رکاوٹ نہ پڑے، اس لئے میت کو کسی ویران جگہ پر پھینک دینے کا فیصلہ ہوا۔ لاش زبرون پہاڑ کی ایک سنگلاخ گھاٹی میں پھینک دی گئی۔ چند گھنٹوں بعد اس پہاڑی کے اوپر لوگوں نے گدھوں اور چیل کوؤں کو جھنڈ در جھنڈ محوِ پرواز دیکھا۔ شاید وہ بے گور و کفن پڑی انسانیت کی لاش کی آخری رسومات ادا کر رہے تھے۔ اور اِدھر سرکار اور لیڈر لوگ کرفیو، ہڑتال، ساز باز اور بات چیت میں مگن تھے۔

شک اور علم

(اقتباس)

جوں جوں جمرۃ العقبہ قریب آتا گیا۔ زائرین کا شور بڑھتا گیا۔ حتیٰ کہ جب میں جمرہ کے قریب پہنچا غیظ وغضب کا عجیب منظر عام نظر آیا۔ زائرین کے چہرے تمسخر اور حقارت سے سوجے ہوئے تھے۔ غصے سے ان کے منہ سرخ ہورہے تھے۔ کوئی جمرہ کو گھونسے دکھا رہا تھا کوئی اس پر تھوکنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ بیشتر لوگ اسے مغلظات سے نواز رہے تھے۔ ترے فلاں کے فلان کا فلاں۔ ایسے بھی تھے جو ساتوں کنکریاں مار چکے تھے۔ لیکن ان کا دل ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔ اور اب اپنی دل کی تسکین کی خاطر پاؤں سے جوتے اتار کر جمرے کو دھڑ ادھڑ پیٹ رہے تھے۔

ہجوم کا یہ جوش وخروش اگرچہ بے معنی نظر آتا تھا لیکن وہ اس قدر پُر اثر تھا کہ جلد ہی اس نے مجھے اپنی گرفت میں لے لیا۔

دفعتاً مجھے یاد آیا کہ منیٰ میں پہلے قیام پر جمار نے اندھے کے ہاتھ سے لاٹھی چھیننے کی کوشش کی تھی۔ انہوں نے مجھے قدرت سے جدا کرنے کی چال چلی تھی۔ اللہ کا حکم تو خیر ٹھیک ہے لیکن اب تو معاملہ ذاتی رنگ اختیار کر چکا تھا۔

میں نے غصہ کے عالم میں کنکروں کی پوٹلی کھولی۔

ارے۔ ان کنکروں کو دیکھ کر میں حیران رہ گیا اتنی چھوٹی کنکریاں یہ کیا ضرب لگائیں گی؟ اس وقت میرا جی چاہا کہ کوئی بڑا سا پتھر اٹھالاؤں اور جمرہ کو ماروں شاید میں پتھر مارنے سے گریز نہ کرتا۔ مشکل یہ تھی کہ جمرہ کے گرد بہت بڑا ہجوم تھا۔ زائرین کے سر ہی سر نظر آرہے تھے۔ اگر پتھر کسی کے سر پر جالگا تو۔

جب سے میں نے سرزمین حجاز پر قدم رکھا تھا میں نے کسی عورت کو غصے میں نہیں دیکھا تھا۔ ان کے چہروں پر عجیب قسم کو نور تھا۔ ان کے انداز میں نسائی شدت نہ تھی۔ صبر، تحمل اور سکون۔ یقین نہیں آتا تھا کہ وہ عورتیں ہیں۔

لیکن اس روز جمار کے قریب صبر و تحمل کی ملمع اتر چکی تھی۔ ایک عورت جمرے کو کھلّے دکھا رہی تھی۔ دوسری بجے دے رہی تھی۔ تیسری بجا دکھاتے ہوئے ہاتھ اٹھا کر کہہ رہی تھی: ''دے در پھٹے منہ تیرا''۔

''یا علی'' کا نعرہ سن کر میں چونک اٹھا۔ دیکھا تو ایک جوان زائر فاتحانہ انداز میں جمرے پر چڑھا ہوا تھا اور دھڑا دھڑ اسے جوتوں سے پیٹ رہا تھا۔

میں نے اس نوجوان کی طرف حسرت سے دیکھا چونکہ میرے لیے وہاں پہنچنا بے حد کٹھن تھا۔ اس عمل میں دھکا بازی، مونڈھے چلانے اور داؤ پیچ کھیلنے میں دسترس کی ضرورت تھی میرے پاس ان چھوٹی چھوٹی کنکروں کے سوا کچھ نہ تھا۔ میں نے دوبارہ پوٹلی کھولی۔ ان میں سے سات موٹی موٹی کنکریاں چن کر مٹھی میں دبالیں اور جمرۃ العقبہ کی طرف بڑھا۔

چونکہ اس وقت میں جمرے سے خاصے فاصلے پر تھا۔ اس لیے کنکری جمرۃ تک پہنچانے کے لیے میں مڑا اور پھر ہجوم کی طرف بھاگا جس طرح کرکٹ میں باؤلر گیند پھینکنے سے پہلے مڑ کر دوڑ لگاتا ہے ہجوم کی حد تک دوڑ کر میں نے پورے زور سے کنکری جمرے کی طرف پھینکی اور پھر ایڑیاں اٹھا کر دیکھنے لگا کہ وہ نشانے پر لگی بھی ہے کہ نہیں؟

دفعتاً میرے ماتھے پر زور سے ایک کنکر آ کر لگی۔

ارے! میں گھبرا گیا۔ پتھر تو میں نے مارا تھا پھر وہ مجھے آ کر کیسے لگا میرے آگے کھڑے زائرین کا مارا ہوا پتھر مجھے کیسے لگ سکتا تھا۔ میرے پیچھے کھڑے زائرین کا پھینکا ہوا پتھر میرے سر کے پچھلے حصے پر لگتا، پیشانی پر نہیں۔ میں بوکھلا گیا۔

پھر مزید غصے میں دوڑ لگا کر میں نے دوسرا پتھر مارا۔ معاً ایک پتھر میرے گال پر آ لگا۔ جب میری ناک پر تیسرا پتھر لگا تو میں سوچنے لگا، کیا میں جمرہ کو پتھر مار رہا ہوں یا جمرہ مجھے پتھر مار رہا ہے؟

کیا وہ مجھے اس بات کا احساس دلا رہا تھا۔ کہ وسوسے ڈالنے والا، نافرمانی پر مائل کرنے والا، بہکانے والا، خود میرے ہی اندر موجود تھا۔ کہ میرے دل کی گہرائیوں میں بہکنے والا اور بہکانے والا دونوں یارانہ لگائے بیٹھے تھے، گٹھ جوڑ کیے بیٹھے تھے۔ ان کے اس گٹھ جوڑ سے میرے سوا ساری کائنات واقف تھی اور شاید در پردہ میں خود بھی واقف تھا لیکن اپنی نظر میں اپنی عزت بچائے رکھنے کے لئے میں نے نہ جاننے کا ڈھونگ رچا رکھا تھا۔

جب مجھے چوتھا کنکر لگا تو گویا میری نگاہ سے پردہ ہٹ گیا۔

میری طرف دیکھو میں نے چلا کر ہجوم کو مخاطب کیا، ''بھائیو! جمرہ وہ نہیں ہے، میں ہوں، مجھے کنکر مارو، مجھے، اس بے جان کو کنکریاں مارنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ میں نے بنی نوع انسان کو بہکایا ہے میں نے لوگوں کے دلوں میں وسوسے پیدا کیے ہیں۔ میں نے کفر والحاد کا بیج بویا ہے۔''

''میری طرف دیکھو میں دانشور ہوں۔ میں نے شک کو علم کی بنیاد قرار دیا ہے۔

میری طرف دیکھو میں ادیب ہوں۔ میں نے نئی اور انوکھی بے ادبیوں پر جدید ادب کی تعمیر کی ہے۔

میں فلسفی ہوں، میں نے چون وچرا کے خوب صورت ٹائلوں سے ایوان فلسفہ کی تعمیر کی ہے۔

میں سائنسی انداز کا مفکر ہوں اور میں نے فکر کو سیکولرازم کی حدوں سے باہر نکلنے پر پابندی لگا رکھی ہے۔

میں پڑھا لکھا فرد ہوں میں نے کفر کو تہذیب کی بنیاد قرار دے رکھا ہے اور ایمان کو جہالت کی نشانی۔

بھائیو! مجھے کنکریاں مارو، میں جمرہ ہوں۔ مجھ سے ڈرو نہیں کہ میں تم سے ہوں۔''

میں وہاں کھڑا چلا رہا تھا لیکن میرے حلق میں آواز نہ تھی اور ہجوم غصے اور غیظ وغضب سے جمرہ کو پتھر مارنے میں مصروف تھا۔

(مندرجہ ذیل بالا اقتسابات منشی مفتی صاحب کی تصنیف ''لبیک'' سے لئے گئے ہیں۔ جس میں مصنف کے سفر حجاز کی نفسیاتی روحانی جسمانی اور جذباتی کیفیات کا خلاصہ کیا گیا ہے۔)

Printed at JK Offset Printers
315, Matia Mahal Jama Masjid Delhi 110006